ص وارث ۔ 42 [illegible] ۔

ص 50 چند اغزل (ص 44، 45 سید)

157
80
77

المولی الاعز الداعی الی الخیر خلاصۃ الارواح سر المشکوٰۃ والزجاجۃ

والمصباح شمس الحق والدین نور اللہ فی الاولین والاخرین

(مولنا روم)

اے شمس واے قمر تو اے شہد واے شکر تو اے مادر و پدر تو جز تو نسب ندارم

اے شاہ شمس تبریز اے اصل فضل ولہا بے بصرہ وجودت من بیک طبیدیم

حالات حضرت شمس تبریز

یعنی

قدوۃ العارفین اسوۃ الواصلین حضرت شیخ شمس الدین تبریزی

کے حالات و واقعات اور سوانحات و کرامات وغیرہ

مؤلفہ

منشی محمد الدین صاحب فوق - حالات مولنا روم - یاد رفتگان - حالات

داتا گنج بخش - و ایڈیٹر کشمیری میگزین لاہور

سنہ ۱۳۳۲ھ مطابق سنہ ۱۹۱۴ء

کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب کیلئے

بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ میں باہتمام کرم بخش پرنٹر چھپے

بار دوم ۲۰۰۰ - دوہزار قیمت ۶

۷۸۶

دیباچہ

قریباً تمام مشرقی دنیا شمس تبریزؔ کے نام سے آگاہ ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جو اُن کے حالات و کمالات سے بھی کچھہ واقفیت رکھتے ہوں شمس تبریزی کس شان اور کس رتبہ کے بزرگ و ولی تھے؟ وہ اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا روم اُن کی صحبت و ہمنشینی پر فخر کرتے تھے اور باطنی علوم کا اُن سے استفادہ بھی کرتے تھے مولٰنا روم حضرت شمس تبریزی کی شان میں فرماتے ہیں۔

اے شمس تبریزی کہ تو ہر روز و شب برتری
لاشرقی لاغربی توئی اینک سخن کوتاہ شد

افسوس ایسے رمز شناس حقیقت کے حالات سے نہ صرف موجودہ زمانہ کا مذہبی و اسلامی لٹریچر خالی ہے بلکہ زمانہ سلف کی کتابوں میں بھی آپ کے حالات برائے نام پائے جاتے ہیں۔ مناقب العارفین۔ جواہر مانیہ نفحات الانس اور دیوان حضرت شمس تبریز کے مطالعے سے اس شمس الحق والدین کے حالات پر کچھہ روشنی پڑتی ہے لیکن وہ ایسی مدھم ہے کہ کسی ایک کتاب سے بھی حضرت کی تاریخ پیدایش تک نہیں مل سکتی۔

اسلئے یہ چند اوراق چند کتابوں کے خرمن کی خوشہ چینی کا نتیجہ ہیں ہر ایک خرمن سے تھوڑے تھوڑے دانے جمع کئے ہیں اور ایک مستقل خرمن قائم کر کے غذائے روح کا سامان بہم پہنچایا گیا ہے۔ امید ہے صاحبدل احباب اس چھوٹی سی کتاب سے حظ وافر حاصل کرینگے۔

۱۳۔ اپریل سنہ ۱۹۱۰ع بروز چہارشنبہ
بوقت شب ۱۲ بجے

محمد الدین فوق
لاہور

پیدائش اور بچپن

صوفیائے کرام کے تاریخی اور صحیح حالات بہت کم دستیاب ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کے متعلق جیسے کچھ واقعات پیش آتے رہے اور جو کچھ ان سے کمالات ظاہر ہوتے رہے مریدوں اور خوش اعتقادوں نے اُن کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا۔ اگر مورخ لوگ جو تاریخ نویسی کا صحیح مفہوم رکھتے تھے اُس طرف توجہ کرتے تو ہر واقعہ بقید سنہ و تاریخ ظاہر کیا جاتا۔ اُن کی پیدائش اور بچپن کے حالات سلسلہ وار ہوتے۔ ان کی تعلیم و تربیت اس ڈھنگ سے بیان کی جاتی کہ آئندہ نسلیں اس سے فائدہ حاصل کریں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر کیا جاتا کہ کس بادشاہ کے وقت میں اُس ولی اللہ کا ظہور ہوا اس وقت دنیا کا کیا حال تھا تہذیب و تمدن کس رنگ میں تھا۔ اور خصوصاً دنیائے اسلام کی کیا کیفیت تھی۔ افسوس یہ باتیں بہت کم ملتی ہیں کرامات اور خوارق عادات کا بہت ذکر ہے اور وہ بھی اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ موجودہ زمانہ میں جبکہ مشاہدہ غیبی کا ہر شخص کو شوق ہے ان پر آسانی کے ساتھ یقین نہیں کیا جا سکتا۔ مولٰنا شمس تبریز کے حالات میں بھی یہی دقتیں ہیں نفحات الانس اولیائے اللہ کے حالات میں ایک نہایت مشہور اور ضخیم کتاب ہے شمس تبریز کے حالات بھی اس میں تین صفحوں سے زائد پر بیان ہوئے ہیں۔ لیکن تاریخ پیدائش کا کہیں ذکر نہیں مناقب العارفین مولٰنا روم اور شمس تبریز اور چند دیگر بزرگان سلسلۂ مولویہ کے حالات میں ایک معقول اور جامع کتاب ہے شمس تبریز کے حالات کئی صفحوں میں بیان کئے گئے ہیں لیکن سب ورق چھان ڈالو تاریخ پیدائش کا کہیں پتہ نہ چلیگا حالانکہ یہ کتاب ۷۱۸ھ کی تصنیف ہے جبکہ شمس تبریز کے انتقال کو پورے پچھتر سال بھی نہ گذرے تھے۔ نفحات الانس، مناقب العارفین اور بعض دیگر کتابوں میں جزوی اختلاف کے

ساتھ یہ مذکور ہے کہ مولانا روم اور شمس تبریز کی پہلی ملاقات قونیہ میں ۶۴۲ھ ہجری میں
واقعہ ہوئی تھی اس وقت مولانا کی عمر ۶۰۴ھ کی پیدائش کے مطابق پورے اڑتیس
سال کی تھی اس وقت مولانا وعظ ونصیحت اور درس وتدریس میں مشغول رہتے
تھے حالت وجد اور سماع کی کیفیت سے ابھی تک ناآشنا تھے حقیقت کی منزل
شریعت سے آگے تھی اس لئے کسی ایسے ہی اُستاد کامل کی ضرورت تھی جو تجربہ
مجاہدہ اور عمر میں بھی مولانا سے بڑا ہوتا اور مولانا روم جیسے عالم متبحر اور بزرگ
کامل پر غلبہ حاصل کر کے انہیں اپنے طریق پر لے جاتا اس لئے یہاں قیاس سے
کام لینا پڑتا ہے اور حالات پر نظر دوڑا کر کہنا پڑتا ہے کہ علوم ظاہری کو طے کرنے
مجاہدہ ومشاہدہ میں کمال حاصل کرنے اور شہرت پیدا کرنے کے لئے کم سے کم
تیس پینتیس سال کی عمر ضروری ہے اور یہ امر قرین قیاس ہے کہ شمس تبریز جب
مولانا روم سے ملے ہیں تو اُن کی عمر مولانا سے دو چار سال یا زیادہ تھی یا کم نہ
وہ اُن سے بہت چھوٹے تھے اور نہ بہت بڑے۔

اس حساب سے آپ کی پیدائش ساتویں صدی ہجری میں ہوئی جبکہ ایشیائے کوچک
میں سلطان محمد خوارزم شاہ کا جاہ وجلال کمال زور پر تھا اور اس کی وسعت حکومت
خراسان ایران کا شغر ماوراء النہر اور عراق سے گذر کر سلطنت عباسیہ کو نیست ونابود
کرنے کے درپے تھی۔ بقول صاحب مناقب العارفین مولانا شمس تبریز کو شیخ ابوبکر
تبریزی زنبیل باف سے ارادت تھی اور بقول صاحب نفحات الانس[1] بابا کمال خجندی
سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا مگر زیادہ تصدیق شیخ ابوبکر تبریزی ہی کے مرید

---

[1] نفحات الانس میں اس نام کے دو بزرگوں کا ذکر ہے ایک کا نام بابا کمال جندی ہے جو شیخ نجم الدین کبرٰی
کے مریدوں میں تھے کہتے ہیں کہ شیخ نجم الدین نے انکو ایک خرقہ دیا کہ ترکستان کے ملک میں شمس الدین مفتی
کا بیٹا کا احمد مولانا ہے اسکو یہ پہنا دینا احمد مولانا ابتدا ہی سے مجذوب تھا اس خرقے کے پہننے اور بابا
کمال جندی کی صحبت سے بزرگ کامل ہو گیا دوسرے بزرگ کا نام شیخ کمال خجندی ہے جو علاوہ ولی کامل ہونیکے
شعر وشاعری میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے آپکی وفات ۷۷۲ھ ہجری میں ہوئی ہے تبریز میں مزار ہے
لیکن ان دونوں بزرگوں کے حالات میں شمس الدین تبریزی کا کہیں نام بھی نہیں ہے شمس تبریزی اور شیخ
کمال خجندی کے سن وفات میں تقریبًا ایک سو ساٹھ سال کا فرق ہے اسلئے ممکن ہے کوئی اور بزرگ اس نام
کے ہوں جنکے حالات نفحات الانس میں نہ لکھے گئے ہوں۔

ہونے کی ہے چنانچہ حضرت سلطان ولد مولانا روم کے باکمال صاحبزادے سے روایت ہے کہ ایک دن میرے والد سے شمس الدین تبریزی نے فرمایا کہ میں نے سب ولائتیں اور فیوض اور برکتیں شیخ ابوبکر تبریزی سے حاصل کی ہیں۔

حضرت سلطان ولد سے مناقب العارفین میں روایت ہے کہ بچپن ہی میں مجھے مختلف شکلوں میں تجلیات الٰہی نظر آیا کرتی تھیں فرشتے بھی دکھائی دیتے تھے زمین و آسمان کے چھوٹے بڑے اعلےٰ و اسفل سب مقام میرے زیر نظر تھے میرے لئے یہ باتیں غیر معمولی نہ تھیں اور میں سمجھتا تھا کہ شاید اور لوگ بھی میری طرح سب کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ مگر جب میں لوگوں سے اپنی باتیں اور اپنے مشاہدات بیان کرتا تو لوگ حیران رہجاتے اور بعض صاف انکار کر جاتے اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص کے مستحق بھی خاص لوگ ہی ہوا کرتے ہیں ؎

دہد حق عشق احمد بندگان چیدۂ خود را ۔۔۔ بخاصاں شاہ مے بخشد مے نوشیدۂ خود را

شیخ ابوبکر علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے آپ کی صحبت سے حضرت شمس تبریزی کو وہ کمالات حاصل ہوئے اور وہ ایسے برتر مقام میں پہنچے کہ بچپن ہی میں حضرت تبریزی کا نام شمس پرندہ (یعنی اڑنیوالا) مشہور ہو گیا آپ کے سینہ مبارک میں عشق الٰہی کی آگ اس قدر گرم تھی کہ شیخ ابوبکر بھی اس کے بجھانے میں قاصر رہے اور آخر تبریزی کو ایک اور مرشد اور دوست کی تلاش ہوئی جو اُن کی صحبت کی گرم جوشیوں کو برداشت کر سکے اور جو سوز عشق کا دھواں ظاہر ہونے دے۔

مولانا شمس تبریز کے والد بزرگوار کا نام علاؤالدین تھا وہ ایک شخص کیا بزرگ کے خاندان سے تھے۔ جو فرقہ اسمٰعیلیہ کا مشہور امام و مقتدیٰ ہو گذرا ہے مولانا شمس نے علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل تبریز ہی میں کی۔ اور گھر ہی میں بیٹھکر تمام دنیا میں نام پیدا کر لیا۔

شمس تبریزی مولانا روم کی خدمت میں

عشق الٰہی کا جذبہ روز بروز غلبہ حاصل کر رہا تھا دل کی تڑپ ہر وقت بے قرار رکھتی تھی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود ایک پیغمبر اعظم ہونیکے ایک ہم صحبت

کی تلاش تھی اور خدا کی جناب سے کسی دل نور ہمدرد خدا کی دعا کیا کرتے تھے اسی طرح حضرت شمس تبریز کو بھی باوجود سلطان العارفین ہونیکے ایک ہم مذاق ہم جستجو ہمیشہ بے چین رکھتی تھی آخر بارگاہ الٰہی کی طرف سے ایک دن ایما ہوا کہ اگر ہم تمہیں تمہارے مذاق اور تمہاری مرضی کا دوست ملادیں تو بتاؤ نذرانہ کیا دوگے عرض کیا! یہ سر حاضر ہے اس سر میں سودا ہے اسی کو پار لگانا چاہتے- حکم ہوا- اقلیم روم میں ہمارا جاہ وجلال دکھا رہا ہے اس سے ملو اور اس کو اپنے رنگ میں رنگ لو اور صحبتوں کے خوب لطف اٹھاؤ غرض آپ بقول بعض دمشق سے اور بقول بعض تبریز سے قونیہ میں ۲۶- جمادی الآخر ۶۴۲ھ ہجری کو تشریف لائے آپ نے ایک سرائے میں بہ لباس سوداگری قیام فرمایا حجرہ کو قفل لگادیا تاکہ لوگوں کو ایک درویش ہونیکا گمان نہ ہوسکے حالانکہ حجرہ میں سوائے ایک پرانی چٹائی ایک ٹوٹے ہوئے پیالے اور اینٹ کے ایک تکیے کے اور کچھ نہ تھا-

آخر قران السعدین ہوا- آفتاب سے آفتاب ملا- روحانی روشنی سے روم جگمگا اٹھا معرفت وحکمت کے چشمے کھل گئے اور تشنہ لب منہ کھول کھول کر ان کی طرف دوڑنے لگے مولانا روم خود ایک ایسے مرد خدا کی ملاقات کے خواہاں تھے دونو طرف سے کشش تھی دل سے دل ملا اور ایسا ملا کہ موت کے زبردست ہاتھ کے سوا کوئی اسے جدا نہ کرسکا شمس تبریز کی صحبت نے چشمک کا کام کیا دل سے شعلے نکلنے لگے شریعت پر طریقت غالب آگئی درس وتدریس کا سلسلہ موقوف ہوگیا دواوین کلیات کا مطالعہ اور فقہ وحدیث کی کتابوں کا شوق بالکل کم ہوگیا وہ سماع وسرود جس کے خلاف وعظ کرنا خاندانی کام تھا غذائے روح بن گیا اس کی تعریف میں کئی شعر بلکہ غزلوں کی غزلیں تیار ہوگئیں اور جو سماع وسرود کی مخالفت میں حصہ لیتا اس سے سخت ناراضگی ظاہر کی جاتی غرض ملاقاتیں ہوتی تھیں اور خوب ہوتی تھیں[1]- مولانا روم سے روایت ہے کہ جب شمس تبریزی سے میری ملاقات ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک آگ تھی جو پاؤں سے سر تک مجھے ہمہ تن آتش کرگئی-

[1] مولانا روم اور شمس الدین تبریزی کی ملاقاتوں اور صحبتوں کا مفصل حال ہماری کتاب جلالت مولانا روم میں ملاحظہ فرمائیے ؟

میں اپنے والد حضرت بہاؤ الدین ولد کا کلام اکثر پڑھا کرتا تھا مولانا شمس نے ایک دن فرمایا کہ یہ کلام آئندہ نہ پڑھا کرو میں نے اُس کا پڑھنا بند کر دیا پھر فرمایا کسی سے گفتگو بھی نہ کیا کرو چنانچہ میں نے گفتگو بھی ترک کر دی لیکن میرے دوستوں نے اسکو بُرا منایا اور وہ لوگ جو رات دن میری باتوں کے سُننے کے مشتاق رہتے تھے شمس کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور آخر اُنہیں نقصان پہنچا کے رہے۔

ذکر ہے کہ ایک رات مولانا روم دیوان متنبی کا مطالعہ کر رہے تھے اسی حالت میں نیند آگئی خواب میں دیکھتے ہیں کہ مدرسہ کے علمار باہم مباحثہ بلکہ مناقشہ میں مصروف ہیں اور سب دشتم تک نوبت پہنچ رہی ہے مولنا نے خواب ہی میں ان پر اظہار افسوس کیا کہ ایسے عالم ہو کر حیوانوں کی طرح لڑتے ہیں ناراض ہو کر مدرسے سے باہر آنا چاہا اسی حالت میں آنکھ کھل گئی صبح کا وقت تھا۔ دیکھا تو مولنا شمس سامنے کھڑے ہیں آپ نے مولانا روم کی پریشانی دیکھ کر فرمایا علمار کا کوئی قصور نہیں یہ سب دیوان کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

مگر باوجود اس کے مولانا روم کو اس دیوان سے عشق تھا وہ چوری چھپے اس کو پڑھ ہی لیا کرتے تھے ایک رات خواب میں دیکھا کہ مولانا شمس متنبی شاعر کو ڈاڑھی سے پکڑ کر مولانا کی خدمت میں لے آئے اور کہا یہ وہ شخص ہے جس کا کلام تم رات دن پڑھا کرتے ہو۔ شاعر مولانا کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا اور کہتا تھا میرے دیوان کو جلا دیجئے اور مجھے انکے پنجہ سے نجات دلایئے اسکے بعد مولنا روم ترک مطالعہ کر کے ریاضت مجاہدہ اور سماع میں مشغول رہنے لگے۔ مولنا روم سے آپ کو کمال محبت تھی مولنا بھی آپ پر جان فدا کرتے تھے بلکہ آپ کی شان میں اور آپکے نام پر کئی غزلیں کہی ہوئی ہیں جن کا ذکر اپنے موقع پر آئیگا۔

روایت ہے کہ ایک دن مولنا شمس حجرۂ مدرسہ کے باہر اور مولنا روم حجرہ کے اندر تھے لوگ مولنا روم کو ملنے آتے تو آپ اُن سے کہتے کہ ہم مولنا روم کے درمیان ہیں بتاؤ ہمارے لئے کیا لائے ہو کچھ نذرانہ دو ہم تمہیں مولنا کی زیارت کرا دینگے ایک نااہل نے کہا ہم سے پوچھتے ہو کیا نذر لائے ہو پہلے تم کہو تم کیا لائے ہو آپ نے فرمایا ہم نکلے سر کو اپنے دوست اپنے محبوب اور اپنے مولنا

پر قربان کر دیا ہے۔ اور فی الواقع ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے مذکور ہوگا۔
جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر ہو چکا ہے مولٰنا شمس کی ملاقات نے مولٰنا روم سے نماز روزہ ترک کرادیا اور اپنی محبت کے سوا سب کی محبت سے قطع تعلق کرالیا چنانچہ ایک غزل میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

اے دشمن روزہ و نماز م — وے عمر و سعادت درازم
ہر پردۂ کہ ساختم در یدے — بگذشت ازاں کہ پردہ سازم
بندہ اُست زمین و تو بہارے — پیدا شود از تو جملہ رازم
چوں صید تو ام چگونہ پرّم — چوں مار تو ام چگونہ تازم
پروانۂ من چو سوخت در شمع — دیگر زچہ باشد احترازم
یک بار دگر مرا فسوں خواں — وز روح مسیح در طرازم
خامش کہ عاقبت مرا کار — محمود بود چو من ایازم

حسام الدین چلپی اور مولانا روم سے مولٰنا شمس کی عجیب فرمائشیں موجودہ زمانہ کے پیروں مریدوں کے تعلقات پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے زبردستی کا ایک سلسلہ ہے جسکو رسم و رواج کی زنجیریں مضبوطی کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ خلوص دل اور صفائی قلب کا بہت کم دخل ہے پیر چاہتا ہے کہ نظر بچے تو مُرید کے گھر تک کی صفائی کردوں اور جو ملے عمر عیار کی زنبیل میں ڈال لوں مُرید چاہتا ہے پیر صاحب سے دُور کی صاحب سلامت بھی نہ رہے۔ اور اگر وہ گھر میں آہی پہنچیں اور اسپر کوئی فرمائش بھی ڈالدیں۔ تو پاؤں تلے سے زمین نکل جاتی ہے اور سکتہ کا عالم طاری ہو جاتا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے یہ بے اعتقادی اور بدگمانی کیوں ہے حضرات مشائخ سے اسرار باطنی اور ارادتمندوں سے ادب ظاہری تک کیوں مفقود ہو رہا ہے جہاں تک حالات اور واقعات سے تعلق ہے کہنا پڑتا ہے کہ پیران عظام اپنے فرائض اصلی سے قطعی بے خبر ہیں بلکہ بہت سے ایسے پیر بھی ہیں جو پیری کی اہلیت بھی نہیں رکھتے اور صرف باپ دادا کا نام لیکر پیٹ پال رہے ہیں اور پیر ہو کر مریدوں کے دروازوں کی خاک چھان رہے ہیں۔ مریدوں کے پاس جانا کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ حلم اور انکسار کی ایک نہایت عمدہ علامت

ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس نیت سے جاتے ہیں اگر اُن کی یہ غرض ہے کہ کسی خاص مرید کو جس سے اُن کی محبت ہے کوئی ہدایت دین یا معرفت کے حقائق بیان کریں یا اس مقام کے اور لوگوں کی بہتری و ہدایت منظور ہو۔ تب تو بہت اچھی بات ہے اور اگر صرف پیٹ پالنے سے غرض ہے تو صاف ظاہر ہے کہ پیری سے دوکانداری کا کام لینا شروع کر دیا ہے جو نہایت معیوب ہے زمانہ سلف میں سجادہ نشینی کسی کی جائداد موروثی نہیں تھی۔ خود مولانا روم ہی کی طرف دیکھئے آپ کے صاحبزادے حضرت سلطان ولد ایک بزرگ کامل اور مشہور زمان صوفی تھے۔ لیکن باوجود آپ کی موجودگی کے مولانا روم نے حضرت حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین نامزد فرمایا۔ آج کتنے صاحبزادے ہیں جو سجادہ نشینی سے جدی جائداد اور موروثی جاگیر کا کام نہیں لے رہے۔ بجائیکہ اُن کو خلق خدا کی ہدایت اسلام کی خدمت اور شریعت و طریقت سے کوئی مس ہی نہیں۔ اسی طرح مریدوں میں ہی اخلاص اور محبت نہیں ہے آج کل کے طالب یہ چاہتے ہیں کہ پیر صاحب چشم زدن میں تانبے کو سونا بنا دیں۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے معشوق کو ایک لحظ میں ملا دیں اور جو ہماری آرزو ہے وہ ایک ساعت ہی میں پوری ہو جائے نہ ہمیں نماز روزہ کا پابند ہونا پڑے۔ نہ طریقت و حقیقت سے آشنائی ہو اور نہ کوئی اور کسی قسم کی تکلیف برداشت کرنی پڑے بالخصوص نقدی کے نذرانہ سے تو ضرور معاف رکھا جائے۔ اب ایسا پیر اور پیر کہاں سے آئے۔ جو پہلے مُریدوں کو امتحان دے اور اگر مرید کی آرزو وہ پوری کردے تو پھر اُس کے الطاف کا مستحق ہو۔ اللہ اللہ سہ

اے دوست مرے قتل پہ باندھی تو ہی تلوار ؛ پہلے یہ کہو باندھنی آتی ہے کمر بھی

معلوم ہوتا ہے مولانا شمس کے زمانہ میں بھی ایسی نکتہ چینیوں کا کم و بیش وجود پایا جاتا تھا چنانچہ مولانا شمس نے ایک مجمع میں فرمایا امیروں اور بادشاہوں اور اولیاؤں کے دستر خوانوں دروازوں اور حلقوں کے گرد گھومتے ہو اور کتوں کی طرح دم ہلاتے ہو مگر روٹی کا ٹکڑا کہیں سے بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتا۔ کتنے ہو اولیاء کی نظر کیمیا کا اثر رکھتی ہے اور دل کی سب آلائشیں دور کر دیتی ہے لیکن کیا سبب ہے کہ تم میں وہی تلخی اور ترشی بدستور موجود ہے تم کو ناز ہے کہ فلاں بزرگ کی صحبت میں بیٹھے آئینہ قلب کو صاف کیا۔ ریاضتیں کیں اور اپنے پیر کی ناز برداریاں اُٹھائیں لیکن تمہارے

دل ایسے ہی تاریک ہیں جیسے پہلے تھے ایک شخص کو علم و فضل اور زہد و اتقا پر ناز ہے ایک کہتا ہے میرے مریدوں پر قابو نہیں اور زندگی میں کوئی نمایاں اثر نہیں تو ان دعووں سے فائدہ کیا لوگ چاہتے ہیں کہ ہم گھر بیٹھے بغیر محنت و ریاضت اور بغیر خدا کی عشق بازی کے بایزید کے ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو جائیں ایسے لوگوں سے بھاگنا چاہئے یہ فقیری نہیں کرتے دکانداری اور بدمعاشی کرتے ہیں ؎

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی ۔ بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں

اس بات کی شہادت اکثر کتابوں سے ملتی ہے کہ مولانا شمس تبریزی سے مولانا روم کے مرید اور خادم بہت حسد کیا کرتے تھے۔ لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور جن کے سینوں میں حسد و رشک کی گنجائش نہ تھی اور جو مولانا شمس کے مراتب و فضائل سے آگاہ تھے وہ اُن کی نہایت تعظیم کرتے اور نہایت عجز سے پیش آیا کرتے تھے اُنہیں چشم بصیرت والوں میں حسام الدین چلپی بھی تھے۔ جو بعد میں مولانا روم کے خلیفہ اور جانشین قرار پائے ایک دن مولانا شمس نے حسام الدین سے فرمایا۔ دوست زبانی محبت سے کام نہیں چلیگا سنتے ہیں دین مال ضرر کے قریب ہے اگر رسائی چاہتے ہو تو کچھ نقدی دلواؤ۔ حسام الدین فوراً اپنے گھر گئے جو کچھ ملا لے آئے بیوی کا زیور اور باغ تک جو نہایت پُر فضا تھا فروخت کر کے نقدی مہیا کی اور مولانا کے قدموں میں لا کے ڈال دی روتے تھے اور کہتے تھے زہے قسمت کہ دین و دنیا کے ایسے جلیل القدر بادشاہ نے فرمائش کی مولانا شمس نے فرمایا حسام الدین اللہ تعالیٰ تمہارے مراتب اس سے بھی زیادہ کرے مردان خدا کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے وہ دونوں جہان کی نعمتوں سے پاک ہیں اولیاء کی نظروں میں مرید کا اور کسی معتقد کا سب سے بڑا امتحان ترک محبت ہے دوسرا امتحان ترک ماسوی اللہ ہے کوئی مرید بغیر خدمت و اطاعت اور مال صرف کرنے کے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ روپیہ لے جاؤ اور خدا کی راہ میں اُسکو دیدو چنانچہ حسام الدین چلپی نے اولیائے کرام کے گروہ میں ایک ممتاز جگہ حاصل کی۔ اور مولانا روم کی سرکار سے علاوہ جانشینی کے کنوز العرش کا خطاب بھی حاصل کیا۔ "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" ؎

حُبِ درویشاں کلیدِ جنت است ۔ دشمنِ ایشان سزائے لعنت است

مولانا روم کے پوتے یعنی حضرت سلطان ولد کے صاحبزادے حضرت چلپی عارف[1] سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مولانا شمس نے ازراہ محبت و بطریق ناز و نیاز مولانا روم سے کہا کہ کیا اچھا موسم اور کیا اچھا دن ہے اس وقت کوئی خوبصورت عورت ملجاتی تو وقت بھی نہایت اچھا کٹتا اور روح کو غذا دماغ کو فرحت اور قلب کو سرور حاصل ہو جاتا مولانا دوڑے دوڑے اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی کیمیا خاتون کا ہاتھ پکڑ کر لے آئے مولانا شمس نے فرمایا بہن کو معشوق نہیں کہتے اور نہ بہن کے لئے ایسے الفاظ بول سکتے ہیں یہ تو میری بہن ہیں تم نے کیا غضب کیا ان کو لیجاؤ اور کوئی خوبصورت لڑکا لے آؤ۔ مولانا پھر گئے اور اپنے لڑکے سلطان ولد کو لے آئے مولانا شمس الدین نے کہا بیٹوں سے یہ دل لگی نہیں کی جاتی یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور میری آنکھوں کا نور ہے پھر فرمایا موسم اور وقت کے لحاظ سے اس وقت شراب بھی تھوڑی سی کہیں سے مہیا کردو کہ اس کے نشہ میں "ذکر عیش بہ از عیش" ہی کا مزا آجائے یہ دیوان کے محلے میں دوڑے گئے جہاں شراب فروشوں کی دکانیں تھیں ایک دکان سے شراب کا ایک مٹکا اٹھا لائے اور اپنے یار دلنواز کے آگے لا رکھا مولانا شمس مولانا روم کی یہ عقیدت دیکھ کر تڑپ اٹھے چھاتی سے لگایا پھر قدموں میں گر پڑے حالت بیتابی میں عبا کو پھاڑ ڈالا اور کہا اول و آخر کی قسم ابتدا و انتہا کی سوگند تمہارے حلم اور تمہارے قلب کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں ہے تم نے وہ کیا جو کسی سے نہ ہو سکا تمہارے اوصاف حد بیان سے باہر ہیں اور فی الواقعہ مولانا روم بھی مولانا شمس پر جان فدا کرتے تھے اسے بے کار سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے اور اس شعر کے مطابق کر بھی دکھاتے تھے ؎

مال سے جان سوا جان سے ایمان سوا مال سے جان سے ایمان سے سوا تم مجھکو

مولانا شمس کی اطاعت پر مولانا روم کو طعن تشنیع

قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ مولانا شمس کی ملاقات سے پیشتر مولانا روم علوم ظاہری

[1] مولانا روم شمس الدین کے مرید جن کا فقر و تصوف میں بہت بڑا مرتبہ ہے اور جو مناقب العارفین کے مصنف ہیں حضرت چلپی عارف کے مریدوں میں تھے۔

کی تدریس کرتے تھے بلکہ اکثر کتابوں میں مذکور ہے کہ اُن کی سواری نہایت جاہ و جلال سے نکلا کرتی تھی اُن کا حلقۂ درس علماء و فضلاء کی محفل سے سجا رہتا تھا مولانا کی ملاقات کے بعد جب وہ سرود و سماع کے عاشق اور تعلقات دنیوی کے ایک حد تک تارک ہو گئے تو لوگوں کو فکر پیدا ہوا بلکہ اکثر نے طعن و تشنیع شروع کر دی کہ ایسا عالم فاضل ہو کر ایک "تنگ دھڑنگ" کے پنجہ میں کس طرح پھنس گیا اور اس کی ایک ہی ملاقات میں برسوں کے علم و فضل کو کس طرح تباہ کر بیٹھا۔ ایک دن مشائخ کا مجمع تھا اس میں ایک صوفی نے کہا کہ بہاؤ الدین ولد بلخی کے بیٹے نے نہ صرف اپنا علم و فضل بلکہ باپ کا روشن نام بھی بدنام کر دیا اور ایک تبریزی جادوگر کا مطیع ہو گیا تعجب ہے کہ خراسان کی مٹی تبریز کی مٹی کی متابعت کر رہی ہے مولانا شمس نے سنا تو کہا کمترین اپنے آپ کو صوفی کہتا ہے مگر صوفی ہوا تعجب ہے کہ رشک و حسد میں مبتلا ہو تبریزی پر کیا منحصر ہے اگر استنبولی مٹی میں کمال باطنی ہو تو اس کی متابعت بھی واجب ہے خدا کی دین ہے کسی خاص سرزمین کے ساتھ وابستہ نہیں ہے ؎

اقبال لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض ہم تو اسیر ہیں خم زلف کمال کے

مولانا شمس کی ناراضگی اور قونیہ سے روانگی

لوگوں کے طعن و تشنیع اور رشک و حسد اور آزاردہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا شمس ایک دن چپکے ہی چپکے قونیہ سے بقول بعض تبریز اور بقول بعض دمشق کی طرف روانہ ہو گئے جب مولانا روم کو خبر ہوئی بہت رنج کیا زبان قلم اور زبان حال سے وہ فریاد و آہ کی کہ آسمان چکرا گیا لوگوں کے دل ہل گئے خادموں کو خیال تھا کہ اب شمس چلے گئے ہیں خلوت و جلوت میں بس اب ہم ہی ہم ہو نگے لیکن مولانا روم نے بالکل تنہائی اختیار کر لی اور کسی کو اپنے پاس آنے بیٹھنے اور کلام تک کرنے کی اجازت نہ دی وصال کے بعد ہجر کا نظارا نہایت اندوہناک ہے خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے مولانا روم کے دل کو ٹھیس لگی دل دردمند سے شعروں اور غزلوں کی صورت میں نالہ و بکا کے شعلے لپکنے لگے چنانچہ بیتاب ہو کر فرماتے ہیں ؎

اے یوسف آخر سوئے این یعقوب نابینا بیا ۔ دے عیسیٰ پنہاں شدہ بر طارم مینا بیا

اے موسیٰ عمران کہ در سینہ چہ شورہا نشست ؛ کالے خدائی میکند از ذرہ بالا بیا
رُخ زعفران رنگ آمدم خم داوہ چون چنگ آمدم ؛ در گور تن تنگ آمدم ایجان ما تنہا بیا
اے تو دوا و چارہ ام نور دل صد پارہ ام ؛ ندر دل بے چارہ ام چون غیر تو شد لا بیا
اے خسرو مہوش بیا اے خوشتر از صد خوش بیا ؛ اے آب اے آتش بیا اے دُر وا مے دریا بیا
مخدوم جانم شمس دین از جاہت ای روح امین ؛ تبریز شد سوئے حرام از مسجد اقصیٰ بیا

پھر فرماتے ہیں ؎

بنمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست ؛ بکشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست
اے آفتاب رخ بنما از نقاب ابر ؛ کان چہرۂ مشعشع تابانم آرزوست
بشنیدم از ہوائے تو آواز طبل باز ؛ باز آمدم کہ ساعد سلطانم آرزوست
گفتی بناز بیش مرنجا مرا برو ؛ آن گفتنت کہ بیش مرنجانم آرزوست
واللہ کہ شہر بے تو مرا حبس مے شود ؛ آوارگی و کوہ و بیابانم آرزوست
یکدست جام بادہ و یکدست زلف یار ؛ رقصے چنین میانہ میدانم آرزوست
گفتند یافت مے نشود جستہ ایم ما ؛ گفت آنکہ یافت مے نشود آنم آرزوست
بنمائے شمس مشعشع تبریز روز شرق ؛ من ہدہدم ہنوز سلیمانم آرزوست

ایسے پھر بے قراری کے عالم میں کہتے ہیں ؎

یا عاشق سرگشتہ و سودائے دمشقیم ؛ جان دادہ و دل بستہ و سودائے دمشقیم
وان صبح سعادت کہ بتابید ازان سو ؛ ہر شام و سحر مست سحرہائے دمشقیم
بر آب دو دیدیم جز از یار ندیدیم ؛ نان مشرب مستانہ بخضرائے دمشقیم
بر مصحف عثمان بنہم دست بہ سوگند ؛ کز بوئے آن دلبر لالائے دمشقیم
از روم بتازیم بہ تعجیل سوئے شام ؛ کز طرائے چون شام مطرائے دمشقیم

آخر جب اہالیان شہر اور حلقہ کے خدام مولانا کی ملاقات اور اُن کی شیرین کلامی اور رموز حقایق کے سننے کے لئے ترس گئے تو نہایت بے چین ہوئے۔

مولانا سلطان ولد سے فرمائش کی کہ جس طرح ہوسکے مولانا کو مناؤ اور جس طرح وہ راضی ہوسکتے ہیں کرو۔ آخر سلطان ولد مولانا روم کی خدمت میں گئے اور تجویز یہ قرار پائی کہ سلطان کی سرکردگی میں ایک وفد علمایان قونیہ اور خدام حلقہ کا مولانا شمس

کو منانے کے لئے جائے چنانچہ جب یہ جماعت دمشق پہنچی تو مولانا شمس ایک فرنگی
لڑکے سے جیل جلالجیہ کی سرائے میں چوسر کھیل رہے تھے یہ لڑکا خدا کے مقبول
بندوں میں تھا لیکن اپنی حالت سے بے خبر تھا مولانا شمس از راہ کشف اسکے کمالات باطنی سے آگاہ
ہو گئے تھے اور اسی لئے اکثر اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے لڑکے نے مولانا شمس
سے تمام بازی جیت لی اور غصہ سے ایک تھپڑ بھی اُن کے منہ پر مارا اور کہا واہ اسی
بساط پر بازی شروع کی تھی یہ حال دیکھ کر حضرت سلطان ولد سے نہ رہا گیا اس بے
ادبی و گستاخی کی تاب نہ لا سکے اور اس خیال سے کہ شوخ چشم لڑکا اس سے زیادہ کوئی
اور گستاخی نکرے۔ آپ مولانا شمس کے قدموں پر گر پڑے اور رونے لگے باقی جماعت
مودب ہو کے سامنے کھڑی رہی فرنگی زاد مولانا شمس کا یہ ادب و احترام دیکھ کر دنگ
رہ گیا مولانا شمس نے سلطان ولد کو قدموں سے اٹھایا اور ان کی پیشانی پر بوسے دیئے
مولانا روم کا حال دریافت کیا حضرت سلطان ولد نے علاوہ تحفہ سلام و پیام کے[1]
زر نقد بھی پیش کیا سلطان ولد نے عرض کیا سب خدام اپنے افعال بد اور
حرکات ناسزا سے توبہ و استغفار کرتے ہیں آپ ایک دفعہ قونیہ تشریف
لے چلیئے مولانا اور خدام اور دیگر لوگ بہت بے تاب ہیں مولانا شمس سفر روم کیلئے
تیار ہو گئے فرنگی زادے نے مولانا شمس کے ہاتھ پر بیعت کی اور عرض کیا کہ مال و دولت
لٹا کر آپ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہ کرو تم دین حاصل کرو
اور دنیا کو اس سے فائدہ پہنچاؤ وہ لڑکا مسلمان ہو گیا اور مولانا شمس کی دعا
و برکت لیکر اپنے ملک میں چلا گیا۔

ادھر مولانا شمس کے انتظار میں مولانا روم کو ایک ایک گھڑی شاق گذر رہی
تھی موسم بہار میں جبکہ جانور تک مست ہو جاتے ہیں مولانا روم بھی اپنے دوست
کی ہم نشینی کو تلاش کرتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں آتے باغ میں جاتے ہیں تو وہاں
بھی جی نہیں لگتا۔ سرو و شمشاد۔ نسرین و سمن۔ گل و غنچہ سب کو اپنی ہی طرح ہمہ تن

[1] زر نقد کی تعداد دو ہزار درم تک بیان کی جاتی ہے تحفہ پیام منظوم خطوط تھے جن میں سے
دو ایک "حالات مولانا روم" میں درج کئے جا چکے ہیں۔ مولانا شمس تبریز کے حالات پڑھنے والوں
کو مولانا روم کی سوانح عمری بھی ضرور دیکھنی چاہیئے۔

انتظار پاتے ہیں اور اپنی اور باغ کی یہ دردناک کیفیت دیکھکر فرماتے ہیں ؎

آمد بہار نامد آن شوخ گلعذار — مستیم و عاشقیم و نہ آرمیم و بیقرار
اے چشم وائے چراغ رواں شو بہ صحن باغ — گلزار شاہد ان چمن را در انتظار
گل از پئے لقائے تو در گلشن آمدست — خار از برائے کفِ تو گشتست خوش عذار
غنچہ گرہ گرہ شدہ لطفت گرہ کشا — از تو شگوفہ گیر وہ بر تو کند نثار
تخمے کہ مردہ بود کنوں یافت زندگی — از انکہ نماگی واشنست کنوں گشت آشکار
شاخے کہ میوہ دار و میناز داز نشاط — بیخے کہ نم نداشت خجل گشت و شرمسار
آخر چنیں شوند درختانِ روح نیز — پیدا شود درخت نکو شاخ بختیار

مولانا شمس کی قونیہ میں واپسی

آخر مولانا شمس قونیہ میں آئے مولانا روم سے ملے تمام لوگوں نے قدمبوسی کی بے ادبوں نے اپنی حرکات سے توبہ کی اور آئندہ خدمت گزار رہنے کا وعدہ کیا در و دیوار سے صدا آنے لگی ؎

اے فلک رشک سے نہ جل مرنا — بچھڑے ملتے ہیں ایک مدت کے

سماع کے جلسے شروع ہوئے اور اس زور شور کے ساتھ کہ در و دیوار بے جان و جاندار بے عقل و باعقل انسان و حیوان سب جدائی کیفیتوں کے مزے لینے لگے مولانا روم کی خوشی کی اگر کوئی انتہا نہ تھی تو مولانا شمس بھی فرط مسرت سے اچھلے جاتے تھے مولانا روم نے اس خوشی اور مولانا روم کے خیر مقدم میں بہت سی غزلیں لکھیں چند غزلوں کے مختصر ابیات یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

شاد آمدی شہا و ملوکانہ آمدی — اے سرو غیب در چمن و لالہ زار ما
تابندہ باش اے خورو پایندہ اے اسد — در بیشۂ جہاں از برائے شکار ما
دریا بجوش از تو کہ صد مثل گوہرے — کہسار در خروش کہ آں یار غار ما
آں کیست کو خراب نہ شد از شراب عشق — واں کیست کو برہنہ نشد در قمار ما
این نیم کارہ ماند و دل ما ز کار شد — کار او کند کہ ہست خداوند گار ما

یار آمد بہ صلح اے اصحاب | بالکم واقفین عند الباب
نوبت ہجر و انتظار گذشت | فادخلو الدار یا اولی الالباب
اُمت زہد را ادب صفتے است | امتہ العشق کلہم آداب
شمس تبریز جام عشق از تست | فہذا القلب للشراب کباب

الا یا ایہا العشاق کان زیبا نگار آمد | میان بند جنید عشرت راکہ یار اندر کنار آمد
بشارت مے پرستاں راکہ کار آفتاد مستاں را | کہ بزم روح گستر و بید بادہ بے خمار آمد

مولانا شمس نے ایکدن مدرسہ میں جبکہ اکابر شہر اور خدام بھی موجود تھے سلطان ولا کے متعلق فرمایا کہ میں ان کے حسن اعتقاد اور ان کی خدمات سے بہت خوش ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے بیش بہا خزانوں سے دو چیزیں عطا کی ہیں ایک انسانی شکل اور دوسرے صوفیانہ مذاق - انسان کی بزرگی اُس کے سر سے ہے جو عقل اور دماغ کا داو ملجا ہے اس کو میں نے مولانا روم پر نثار کردیا ہے اور سر دے کر ان کی صحبت حاصل کی ہے اور اس پر بھی کہتا ہوں ع بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم ۔ صوفیانہ مذاق کی بزرگی اسرار باطنی سے ہے وہ میں نے سلطان ولا کو دئے اور اسپر تم سب لوگوں کو گواہ کرتا ہوں سلطان ولا اگر ساری عمر ریاضت اور مجاہدوں میں بسر کردیتے تو بھی وہ اسرار و کمالات حاصل نکر سکتے جو انہیں اس سفر میں حاصل ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میں دوبارہ یہاں آیا ہوں ۔

مولانا شمس پھر چلے گئے

جن کے دل نور الہی سے محروم ہوتے ہیں اور جن کی آنکھیں فاعتبروا یا اولی الابصار کا نظارہ دیکھنے کے ناقابل ہوتی ہیں اُن کی سیاہ قلبی اور کور باطنی اپنی اندھا دھند حرکات سے کبھی باز نہیں آتی ہے

پھوٹے وہ آنکھ جس سے کہ آنسو گرا نہو | صد چاک ہو وہ دل کہ جو درد آشنا نہو

ایسے بد طینت و بد سرشت لوگوں پر صالح اور نیک دینوں کی صحبت بھی اپنا اثر

اثر نہیں کرتی۔ بلکہ خوئے بد در طبیعتے کہ نشست۔ نرود جز بوقت مرگ از دست۔
چنانچہ مولانا شمس کی ہروقت کی صحبت و ہم کلامی بعض ظاہر پرستوں کو پھر ناگوار گذری مولانا شمس سب کچھ دیکھتے تھے لیکن مولانا روم کی خاطر کسی مخالف اور سیہ کار کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے آخر جب دل کے اندھوں نے چشم بینا کو حسد اور آزار کی گرم سلائی سے تنگ کرنا شروع کیا اور جب دامن صبر و تحمل ہاتھ سے جاتا رہا۔ تو آپ قونیہ سے پھر غائب ہو گئے۔
مولانا روم تڑپتے تھے اور روتے تھے خدام کو پھر اندیشہ پیدا ہوا کہ خدا نخواستہ شدت فراق سے حالت دگرگوں نہ ہو جائے مولانا روم کی تسلی کیلئے ہر قسم کا سامان مہیا کرنا چاہا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے انہوں نے ان ناقدر شناسوں اور بدگوہروں کو منہ نہیں لگایا حالت اضطراب میں تلاش یار کے لئے خود نکلے دمشق کے میدانوں اور جنگلوں کا پتہ پتہ چھان مارا مگر گل مقصود ہاتھ نہ آیا اسی حالت میں بہت سی غزلیں لکھیں جن میں مولانا شمس کے دوبارا فراق کا ذکر تھا غزلوں سے دل بہلاتے تھے اور انہیں کو مونس تنہائی سمجھتے تھے فرماتے تھے ؎

بپر کن آں جام صفا را ساقیا بار دگر	نیست اندر دین و دنیا جز توام یار دگر
کفر داں اندر حقیقت جہل وا لانہ طریق	جز تماشائے جمالش پیشہ و کار دگر
تا تو آں رخ را نمودی عقل و ایماں محو شد	ہست مر طاق دل ما ہر طرف دار دگر
جز کہ در بغداد کوئیت بر امید وصل تو	نیست ہر روم ہیچ عاقل جز کہ بیمار دگر

بجز تو نہ باشد یار دیگر	درآئے میر خوباں بار دیگر
چو خورشید جمالت روئے بنمود	زہر ذرہ شنو اقرار دیگر
زہے دریا کہ پر کردے ز گوہر	کہ ہر گوہر نمود انوار دیگر
بہ یک خانہ دو بیمار اند عاشق	منم بیمار و دل بیمار دیگر
خدایا ہر دو را بیمار کردی	مرا ماندے و آں بیمار دیگر

خمش کن اے زباں چوں منتع نیست
مگر وقتیکہ یابی یار دیگر۔

بگرداں ساقیا آں جام دیگر
بدہ جام مرا آرام دیگر
بجان تو کہ امروزت بہ بینم
کہ صبرم نیست تا ایام دیگر
خلاصم دہ خلاصم دہ خلاصم
کہ سخت افتادہ ام در دام دیگر
اگر یک ذرہ رحمت ہست برمن
مکن تا خیر تا ہنگام دیگر
بنہ نامم غلام و ز ولنوشاں
نگارینا نخواہم نام دیگر

مولانا روم اپنے خادموں عماد بن شہراد اپنے فرزند سلطان ولد کے اصرار سے اپنے سفر سے آخر واپس آ تے ہیں مناقب العارفین نفحات الانس اور دیگر کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ مولانا شمس پھر قونیہ میں تشریف لائے لیکن اس تشریف آوری کی کیفیت کہیں سے معلوم نہیں ہوسکی دوبارہ ملاقات کے بعد سوائے موت کے مولانا شمس کو کوئی متنفس مولانا روم سے جدا نہیں کر سکا جیسا آگے ذکر ہوگا۔

مولانا شمس اور شیخ احد الدین کرمانی

شیخ احد الدین ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں شیخ محی الدین بن العربی جیسے یگانہ روزگار نے اپنی تصنیفات میں ان کا ذکر کیا ہے آپ حقیقت کے شہود میں مظاہری صوری سے توسل کیا کرتے اور جمال باری تعالیٰ کو ہر دل پسند شے میں مشاہدہ کیا کرتے تھے انہیں باتوں سے عوام اور بعض خواص بھی آپ سے ناراض تھے ایک دن شیخ شہاب الدین سہروردی کے حضور میں کسی نے آپکا ذکر کیا شیخ نے فرمایا میرے سامنے احد الدین کا نام مت لو وہ کافر و بدعتی ہے احد الدین کو خبر ہوئی تو اس نے کہا میرے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ میرا نام شیخ کی زبان پر گذرا ہے پھر عربی کا یہ شعر پڑھا ؎

ماساءنی ذکرک لی بمساءۃ
بل سرنی انی خطرت ببالک

یعنی تم نے جو مجھے برے الفاظ سے یاد کیا ہے میں اس پر ناخوش نہیں بلکہ خوش ہوں کہ یاد تو کیا اور خیال میں تو رکھا اسی مطلب کو امیر مینائی اردو میں اس

طرح ادا کرتے ہیں ؎

گو قہر سے وہ دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں   میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

حالتِ سماع میں عجیب و غریب حرکات کرتے تھے خلیفہ بغداد کو خبر ہوئی اُس نے ایک مجلس قائم کی اور کہا کہ اگر میری مجلس میں وہ ایسی حرکات کرے تو فوراً ہلاک کردونگا مجلس جب گرم ہوئی تو احدالدین نے یہ رباعی پڑھی ؎

سہل است مرا بر سرِ خنجر بودن   دریائے مراد دوست بر سر بودن
تو آمدۂ کافرے را بکشی   غازی چو توئی رواست کافر بودن

خلیفہ اور خلیفہ کے بیٹے نے بھری مجلس میں معذرت طلب کی اور مریدوں میں داخل ہو گئے مولانا شمس کو سیاحت کا بڑا شوق تھا جم کر کہیں نہیں ٹھیرتے تھے اسی لئے ان کا نام عوام میں شمس پرندہ کے نام سے مشہور تھا آپ ایک مرتبہ بغداد میں جا نکلے وہاں آپ شیخ احدالدین کرمانی سے ملاقات ہوئی آپنے پوچھا شیخ کس حال میں ہو شیخ نے کہا پانی کے طشت میں چاند کا مشاہدہ کر رہا ہوں حضرت شمس نے فرمایا اگر گردن میں پھوڑا ہے تو طبیب کے پاس جاؤ اور علاج کراؤ اور اگر نہیں ہے تو اے غافل آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتا جہاں حقیقی اور اصلی چاند نظر آرہا ہے شیخ نے کہا مجھے اپنی خدمت میں رکھو اور ہمراہی کا فخر بخشو حضرت شمس نے فرمایا اس شرط پر منظور ہے اگر بغداد کے بازاروں میں میرے ساتھ نبیذ پیو کرمانی نے کہا اس سے تو معذور رکھو آپنے فرمایا اچھا بازار سے میرے لئے خرید تو لاؤ گے جواب دیا یہ بھی مشکل ہے پھر فرمایا جسوقت میں پیونگا اس وقت میرے پاس تو بیٹھے رہو گے کہا یہ بھی نہیں ہو سکتا آپ نے تنرشرو ہو کر فرمایا اے روباہ صفت مردانِ خدا کے سامنے سے دور ہو جب تجھے اپنے نفس پر اتنی قدرت بھی نہیں کہ اسکو قابو میں رکھ سکے تو میری صحبت کا متحمل تو کسطرح ہو سکیگا ناموسِ دنیا جب تجھے اسقدر عزیز ہے تو اس عالم میں آنیسے تیرا مطلب کیا تھے۔ مرید بنانے کا شوق نہیں ہے بلکہ میں کسی پیر کی تلاش میں ہوں جو میری صحبت کے لائق ہو کرمانی پر اس کا بڑا اثر ہوا اور ان کی چشم بصیرت پہلے سے بھی زیادہ کھل گئی مولانا روم بھی شیخ کرمانی کے متعلق فرماتے ہیں ؎

این مشکل کہ من دارم اے خواجہ کرامانم — یک لحظہ پری شکلم یک لحظہ پری خوانم
در آتش مشتاقی ہم شمعم و ہم جمعم — ہم نورم و ہم دودم و ہم جمع و پریشانم۔

مولانا شمس کی بیوی کیمیا خاتون

مولانا شمس جب مولانا روم کے پاس آئے تو مولانا روم نے اس خیال سے کہ ایک تو وہ خود متاہل زندگی بسر کرتے تھے اور دوسرے اس خیال سے کہ شادی ہوجانے پر مولانا شمس قونیہ سے کہیں باہر نہ جا سکینگے مولانا شمس کو شادی کی تحریک [illegible] شروع کی آخر [illegible] مولانا روم نے [illegible] دیکھ کر اپنی [illegible] سے جس نام کیمیا تھا مولانا کا عقد مناکحت کردیا اور اپنے ہی مکان کی چار دیواری میں خاص ان کے لئے ایک خیمہ نصب کرادیا مولانا کے بڑے لڑکے کا نام علاؤالدین چلپی تھا ان کو بعض حاسد مریدوں اور خادموں کی صحبت کی وجہ سے مولانا شمس [illegible] عداوت پیدا ہو گئی تھی وہ جب مکان میں آتا یا باہر جاتا تو حضرت شمس کو چھیڑنے اور دق کرنے کے لئے خیمہ سے ہو کر گذرتا مولانا نے علاؤالدین کو منع کیا اُس کا ارادہ چونکہ آزار دہی کا تھا اس لئے وہ باز نہ آیا بلکہ الٹی لوگوں سے اور مولانا روم [illegible] شہزادی تھی کہ آگ لینے آئی گھر والی بن بیٹھی اب ڈیرے ہی یہاں جما دئے ہیں غیر ہو کر اپنوں کو کہتا ہے کہ گھر میں نہ آیا کرو اور آؤ تو آواز دیکر آؤ حاسدوں کو بھی موقع ملا انہوں نے بھی آوازے کسنے شروع کئے آخر مولانا شمس کو مجبور ہو کر قونیہ سے کہیں غائب ہوجانا پڑا۔

مناقب العارفین میں مولانا روم سے روایت ہے کہ کیمیا خاتون مولانا شمس سے کسی بات پر ناراض ہو کر حرام کے باغ میں چلی گئی میں نے سنا تو چند عورتوں کو اُسکے منانے اور واپس لانے کے لئے باغ میں بھیجا اور خود شمس تبریز کے پاس آیا ابھی مکان کے اندر داخل نہیں ہوا تھا کہ کیمیا خاتون اور مولانا شمس کی باتوں کی آواز آئی میں حیران تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے کیمیا خاتون تو گھر میں موجود ہے کسی نے غلط خبر دی کہ وہ ناراض ہو کر چلی گئی ہے عورتوں کو ناحق اُس کی

تلاش کی تکلیف دی گئی مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے انکی ملاقات میں مخل ہونا مناسب سمجھا اور واپس آنا چاہا اتنے میں آواز آئی مولانا اندر آجاؤ وہاں گیا تو سوائے حضرت شمس کے اور کسی متنفس کا وجود نہ تھا پوچھا کیمیا خاتون کہاں گئی فرمایا وہ تو ناراض ہوکر چلی گئی شاید آپکی طرف گئی ہو مولانا نے کہا وہ تو ابھی ابھی آپکے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں فرمایا اللہ تعالیٰ مجھسے اسقدر محبت رکھتا ہے کہ جس صورت میں میں چاہتا ہوں وہ مجھو اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے کسی خاص چیز تک اپنے آپ کو محدود نہیں رکھتا طور پر حضرت موسےٰ کو نظر آیا تھا مجھکو ہر رنگ میں ہاں جلوہ دکھایا تو نے اسوقت میں نے کیمیا خاتون کی شکل میں انوار تجلی کی درخواست کی تھی جو مقبول ہوگئی ذکر ہے کہ کیمیا خاتون ایک دن حضرت شمس کی اجازت کے بغیر مکان سے باہر گئیں حضرت شمس کو معلوم ہوا تو ناراضگی ظاہر فرمائی جب کیمیا خاتون واپس آئی تو اس قہر و غضب کی نظر سے اسے دیکھا کہ وہ بیمار ہوگئی اور آخر تیسرے دن انتقال کرگئی مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۶۴۴ھ ہجری کو ہوا ایک ہوی نے چالیسویں کے بعد بماہ شعبان المعظم مولانا شمس بھی دمشق کو چلے گئے

سرود سماع اور سماع کی مجلسیں

بہ از روے زیباست آواز خوش کہ ایں حظ نفس است وآں قوت روح

مولانا شمس کی تمام زندگی چونکہ راگ و رقص اور سماع و وجد میں گذری ہے اور انہیں کے طفیل مولانا روم اپنی زندگی کا آخری حصہ اسی کی نذر کرچکے ہیں اور اس حصہ کو اپنی زندگی کے بہترین ایام میں شمار کرتے ہیں اسلئے سرود و سماع کے متعلق ذرا تفصیل سے بحث کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ایسے ایسے یکتائے زمانہ عالم و فاضل اور خدا کے مقبول بندے اس کھیل میں کیوں مصروف ہوگئے تمام دنیا جانتی ہے کہ قوت باصرہ کو سبزہ آب رواں خوبصورت شکلوں عمدہ نقش و نگار اور تصویروں اور ایسی ہی اور دلکش چیزوں کو دیکھکر لذت خاص ہوتی ہے قوت شامہ کو خوشبو سے لذت اور بدبو سے نفرت پیدا ہوتی ہے قوت ذائقہ

کو لذیذ اور میٹھی چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور برخلاف ان کے تلخ اور بدمزہ بری معلوم ہوتی ہیں قوت لامسہ کو نرمی چکناہٹ اور ہمواری بھلی اور درشتی و ناہمواری بری معلوم ہوتی ہے یہی حال قوت سامعہ کا ہے اسکو بعض آوازیں جیسے بلبلوں کے چہچہے باجوں کی آوازیں نہایت دل فریب معلوم ہوتی ہیں بعض آوازیں بری معلوم ہوتی ہیں جیسے گدھے کی آواز اور کسی کریہ الصورت کی صدائے بے ہنگم خوش آوازی کے ساتھ موزونی اور لازمی ہے بغیر اسکے خوش آوازی عضو معطل ہے موزونی آواز کے تین مخارج ہیں ایک وہ جو جماد سے نکلیں جیسے ستار بانسری اور ڈھولکی کی آواز اور دلکش بلکی گتیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو انسان کے گلے سے نکلے جیسے کہ شعر اشعار موزونی کے ساتھ ادا کئے جائیں تیسرے وہ جو حیوانوں اور جانوروں سے ظاہر ہو جیسے بلبل جو سبزہ و گل پر اور قمری سرو پر نغمہ سرائی کرتی ہے اور ایسے ہی اور خوش الحان و نغمہ خواں جانور جو ہر صبح کو باغوں پہاڑوں جنگلو میدانوں اور سبزہ زاروں میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت گایا کرتے ہیں اپنی خوش آوازی سے دل پر ایک خاص اثر پیدا کرتے ہیں غرضکہ ہر آوازوں کے مشابہ رکھکر ایجاد کیا گیا ہے جتنی چیزیں کاریگران مجاز نے ایجاد کی ہیں کوئی نہیں جو صانع حقیقی کی مخلوق میں موجود نہ ہو اللہ جمیل کو جس طرح جمال پسند ہے اسی طرح آواز بھی مرغوب ہے اپنی زمزمہ خوانی کے لئے اس نے جانوروں میں بھی اس مادہ کو پیدا کر دیا ہے اسی خیال اور اسی نظیر اور نمونہ کو پیش رکھکر کاریگروں نے خالق کا اقتدار کیا ہے اور اس آواز موزوں کا نام راگ رکھا جسکو غذائے روح کہتے ہیں ؎

جس طرح لوہے اور پتھر میں آگ ہوتی ہے لیکن نظر نہیں آتی یا جسطرح زمین کے نیچے پانی اور پانی کے نیچے پھر زمین ہوتی ہے لیکن نظروں سے پوشیدہ ہے اسیطرح دلوں کے اندر باطن کے اسرار پوشیدہ ہیں جس طرح پتھر اور لوہے کی آگ ایک دوسرے کو رگڑنے کے بغیر نہیں نکلتی اور زمین کے نیچے سے پانی بغیر محنت کے دستیاب نہیں ہوتا اسیطرح باطنی اسرار بھی جب تک پتا کوئی ذریعہ نہ تلاش کرلیں ظاہر نہیں ہوتے اور واقف کاروں کا قول ہے

کہ اس کے اظہار کی تدبیر بغیر راگ کے اور کوئی نہیں ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے
کہ لذیذ اور موزوں نغموں سے دل میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی بلکہ دل میں
جو کچھہ پہلے سے موجود ہوتا ہے اسی کو ابھارتے اور ظاہر کرتے ہیں دل کی
مثال ایک برتن کی طرح ہے جب چھلکاؤگے تو وہی نکلیگا جو اس میں موجود
ہوگا اسی طرح راگ بھی دلوں کا امتحان لینے میں ایک عجیب کسوٹی ہے جہاں
کھوٹے کھرے کی پہچان نہایت صفائی سے ہوجاتی ہے راگ سے جب دل
کو حرکت ہوگی تو اس سے وہی باتیں ظاہر ہونگی جو اس پر غالب ہیں اور جو ہمیشہ
اسکے اندر رہتی ہیں اس قادر مطلق نے موزوں نغموں اور روحوں کے درمیان
مناسبت رکھی ہے جو عجب تاثیر رکھتی ہے بعض نغموں سے سرور ہوتا ہے بعض
سے غم والم کی کیفیت طاری ہوتی ہے کسی سے نیند آتی ہے کوئی ہنسی کا باعث
ہے کسی میں اس بلا کا اثر ہوتا ہے کہ وہ اپنی موزونیت کے زور سے ہاتھہ
پاؤں اور سر میں ایک قسم کی حرکت پیدا کر دیتا ہے جس سے آدمی بیخود ہوجاتا ہے
بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اکثر ایسے لوگوں کو بھی وجد کی حالت میں
دیکھا گیا ہے جو شعر کا مطلب بھی نہیں سمجھہ سکتے اور محض دیکھا دیکھی بناوٹ
کے طور پر ہاتھہ پاؤں میں حرکتیں پیدا کر لیتے ہیں یہ اعتراض ایک حد تک
درست ہے بہت سے ایسے "بدنام کنندہ نکو نامے چند" لوگ ہیں جو اللہ اللہ کے
نعروں سے زمین آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں لیکن آداب سماع اور تمیز سخن فہمی
سے مطلق ناآشنا ہوتے ہیں لیکن یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ یہ ضروری نہیں
ہے کہ جو چیز گائی جائے وہ ضرور ہی سمجھہ میں آنے کے بعد پھر سرور کی حالت
پیدا ہو پختہ عمر کا انسان خواہ وہ ان پڑھ ہی ہو پھر بھی کچھہ نہ کچھہ تمیز رکھتا ہے
معصوم ننھے بچوں کی طرف دیکھو کہ ماں کی بے معنی لوری سنکر رونا چھوڑ دیتے
خاموشی اختیار کر لیتے بلکہ مست ہو کر حالت غنودگی میں آجاتے ہیں اونٹ باوجود
غبی ہونے کے حدی سے ایسا اثر پاتا ہے کہ اسکی آواز پر مست ہو کر بھاری
بھاری بوجھہ کو اڑائے لئے جاتا ہے جہاں حدی کی آواز سنتا ہے مستی
کے عالم میں آجاتا ہے سانپ کیسا ظالم جانور ہے اس سے بڑھکر انسانکا

دشمن اور کون ہو سکتا ہے لیکن بین کی آواز سنتے ہی اسکی عداوت و شقاوت
کا سارا اثر ہرن ہو جاتا ہے سانپ اور اونٹ اور معصوم بچوں کو اشعار اور اُن
کے مطالب و معنی کی کیا سمجھ ہے صرف خوش لحانی اُن کو مست کر دیتی ہے راگ کا
اثر روحانیت اور دل سے ہے جس شخص کے دل اور روح کو لحین داؤدی سنکر
بھی اثر اور حرکت نہ ہو وہ اونٹوں اور سانپوں سے بھی کثیف تر ہے
کلماتِ مقفےٰ اور موزوں اور شعر اشعار کا گانا پانچ موقعوں پر خاص غرضوں کے لئے
ہے اول عبادت میں جیسا کہ مندروں اور مسجدوں اور گرجاؤں میں دیکھتے ہو بھجن
اور مولود اور خدا کی ستائش کے گیت دل پر خاص اثر پیدا کرتے ہیں ہمارا مسجدوں
سے تعلق ہے اگر امام خوش آواز اور مؤذن خوش لحان ہو اور مولود خواں دلکشی۔
موزونیت اپنے اندر رکھتا ہو تو کون مسلمان ہے جس پر مستی اور کیف کا عالم طاری نہ ہو
جائے دوم میدان جنگ میں سپاہیوں کو شجاعت اور دلیری پر آمادہ کرتا ہے اگر
فوجی باجہ میں بھی راگ دلکش سُروں کے ساتھ ادا نہ کیا جائے تو فوجی آدمیوں
کے سخت دلوں کو کون نرم کر سکے یہ خوش آوازی جوش جوانی پیدا کرتی اور لڑائی
میں سرور پیدا کرتی ہے سوم اظہار غم کے لئے توجہ کی آواز جیسے محرم میں مرثیے
سنتے ہو۔ اور مرثیہ خوانوں کی خوش آوازی سے کلیجہ پکڑ کر رہ جاتے ہو۔
چہارم خوشی کی حالت میں سرور پیدا کرنے کے لئے جیسے شادی بیاہ ہو یا ناچ
مجرے کے دیکھنے سے دل کو انبساط اور سرور پیدا ہوتا ہے پنجم عرسوں اور صوفیوں کی محفل
میں جس سے عاشقانِ الہیٰ کا شوق دوبالا ہو جاتا ہے اُن کا نفس تسکین پاتا ہے
دل کو مضبوط اور عشق کو پختہ کرتا ہے یہ راگ یارانِ مجلس کے لئے چقماق کا کام دیتا
ہے جس سے اُن کی آتش شوق مشتعل ہوتی ہے یہ آگ اپنی گرمی وحدت سے اُن
کے دلوں کو گداز کرتی ہے جس سے وہ وجد میں آ جاتے ہیں۔
راگ میں فی نفسہ کوئی برائی نہیں جیسے علم بذاتہٖ ایک نعمت ہے لیکن اس کا
استعمال اگر برے طریقہ پر کیا جائے تو مضرت رساں بھی پرلے درجہ کا ہے
یہی حال راگ کے برے استعمال کا ہے بعض حالتوں میں تباہ کن ثابت
ہوا ہے اور خصوصاً جس وجہ سے یہ آجکل راگ گانے والی قریباً تمام بدکار

عورتیں ہیں اُن کی خوش آوازی خوبصورتی پھر حسن فرد شی یہ سب باتیں فسق وفجور کی محرک ہوتی ہیں یہاں وصل کے معنی واصل بحق نہیں ہیں بلکہ اجسام ظاہری کے ملنے کے ہیں ایسے راگ سے اجتناب لازمی ہے اس کے علاوہ جو اشعار عام طور پر گائے جاتے ہیں اُن میں فواحشات وبیہودگی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے معشوق کے خط وخال چشم دگوش اور سراپا وغیرہ کی تعریف ہوتی ہے سُننے والے اپنے اپنے مطلب کیموافق معنے نکال لیتے ہیں اور افسوس ہے کہ عام طور پر نہایت بُرے معنے لگائے جاتے ہیں وہ دل جسپر عشق آلہی غالب ہوگا وہ زلفوں کی سیاہی کو تاریکی سے نسبت دیگا رقیب کو علایق دنیا سمجھیگا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصال دائمی میں خلل انداز ہوتے ہیں اگر سننے والے کے دل میں خرابی ہو یعنی وہ مائل فسق وفجور ہو تو وہ ان الفاظ کے ایسے معنی کریگا جس سے اُس کی بدی کو جنبش ہو اور جو اُس کو شر میں ڈالدے جب راگ سے مقصود لہو ولعب کی ترقی کے بجاے اطمینان قلب سرور دائمی اور علاج رنج وتکان ہو تو اس کا سُن لینا چنداں خطرناک نہیں ہے لیکن سننے والا اہل دل ہو شریعت و طریقت کو خوب سمجھتا ہو اور آداب سماع سے واقف ہو۔

راگ آواز موزوں کا نام ہے اور ناچ اعضا کی حرکات موزوں کو کہتے ہیں ناچ اور راگ کے سننے والوں کے حالات ودرجات مختلف ہیں بعض تو ایسے ہیں جو بجز خوش آوازی کے سماع کی کیفیت ولذت سے مطلق لاعلم ہوتے ہیں یہ لوگ اُونٹوں اور جانوروں کی طرح ہیں جو معانی ومطالب کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں بعض ایسے ہیں جو سُنتے تو سمجھ کے ساتھ ہیں مطلب بھی سمجھ لیتے ہیں لیکن نفس مضمون کو کسی خاص شخص یا کسی خاص چیز پر ڈال لیتے ہیں اور اُس سے آگے نہیں بڑھتے ان لوگوں کا شمار نفس کے بندوں اور شہوت پرستوں میں ہے کہ جو کچھ سنتے ہیں اس کو بُری طرف لے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں جو شعر کے ہر لفظ کو اللہ تعالیٰ کے معاملات میں لیجاتے ہیں اور مجاز سے حقیقت اور چقماق سے آگ پیدا کرتے ہیں نفس امارہ کی شرارتوں کو جلا دیتے ہیں اور دل سے زنگ کدورت دور کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

آج آلائشوں سے صاف کیا ہے دل کو   آج ہم پھولوں سے کانٹوں کو ہٹا دیتے ہیں

راگ اگر اچھی طرح سُنا جائے تو اِس سے دل کی حالت بدل جاتی ہے صفائی اور تقویت پیدا ہوتی ہے کدورت دور ہو جاتی ہے سماع دل کو عالم روحانی کی طرف لیجانے کا ایک سچا رہنما ہے جن لوگوں پر دنیا کی خواہشیں غالب نہوں جو نفس امارہ کو قابو میں رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں جو عشقِ الٰہی میں لذت خاص حاصل کرنا چاہتے ہوں اُن کیلئے سماع و سرود حلال و جائز ہے جو لوگ نفس امارہ کے مطیع ہوں وہ اگر سنیں گے تو نقصان اُٹھائیں گے جیسا کہ آج تک ہزاروں اور لاکھوں اُٹھا چکے ہیں۔

ایکدن مولانا شمس نے سماع کے متعلق فرمایا مردان خدا سماع زیادہ کرتے ہیں اور اسی جوش میں عالم ہستی سے باہر نکل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اُن پر کھُل جاتے ہیں ایک سماع حرام ہے بلکہ کفر ہے اُسکی کیفیت یہ ہے کہ جو لوگ سمجھتے ہوں اور پھر ہاتھ پاؤں کو سماع میں جنبش نہ دیں اور حال نہ پیدا کریں وہ بہشت کی نعمتوں سے محروم رہیں گے ایک سماع مباح ہے وہ اہل ریاضت اور صاحبان زہد کا حصہ ہے اُن کو حالت سماع میں رقت پیدا ہوتی ہے آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں اور دل میں ایک تڑپ اُٹھتی ہے ؎

دل میں اک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے ؛ بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانے کیا یاد آیا

ایک سماع نماز روزہ کی طرح عین فرض ہے جس طرح بقائے زندگی کیلئے بقدر ضرورت غذا لازمی ہے اسی طرح اہل حال کو مدار حیات کی خاطر سماع کی ضرورت ہے جو لوگ سماع سُننے کے قابل ہیں خواہ وہ آپس میں کتنے ہی فاصلہ پر کیوں نہوں ایک دوسرے کے حال سے باخبر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ؎ آتے ہیں وجد میں ہم سُن سُن کے حال تیرا

مولانا فرماتے ہیں رباب مشرب عشق اور مونس اصحاب ہے چنانچہ مولانا روم کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے ؎

رباب مشرب عشق است و مونس اصحاب   کہ ابر اعرابیاں نام کردہ اند رباب
چنانکہ ابر سقائے گل است و سرو و سمن   رباب قوت ضمیر است و ساقی الباب
در آتشے بدمے شعلہا بر افروزد   بجز غبار چہ خیزد چو دُرد مے بہ تراب

رباب طبل نیاز است سوئے شہ بازاں   بہ طبل باز نیاید بسوئے شاہ غراب

مجلس سماع گرم ہے یاران محفل دلدار حقیقی سے لو لگائے شمع سرود پر پروانہ وار جل رہے اور اس غزل کا تکرار نعرہ شور سے ہو رہا ہے ؎

مطرب عاشقان بہ جنبان تار   بزن آتش بہ مومن وکفار
مطربا چوں رہی بشرح دلم   پائے درخوں نہادۂ ہشدار
مطربا زخم ہائے دل مے بین   تا درونت ازاں شود افگار
مطربا نام آں رفیق مگو   دمعت گوئی ز لعل او آثار
مطربا عفو کن مناقصہ را   از من مستمند دل افگار
باد او کن حدیث ما کم گو   تا کہ گویم ترا نکو گفتار

سماع کی تعریف کیلئے مولانا روم کو ارشاد ہوتا ہے مولانا روم الفاظ اور معانی مولانا شمس سے مانگ کر موزونئے کلام کے حوالے کرتے ہیں موزونیت قلم کو ایما کرتی ہے قلم "بیان سماع" اس طرح زیب قرطاس کرتا ہے ؎

بیا بیا کہ توئی جانِ جانِ جانِ سماع   بیا کہ سرو روانی بہ بوستان سماع
بیا کہ چوں تو نبو دست وہم نباشد نیز   بیا کہ چوں تو ندیدست دیدگان سماع
بیا کہ چشمۂ خورشید زیر سایہ تست   ہزار زہرہ تو داری بر آسمان سماع
اگرچہ بام بلند است بام ہفتم چرخ   گذشتہ است ازاں بام نردبان سماع
سماع شکر تو گوید بصد زبان فصیح   یکے دو نکتہ بگویم من از زبان سماع
سماع بندۂ وقتِ تو باشد اے بہتر   زوجد خود تو در آئی تو درمیان سماع
بروں ز ہر دو جہاں آچو در سماع آئی   سماع از آنِ تو ہست و تو ہم از آنِ سماع

اللہ اللہ کس جوش وخروش میں پھر ارشاد ہوتا ہے ؎

بیا کہ نوع دگر مے کنم بیان سماع   بیا کہ تو گل سرخی زگلستان سماع
چو مہ ہزار ستادہ زتست روشن دل   بیا کہ ماہ تمامے در اختران سماع
بیا کز آتش فکرت دل تو بگرفت است   ہزار شمع منور بہ خاندان سماع
بیا کہ جان وجہان در رخ تو حیران است   بیا کہ معجزۂ خاص تست شان سماع
بیا کہ بے تو بہ بازار عشق نقدی نیست   بیا کہ چوں تو زرے راند بد کان سماع

بیا کہ رونق بازار عشق از لب تست — کہ شاہدیست نہانی درین دکان سماع
بیار قند معانی ز شمس تبریزی — کہ باز ماند ز عشق لبش دہان سماع

مولانا شمس کے اخلاق وعادات

خدا کے پاک اور مقبول بندے خوراک اس لئے نہیں کھاتے کہ حظ نفس حاصل کریں اور پیٹ بھریں بلکہ اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زندگی کا قیام بغیر خوراک کے ناممکن ہے اسلئے بقدر ضرورت کھا لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام اولیائے کرام اور صالحین ہمیشہ کم اور تھوڑا کھانے کی ہدایات کرتے آئے ہیں تاکہ نفس کو تنبیہ رہے اور خدانخواستہ اگر کبھی کوئی مصیبت پڑ جائے اور کھانا نہ ملے یا تنگدستی ہو تو ایسے حالات میں صبر و توکل کا دامن ہاتھ سے نہ جانے پائے اور روح اور نفس کو خوراک کے نہ ملنے سے غیر معمولی تکلیف نہ ہو۔

مولانا شمس کے متعلق ذکر ہے کہ آپ بازار سے ایک روٹی لاتے اور پانی میں تر کرکے اُسے کھایا کرتے تھے دکاندار آپ کی اس حالت سے واقف ہو گیا جب مولانا شمس ایک دن اس سے روٹی لینے گئے تو اُس نے گھی سے چپڑ دی مولانا شمس نے اس کے بعد اسکی دوکان سے روٹی لینا ترک کر دیا عالم شباب میں آپ نفس پر بہت غالب تھے۔ کئی کئی دنوں کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے اس زمانہ میں جبکہ دن میں تین تین چار چار مرتبہ مرغن و مقوی اور نمکین و شیرین کھانے کھائے جاتے ہیں اس بات پر کون اعتبار کریگا کہ زمانہ سلف میں صوفیان باصفا اور حضرات اہل دل کئی کئی چلے صرف پانی کے ایک مٹکے اور جو کی چند روٹیوں کے ساتھ بسر کیا کرتے تھے بلکہ بعض بزرگ بغیر آب و خور ہی چلہ کاٹا کرتے تھے یہی حال مولانا شمس کا تھا ایام جوانی میں بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ ہفتہ میں نہ تین دن متواتر کھانا کھائیں اکثر دفعہ دس دس اور پندرہ پندرہ دن کے بعد کھایا کھایا کرتے تھے۔ اور چونکہ سفر کے عادی اور سیاحت و سیر کے شوقین تھے اور بعض دفعہ ایسے مقامات میں بھی جا نکلتے تھے جہاں آبادی کا

نام ونشان نہوتا تھا اسلئے کم خوری کی عادت نے ان کو کوئی غیر معمولی تکلیف کبھی نہیں ہونے دی مولانا شمس یا کھڑے رہا کرتے تھے یا پھرا کرتے تھے آپ کو بیٹھنے کی بہت کم عادت تھی۔

منقول ہے کہ کسی امیر کا ایک لڑکا نہایت کند ذہن اور غبی تھا سب لوگ اُسکے پڑھانے سے عاجز تھے آخر وہ لڑکا مولانا شمس کے سپرد کیا گیا آپ نے ہر روز ایک پارہ کے حساب سے ایک مہینے میں قرآن شریف اُسے حفظ کرا دیا جب آپ کی شہرت ہونے لگی تو آپ اُس مقام سے کسی دوسری جگہ چلدیئے لیکن وہاں بھی کوئی نہ کوئی ایسی بات آپ سے ظاہر ہو جاتی جس سے لوگ گردیدہ ہو جاتے اور آپ مصداق ع آگے آگے داغ پیچھے پیچھے رسوائی ہوئی تقریباً ساری عمر اسی طرح گشت کرتے رہے لیکن سے

عشق بوئے مشک دارو زاں سبب رسوا شود چارہ نبود عشق را ہم عاقبت رسوا شود

آپ جب کسی پر ناراض ہوتے تو فرمایا کرتے الٰہی اس کی عمر دراز کر اور اسے بہت سی دولت دے باریک بین نگاہوں سے مخفی نہیں ہے کہ ان الفاظ میں کس قدر اسرار ورموز پوشیدہ ہیں اور دولت اور عمر کی زیادتی انسان کے دین اور بعض وقت اسکی دنیا کو بھی تباہ کرنے کیلئے کیسا بڑا اثر رکھتی ہے یہ تھوڑی بات ہے کہ دولت کی زیادتی خدا کی یاد سے غافل کر دے گی انسان فرعونیت کی طرف مائل ہو جائیگا ازدیاد عمر بھی باعث رنج والم ہے دنیا کے انقلابات ہزار ہا قسم کے عبرت انگیز نظارے اولاد کے مرنے کا غم ودیگر مالی وجسمانی مصائب غرض آپکی ناراضگی کا اظہار عجیب حکمت پر مبنی ہے جیسا کہ ایک اردو کا شاعر کہتا ہے سے

جو ہمیں ناشاد رکھتا ہے وہ یارب شاد ہو جس نے اس دل کو اُجاڑا اُسکا گھر آباد ہو

مولانا روم کے صاحبزادے حضرت سلطان ولد سے روایت ہے کہ ایک دفعہ والد صاحب نے مولانا شمس کے درجات ومقامات عالی کثرت سے بیان کئے میں مولانا شمس کی خدمت میں گیا اور معمول سے بڑھکر تعظیم وتکریم کی مولانا شمس نے فرمایا آج غیر معمولی تعظیم وتکلف کیوں لا ہے میں نے عرض کیا آج والد نے آپ کے مراتب وفضائل بیان کئے جن سے آج تک میں بے خبر تھا فرمایا تمہارے باپ کے

دریائے عظمت کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں بلکہ مجھ سے ہزاروں شمس الدین مولانا روم کی آفتاب عظمت کے سامنے ایک ذرہ سے بھی کمتر ہیں۔

تم نے دیا فروغ تو ہے داغ آفتاب ذرہ بھی ورنہ اُسکی حقیقت سے کم نہیں

غرض طبیعت میں عجب انکسار تھا دشمن کی بدی اور بے وفائی سے ہمیشہ درگذر کرتے تھے ایک دفعہ ارشاد فرمایا اگر کسی شخص نے محض خدا کیلئے ہمارے ساتھ وفا کی ہو پھر وہ اگر سینکڑوں اور ہزاروں جفائیں کرے تو ہم پر کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ جسکو وفا کے محبت ہے وہ جفا کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

روایت ہے کہ مولانا شمس کو تسخیر قلوب اور تسخیر اسنہ میں نہایت کمال تھا ریاضی الہیات حکمت۔ نجوم۔ منطق وغیرہ پر بھی انہیں عبور تھا۔ لیکن جب اسرار باطنی آپ پر ظاہر ہوئے تو علم ظاہری سے کنارہ کشی اختیار کر کے علم توحید و معرفت میں مستغرق ہو گئے

مولانا شمس تبریزی کا قتل

جوں جوں مولانا شمس تبریز اور مولانا روم کی محبت وعقیدت باہمی ترقی پذیر ہوتی تھی حاسدوں اور دراندازوں کی شقاوت قلبی اور آتش بغض وعداوت بھی بڑھتی جاتی تھی مولانا شمس تنگ ہو کر کئی دفعہ قونیہ سے چلے گئے لیکن مولانا روم اُن کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے اور جیتے جی اس دُر مقصود کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے غرض کسی نہ کسی طرح اُسکو واپس بلا لیتے تھے مولانا روم چونکہ مولانا شمس کے قدردان محرم راز اور اُن کے رتبہ شناس تھے اس لئے حضرت شمس کو بھی اُن کی مفارقت نہایت شاق گذرتی تھی آخر چند بدباطن لوگوں نے آپس میں صلاح کی کہ جب کبھی ہم مولانا شمس کو دق کرتے ہیں تو وہ چلے جاتے ہیں اور مولانا روم پھر واپس بلا لیتے ہیں اب کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ مولانا شمس کا قصہ ہمیشہ کیلئے پاک کر دیا جائے تاکہ مولانا شمس کو پھر ان سے ملنے اور خلوت میں کئی کئی دن گذرنے اور ہم سے الگ رہنے کا موقعہ ہی نہ مل سکے جب ان ناحق شناسوں اور ناخدا ترسوں نے مولانا شمس کو شہید کرنے کے قول و قرار کر لئے تو ایک رات جبکہ مولانا روم اور مولانا شمس خلوت میں بیٹھے ہوئے تھے اُن کے قتل کے لئے گھات لگا کر بیٹھ گئے نفحات[1] الانس میں تحریر ہے کہ

[1] مناقب العارفین میں بھی سات حاسدوں کا ذکر ہے جو ان کی گھات میں چھپے ہوئے تھے

سات شخص ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور انہیں میں مولانا روم کا بڑا فرزند علاؤالدین محمد تھا ایک شخص آگے بڑھکر حجرہ کی طرف روانہ ہوا اور مولانا شمس کو ہاتھ کے اشارہ سے کہا کہ ذرا باہر آئیے مولانا شمس نے مولانا روم سے فرمایا لو آج وعدہ وفا ہوتا ہے اور سر تمہارے قدموں پر نثار ہوتا ہے نفحات الانس اور مناقب العارفین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ مولانا روم نے جب یہ الفاظ سنے تو دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا "الاله الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین" یعنی اسی کے لئے خلق اور امر ہے وہ اللہ تمام جہانوں کا رب ہے پھر فرمایا جا و اللہ تعالیٰ کا حکم زبردست ہے وہاں مجال دم زدن نہیں ہے مولانا شمس حجرہ سے باہر نکلے بے رحم و سفاک قاتل ایک دم چھریاں لیکر ٹوٹ پڑے مولانا شمس نے ایک نعرہ مارا جسکے رعب اور جسکی ہیبت سے سب قاتل بیہوش ہو کر گر پڑے تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو دیکھا کہ خون کے چند قطروں کے سوا اور کچھ نہیں ہے سہ

خود ہما سے بُد دیگر اور اکس ندید ... چون پری از آدمی شد ناپدید

چون زبیش خویش و خلقان دور شد ... ہمچو عنقا در جہان مشہور شد

مناقب العارفین میں تحریر ہے کہ مولانا شمس تبریز کے قتل کا واقعہ جمعرات کو ۶۴۵ ہجری میں پیش آیا۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مولانا شمس نعرہ مار کر غائب ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ مولانا روم کے والد بہاؤالدین کے مزار کے پاس کہیں دفن ہیں مولانا شمس الدین افلاکی اپنی کتاب مناقب العارفین میں اپنے پیر و مرشد حضرت عارف چلپی (مولانا روم کے پوتے) سے روایت کرتے ہیں کہ مولانا شمس کو سیاہ دل قاتلوں نے قتل کر کے کہیں دفن کر دیا ایک رات آپ حضرت سلطان ولا کے خواب میں آئے فرمایا میں فلاں جگہ سو رہا ہوں سلطان ولا بیند خدام ہمراہ لے کر اسی رات کے وقت مقام معلومہ پر گئے وہاں سے لاش کو نکالا اور خوشبو اور عطر وغیرہ لگا کر مدرسہ کے بانی امیر بدرالدین کے پہلو میں دفن کر دیئے جب مولانا روم کو مولانا شمس کے قتل کی خبر ہوئی فرمایا وہ تو عرصہ سے اپنے سر کو مجھپر تصدق کر چکے تھے وہ اپنے وعدہ پر قائم تھے خدائی کارخانوں میں کسی کو کیا دخل ہے لیکن باوجود اس کے مولانا شمس کے

غم و فراق میں ہمیشہ نالہ کناں رہتے تھے جیسا کہ آگے ذکر آئیگا۔

مولانا شمسؒ کے قاتلوں کا انجام

قاتلوں کا انجام نہایت دردناک ہوا چند ہی دنوں میں سب کی صفائی ہوگئی بعض افلاس اور تنگدستی کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو گئے کہ کئی کئی دن فاقے آنے لگے اور آخر تڑپ تڑپ کر مر گئے چند ایک اپنے مکانوں کی چھتوں سے گر کر ہلاک ہو گئے بعض کے چہرے بدل گئے مولانا روم کے بڑے بیٹے علاؤ الدین محمد بھی بد صحبتوں میں بیٹھکر اپنی عاقبت خراب کر بیٹھے اور بالکل پسر نوح کے مصداق ہو گئے ؎

پسر نوح با بداں بنشست خاندان نبوتش گم شد

ذکر ہے کہ علاؤ الدین اپنے فعل ناروا کے بعد تپ محرقہ میں گرفتار ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں کی بیماری کے بعد مر گیا جب اس کا انتقال ہوا تو مولانا روم گھر سے باہر چلے گئے اور جب تک اُس کو دفن نہ کر لیا گیا واپس نہ آئے مولانا اپنے بیٹے کے کفن دفن اور جنازہ کسی میں بھی شریک نہیں ہوئے بلکہ کتابوں میں مذکور ہے کہ علاؤ الدین کی اس حرکت پر وہ ہمیشہ شرمندگی اور ندامت ظاہر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں کس منہ سے مولانا شمس کے روبرو جاؤنگا۔

مولانا شمس تبریز کا ماتم

مولانا شمس کے چہلم کے بعد مولانا روم نے اظہار ماتم کیلئے سفید پگڑی باندھنی ترک کر دی عبا میں بھی تبدیلی پیدا کر لی اور مرتے دم تک یہی لباس رکھا مولانا روم اور مولانا شمس یک جان دو قالب تھے ناممکن تھا کہ مولانا شمس کا فراق مولانا روم کو بیتاب و بیقرار نہ کرتا ذکر ہے کہ مولانا دیوانہ وار مدرسہ کے صحن میں پھرا کرتے اور یہ رباعیاں اکثر پڑھا کرتے تھے ؎

کہ گفت کہ آن زندہ جاوید بمرد کہ گفت کہ آفتاب امید بمرد
آن دشمن خورشید بر آمد بر بام دو چشم ببست و گفت خورشید بمرد

دیگر

از عشق تو ہر طرف یکے شب خیزی — شب گشتہ ز زلفین تو تبریزی
نقاش ازل نقش کند ہر طرفے — از بہر قرار در دلِ تبریزی

دیگر

گہ گفت کہ روح عشق انگیز بمرد — جبریل امین ز خنجر تیز بمرد
آنکس کہ چو ابلیس در استیز بمرد — او پندارد کہ شمس تبریز بمرد

ایک غزل میں فرماتے ہیں ؎

عزم رفتن کردہ اے جان شیریں یاد دار — کردہ اسپ سفر را عزم من زیں یاد دار
بر زمین و چرخ رویدم ترا یارانِ صادق — ایک عہدے کردہ با یار پیشیں یاد دار
ہر سفر تو فرض ہے در سفر بالین کنی — در فراقت من نہم از خشت بالیں یاد دار
ہمچو فرہاد از فراقت کوہ ہجراں میکنم — اے ترا خسرو غلام و راہ شیریں یاد دار
شمس تبریزی ازاں روزیکہ دیدم روئے تو — دیں بدادم پیش روبت مفخر دیں یاد دار

دل کی تڑپ کلیجے میں درد پیدا کرتی ہے اور فراق یار میں ایک دل دہلا دینے والی فغاں نکلتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

فغاں فغاں کہ بہ بست آں نگار بار سفر — فغاں کہ بندہ مرا او را نبود یار سفر
ولیک عادت خورشید و سفر باشد — کہ تا ز گردشِ شاں راست گشت کار سفر
مرا ست بجان مسافر در آب و من مرکب — روانہ جانب دریا کہ شد مدار سفر
رود بہ لب لب ایں جوے تا لب دریا — ولے کہ داد دریں کارہا قرار سفر
بہ پشت آئینہ منگر کہ از سفر آید — صفا نگر تو بر دیش ازیں غبار سفر
سفر سفر کہ چناں یار غار در سفر است — تو بخت بخت سفر داں و کار کار سفر
ہمیشہ چشم کشایم چو غنچہ بر سر راہ — چو سرو روح روانست و بہ بہار سفر
چو شمس مفخر تبریز در سفر افتاد — چو مملکت کہ نگر دا در و دار سفر

اپنے گم گشتہ دوست کی تلاش کرتے ہیں۔ لیکن ساکنانِ عدم کا پتہ اہل زمین سے کس طرح مل سکے اہی اس ناامیدی و ناکامی کو مندرجہ ذیل پرسوز اشعار میں ظاہر کرتے ہیں ؎

نگارے را کہ میجویم بجانش — کے بینم میان حاضرانش

بگارفت و میان حاضران نیست | دریں مجلس نمے بینم نشانش
مسلمانان کجا شد آں نگارے | کہ میدیدم چو شمع اندر میانش
بگو نامش کہ ہر کہ نام او گفت | بوقت مرگ شیریں شد دہانش
زمینش گر نمے بیند عجب نیست | کہ میجوید دریں عشق آسمانش
بگو القاب شمس الدین تبریز | مداکوس مشتاقاں نہانش

ایک غزل میں فرماتے ہیں دوست جو تیری خواہش وہ میری خواہش جو کچھ تو دکھاتا ہے وہ دیکھتا ہوں جس طرح تو رکھے اسی طرح راضی ہوں تیرا دیدار نور ایمان اور تیرا فراق ظلمت کفر ہے ایسے مشتاق دوست کو تنہا اور غمگین چھوڑ جانا کونسے ملک کا دستور ہے ؎

من از عالم ترا تنہا گزینم | روا داری کہ من غمگین نشینم
بجز آنچہ تو خواہی من چہ خواہم | بجز آنچہ نمائی من چہ بینم
مرا اگر تو چناں داری چنانم | مرا اگر تو چنیں خواہی چنینم
تو بودی اوّل و آخر تو باشی | تو بہ کن آخرم از اولینم
چو تو پنہاں شدی از اہل کفرم | چو تو ظاہر شدی از اہل دینم
بجز چیزے کہ داری من چہ دارم | چہ میجوئی ز جیب و آستینم

غرض مولانا روم کا تمام دیوان مولانا شمس کے فراق و اشتیاق اور اُن کے ماتم سے بھرا ہوا ہے۔

مولانا شمس کے کوائف اور نصائح

ایک حُسن پرست بزرگ سے ملاقات لکھا ہے کہ مولٰنا شمس الدین ایک مرتبہ ایک ایسے بزرگ سے ملے جو حسن سیرت سے زیادہ حسن صورت پر مٹا ہوا تھا مولانا نے فرمایا تم کس کھیل میں مصروف ہو گئے اور آوارہ لوگوں کی سی حالت کیوں بنا رکھی ہے اُس نے کہا اچھی اور مقبول صورتیں خدا کی ذات کا مظہر ہیں میں اس آئینہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہوں اور یہ رباعی پڑھی ؎

دل تو کہ بدیدہ صفا مے نگرم | نے از پئے شہوت وہوا مے نگرم
دیدار خوش است آئینہ لطف خداست | من در تو بہ آں لطف خدا مے نگرم

فرمایا۔ نادان! اللہ تعالیٰ کے جمال کو مٹی اور پانی کے شیشے میں دیکھتا ہے اور پھر وہ بھی غیر سے لیکر۔ اپنی جان کے اور اپنے دل کے شیشے میں دیکھ اور اپنی طلب آپ کر۔

بھنگ کا پینا حرام ہے ایک مرتبہ ایک شخص نے بھنگ کی حرمت کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا قرآن شریف میں ہر چند اس کی حرمت نہیں ہے لیکن اسکو حرام ہی سمجھنا چاہیئے احکام الٰہی حسب ضرورت واقتضائے زمانہ صادر ہوا کرتے تھے آنحضرت صلعم کے زمانۂ مبارک میں بھنگ کا رواج نہیں تھا۔ اور اگر ہوتا تو پینے والے کی سزا قتل سے کم نہ ہوتی جب مولانا روم کے صاحبزادے حضرت سلطان ولد مولانا شمس الدین سے بیعت ہوئے تو آپ نے خاص طور پر بھنگ کے بارہ میں فرمایا کہ یہ کام نہایت برا ہے اس کے پینے سے پرہیز کرنا۔

توحید کی تعریف ایک روز مولانا شمس سے کسی نے دریافت کیا توحید کی تعریف کیا ہے آپ نے فرمایا امتحان کیلئے دریافت کرنا بدعت ہے اب چونکہ تم نے دریافت کیا ہے اس لیئے جواب دینا لازمی ہے کہ توحید کا مطلب دراصل یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ خدا کی ملکیت ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ للہ ملک السموٰت والارض ومافیھن اور جو کچھ ہے خدا کی طرف سے ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ومابکم من نعمۃ فمن اللہ اور جو کچھ ہے وہ خدا ہی کی طرف بازگشت کریگا۔ والی اللہ ترجع الامور والیہ ترجع الامر کلہ والیہ المصیر“

خواب فکر کا نتیجہ ہے مولانا روم فرماتے ہیں ایک ان بیٹے خواب میں دیکھا کہ والد کی ایک کتاب پڑھ رہا ہوں اور اہل مجلس کو سنا رہا ہوں۔ جب بیدار ہوا تو مولانا شمس الدین نفس لائے اور فرمایا تم کتابوں کا مطالعہ ابھی ترک نہیں کرتے میں نے کہا اب تو عرصہ سے کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، فرمایا رات کو اہل محفل کو کیا سنا رہے تھے بیٹے کہا وہ تو خواب کا معاملہ ہے ۔ فرمایا

جن باتوں کی طرف زیادہ خیال رہتا ہے وہی اکثر خواب میں بھی نظر آیا کرتی ہیں اگر کتاب کے مطالعہ کا خیال نہ ہوتا تو خواب میں بھی یہ معاملہ پیش نہ آتا۔

عارف کی علامتیں اور معرفت کی تعریفیں

فرماتے ہیں عارف کی پہچان تین طریقوں سے ہو سکتی ہے دل فکر میں بدن عبادت میں اور آنکھ نظارہ الٰہی میں مشغول ہو۔

خدا میسر کرے تو سو وادی تیری نعت شبستانکا جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسی جھلملانا کا

فرماتے ہیں عارف وہ ہے جو تعلقات دنیا سے بے پروا خوف عقبیٰ سے بے خطر اور ذاتِ الٰہی سے واصل ہو ایک شخص نے پوچھا معرفت کس کو کہتے ہیں! فرمایا زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر ہست کو نیست اور نیست کو ہست کرنے کا نام معرفت ہے اُسکی تشریح اسطرح ہے کہ جسم اور اُس کے تکلفات زندہ ہیں ان کو فنا کر۔ دل جو مردہ ہو رہا ہے اس کو زندہ کر دنیا حاضر ہے اسکو دور کر اور آخرت جو غائب ہے اس کو حاضر رکھ۔ حرص کو مٹا اور اپنے آپ کو ہست کر۔

لطف و قہر اور جمال و جلال

مولانا کی طبیعت میں بلا کی تیزی تھی جب انوارِ الٰہی اُن پر اپنا سایہ ڈالتے تھے تو اُن کے چہرے اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خون کے فوارے چل رہے ہیں وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھ میں قہر بھی ہے اور لطف بھی، چنانچہ ایک دن فرمایا مولانا روم میں جمال ہے لیکن مجھ میں جمال بھی ہے اور جلال بھی مولانا روم میرے جمال پر فریفتہ ہیں لیکن میرے جلال (یعنی میری برائیوں) کی طرف وہ توجہ نہیں کرتے اب میں برائیاں اس لئے کرتا ہوں کہ مولانا روم میری برائیوں سے بھی آگاہ ہو جائیں

انسان کا رتبہ زیادہ ہے یا عرش کا

عام طور پر مشہور ہے کہ فلاں شخص کا پایہ عرش تک پہنچ گیا یعنی اس سے بلند رتبہ اب اور کیا ہوگا کہ فرش عرش تک پہنچ گیا لیکن مولانا شمس ایک موقعہ پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی تمام مخلوقات سے جو زمین و آسمان

میں موجود ہیں صرف انسان ہی بلند پایہ اور اشرف المخلوقات بنایا ہے انسان کی بزرگی سب پر فائق ہے۔ انسان میں نیاز ناز و قہر دونوں صفتیں موجود ہیں۔

منافق کی کبھی مغفرت نہ ہوگی

ایک دفعہ بھری مجلس میں فرمایا مومن سجدہ شکرانہ بجالائے کہ وہ کافر نہیں ہے اور کافر شکر کرے کہ وہ منافق نہیں ہے منافق دنیا کی تمام مخلوق سے بدترین ہیں قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار پھر ایک حدیث کا تذکرہ کرکے فرمایا دوزخ سے تمام گناہگار اپنے اپنے وقت پر نکال لئے جاوینگے لیکن کچھ لوگ باقی رہینگے ان سے پوچھا جائیگا تم کون ہو۔ وہ کہیں گے ہم منافق ہیں ہمارا باطن کچھ تھا اور ظاہر کچھ ہم سے دوست دشمن سب نالاں رہا کرتے تھے ہماری رہائی ناممکن ہے پھر فرمایا یہ حدیث مشہور نہیں ہوئی لیکن جو لوگ صاحب باطن ہیں وہ اس سے فائدہ حاصل کرینگے۔

ستر حج کا ثواب

ایک بار فرمایا حضرت بایزید بسطامی نے ستر حج پاپیادہ کئے تھے اکہترویں مرتبہ حج کو جارہے تھے کہ راہ میں ایک عجیب نظارہ دیکھا پانی کی کمی اور پیاس کی شدت کی وجہ سے ایک کنوئیں پر بہت سے حاجی جمع تھے کئی ایک دم توڑ رہے تھے ایک کتا بھی پاس ہی شدت تشنگی کی کیفیت زبان حال سے بیان کر رہا تھا لیکن ہر ایک کو اپنی پڑی ہوئی تھی اس غریب بے زبان کو کون پوچھتا کتا بار بار حضرت کی طرف دوڑتا۔ دُم ہلاتا اور ان سے پیار کرتا آپ نے فرمایا کوئی ہے ایسا مرد خدا۔ جو مجھ سے پانچ حج کا ثواب لے لے اور اس کتے کو پانی پلا دے لیکن کوئی جواب نہ ملا آخر نوبت ستر تک پہنچ گئی لیکن پھر بھی کسی نے توجہ نہ کی امیر آپ نے خود پانی پلایا لیکن تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا کہ ستر سال کی تکالیف سے حاصل کئے ہوئے پیادہ حج پانی کے دو گھونٹ کے لئے وہ بھی ایک کتے کی خاطر مفت میں بیچ ڈالے یہ خیال گذرا ہی تھا کہ کتے نے پانی سے منہ پھیر لیا آپ کو ندا آئی کہ کیا ایسے ہی ستر حجوں کا گھمنڈ ہے جن کو کتا بھی قبول نہیں کرتا یہ سنکر آپ نے اسی وقت توبہ کی اور ساتھ ہی کتے نے باقی ماندہ پانی بھی پی لیا۔

خلوص قلب کی ضرورت

فرماتے ہیں نماز بے حضور قلب ریاکاری ہے لا الہ الا اللہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کو کسی عذاب سے کوئی خطرہ نہیں لیکن صرف کلمہ زبانی پڑھ دینے سے امن و امان نصیب نہیں ہو سکتا اگر زبانی اور ظاہری باتوں پر ہی اعتبار ہو تو ہر شخص ایک لحظہ میں زمین و آسمان اور عرش و کرسی سب کی سیر کر آئے جب تک خلوص قلب نہو ظاہری عبادات اور زبان کی طمطراق کوئی اثر نہ کرے گی۔

منصور اور انا الحق

ایک دن حالت سماع میں چند شخصوں کو ذوق نصیب ہوا وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتے اور عالم ربانی کے عجیب عجیب نکتے بیان کرتے تھے مولانا شمس تبریزؒ نے یہ حالت دیکھکر فرمایا جب بیان تک نوبت پہنچ جائے تو ایسے لوگوں کو منزل مقصود پر پہنچانے یا اُس کا رستہ بتانے کے لئے کسی مرد خدا جذب خاص یا تجلیات الٰہی کی ضرورت ہے جو انہیں ڈگمگانے نہ دے فرمایا اگر کوئی مرد خدا منصور کی دستگیری کر لیتا تو وہ حق کی بجائے انا الحق نہ کہتا۔ کہاں حق اور کہاں انا الحق۔ اگر اس کو کامل استغراق ہوتا تو وہ دیکھتا کہ جس عالم میں وہ پہنچا ہوا ہے وہاں نہ الف سما سکتا ہے نہ نون وہ حق ہے حق تھا اور حق ہی رہیگا

مرشد کی ضرورت کیوں ہے

مولانا شمس سے ایک دن فرمایا شیخ حریری پر کسی نے اعتراض کیا تمہارے مرید خلاف شرع اعمال کیوں کرتے ہیں اور بالخصوص نماز کیوں نہیں پڑھتے اسپر ستم یہ کہ تم اُن سے باز پرس بھی نہیں کرتے شیخ حریری نے کہا جب خدا اور اُس کے احکام کی متابعت وہ نہیں کرتے تو میں کس شمار میں ہوں پھر ہنسکر فرمایا اگر وہ نماز پڑھیں روزہ رکھیں اور احکام شریعت کی پابندی کریں تو اُن کی نجات ہو گئی پھر میری ضرورت ہی انہیں کیا رہی میرے مریدوں نے میرا دامن اس لئے پکڑا ہے کہ وہ دنیا میں امن و عیش کریں اور میں اُنکی دستگیری کر کے اُن کو نجات دلاؤں لیکن وہ اگر اپنے طور پر بھی احکام خداوندی کو بجا لاتے ہیں تو سونے پر سہاگہ ہے۔

امیرانہ لباس میں درویشی ایک دن مولانا شمس الدین اپنے احباب و خدام کے ساتھ کہیں جا رہے تھے سر راہ ایک بہت بڑا سردار ملا جس کے جلو میں کئی آدمی تھے اور خیمہ و خرگاہ بھی ساتھ تھا جب وہ مولانا کے پاس آیا تو اپنے گھوڑے سے جو ساز و سامان سے آراستہ تھا اتر پڑا سلام عرض کیا اور دیر تک کھڑا رہا۔ آپ کو دیکھ دیکھ کر روتا تھا آپ بھی خاموش کھڑے تھے آخر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا اس کے جانے بعد آپ نے اپنے احباب سے فرمایا خدا عجب بے نیاز ہے اس کی تہ تک پہنچنا فرد بشر کا کام نہیں ہے وہ عوام کو نعمتیں دنیا اور خواص کو امتحان و مصائب میں ڈالتا ہے لوگوں نے عرض کیا یہ امیر کبیر کون شخص تھا فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ ہے اس نے اپنے آپ کو امیرانہ لباس اور جاہ و حشم میں پوشیدہ کر رکھا ہے لیکن اب چاہتا ہے کہ علانیہ درویشی لباس اختیار کرے کیونکہ اس طریقہ میں اس کو عبادت کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے مخلوق کی حاجت روائی سے اس کو فرصت نہیں ملتی۔ لیکن اللہ کی مرضی یہ ہے کہ یہ شخص اسی حالت میں رہے کیونکہ اگر وہ درویشی کپڑے پہن لے تو دنیا اس سے جاتی رہیگی اگر وہ انہیں کپڑوں میں رہے اور اسی ٹھاٹھ سے رہے تو وہ دین و دنیا کا بھلا کر سکتا ہے اور ہزارہا مخلوق کی جن کی حاجتیں اس کے دم سے وابستہ ہیں دعائیں لے سکتا ہے۔

مولانا شمس کے پُر حکمت اقوال اور صوفیانہ نکتے

۱۔ دوست وہ ہے جو اپنے کسی دوست کی خطا اور ایذا رسی سے رنجیدہ نہو اور گناہ اور عیب پر پردہ ڈالے۔

۲۔ جس کے دل میں محبت۔ اخلاص اور رحم موجود ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قربت کا شرف دینے کیلئے ہر وقت تیار ہے۔

۳۔ دوست کی پیشانی سے زیادہ مفید کوئی کتاب نہیں۔ لیکن مکمل دوست کوئی نہیں ہر دوست مثل تیس سیپاروں کے ہے اور ان کا جامع خود خدائے پاک ہے

۴ اگر مردے کو زبان گویائی مل جاتی تو موت کے متعلق عجیب عجیب راز بیان کرتا
۵۔ اپنا بوجھ دوسروں کی گردن سے اُٹھالو اور ان کا بوجھ خود لے لو۔
۶۔ دوزخ سے نجات چاہتا ہے تو خلق خدا کی خدمت حاصل کر۔ بہشت کی توقع ہے تو عبادت الٰہی میں مصروف رہ
۷۔ جسم خدا اور بندہ کے درمیان ایک پردہ ہے جسم کیا ہے مال جاہ اور دیگر تکلفات کا نام ہے ان کو فنا کر۔ اور خدا کی حضوری میں رہ۔
۸۔ زبان وہی ہے جو ذاکر ہو دل وہی ہے جو شاکر ہو اور جسم وہی ہے جو صابر ہو
۹۔ جو جسم علم سے خالی ہے وہ ایک ایسا شہر ہے جہاں پانی کی بوند نہیں ملتی یا ایک ایسا غلام ہے جو بغیر آقا کے ہے۔
۱۰۔ چار چیزیں نایاب ہیں دولتمند ہو لیکن بردبار و فیاض۔ درویش ہو مگر صابر و شاکر۔ گنہگار ہو لیکن اپنی حالت پر پچھتانے اور خدا سے ڈرنے والا۔ عالم ہو لیکن باعمل۔
۱۱ دنیادار کو دنیا میں رہنا ہے تو بغیر تجارت اور کسب اور ہاتھ پاؤں ہلانے کے کام نہ چلے گا۔
۱۲۔ دولت کا حریص پر حسرت و ارمان جائیگا اور مفلسی پر بھی اللہ کا شکر کرنے والا اطمینان سے اپنی جان دیگا اور صبر کا پھل پائیگا۔
۱۳ علم اور حلم کا درجہ سب سے افضل پائے گا۔
۱۴ حلیم وہی ہے جو کسی سے خلاف طبع کام دیکھنے پر بھی خلق و مروت سے کام لے اور بغض و کینہ کو کبھی اپنے دل میں جگہ نہ دے۔
۱۵ سخاوت چار طرح کی ہے مال کی سخاوت دولتمندوں کے لیئے ہے قسم کی قربانی محنت اور مجاہدہ کرنے والوں کا حصہ ہے جان کی قربانی جان نثاروں اور غازیوں کے لیئے اور دل کی سخاوت عارفوں اور اللہ والوں کا حصہ ہے۔
۱۶ دین کی نگہبان دو چیزیں ہیں۔ نیک عادت اور سخاوت۔
۱۷ علماء کو تواضع۔ اولیاء کو حلم۔ درویشوں کو قناعت۔ تونگروں کو سخاوت

اور عابدوں کو خلوت لازمی ہے۔

۱۸ - موت کا آنا سب کو یقینی ہے اس لئے اس سے چھٹکارا ناممکن ہے اور بھاگنا بے سود تدبیر تقدیر پر غالب نہ آسکیگی۔

۱۹ تیرے رزق سے محروم کرنیکی کسیکو طاقت نہیں وہ بہرحال تجھے ملیگا لیکن دوسروں کے رزق کی کثرت سے اپنے آپ کو حسد کی آگ میں ہلاک نہ کر حریص شیطان کی طرح مرجوم ہے۔

۲۰ جو شخص زیادہ علم و فضل رکھتا ہے وہ اپنے مقصود سے زیادہ دور ہوتا ہے جسکو فکر و غور زیادہ ہوگا اسکو تردوات عالم بھی زیادہ ہونگے سچ ہے سہ
دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند آں را کہ فکر بیش غم روزگار بیش۔

۲۱ جو لوگ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں لیکن نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اپنے آپ کو باز بتاتے ہیں لیکن کوؤں سے بھی بدتر ہیں۔

۲۲ جب نفس امارہ مطیع اور مغلوب ہو گیا تو سمجھہ لو کہ جیتے جی دنیا ہی میں شہادت اور غزا حاصل ہو گئی اس کافر نفس کو مارنا ہی جہاد اکبر ہے سہ
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا نہ مارا نفس امارہ کو گر مارا تو کیا مارا

۲۳ سب مخلوق علم اور فائدہ کی متلاشی ہے تو بھی علم نیک کی جستجو میں رہ نیک کام کرنا ہی مقصود ایجاد علم ہے اس بات کو مغز سمجھہ باقی سب پوست ہے

۲۴ اگر دین کا طالب ہے تو عبادت کر۔ اگر حق کی طلب ہے تو مردان خدا کی صحبت اور خدمت بہتر ہے

۲۵ جس شخص نے شاخ کو پکڑا اسکے گرنے میں کیا کسر ہے جو شخص جڑ یا درخت کو پکڑیگا سب شاخیں اسکے قبضہ میں آجائیں گی۔

۲۶ پوشیدہ صدقہ اور اصلی خیرات یہ ہے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو اور بہت سے بہتر چیز دینے پر بھی افسوس رہے کہ کاش اس سے بہتر کوئی اور چیز صدقہ میں دے سکتا۔

۲۷ کعبہ کی طرف سب لوگ سجدہ کرتے ہیں لیکن جب اس حجاب (کعبہ) کو درمیان سے اٹھا دیا جائے تو معلوم ہوگا سب لوگ ایک دوسرے کو سجدہ کر رہے ہیں۔

۲۸۔ وہ معجزہ نہیں جسکو عقل قبول کرے معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ عقل اُس کے سمجھنے سے عاجز ہو۔

۲۹۔ لوگ کہتے ہیں رفع حاجت کیوقت اللہ تعالیٰ کا نام زبان سے نہ نکالو۔ بلکہ دل میں پڑھو لیکن ہم تو اس سے اسطرح واصل ہیں کہ دل اور زبان کی تمیز نہیں رکھتے اسکو کسطرح جدا کیا جاسکتا ہے

۳۰۔ صاحب طبع سے زیادہ صاحب دل کی تلاش کر

۳۱۔ جب تک باطل کو ترک نہ کرو گے حق تک رسائی نہ ہوگی

۳۲۔ جس نے نیاز اور عجز حاصل کیا وہ منزل مقصود کو پہنچ گیا نیازمندی بہت بڑی عبادت ہے ؎

جز نیاز و بندگی و اضطرار اندریں حضرت ندارد اعتبار

۳۳۔ وہ عجب احمق ہے کہ مزدوری آج کرتا ہے اور اجرت کل پر اٹھا رکھتا ہے۔

۳۴۔ خدا قدیم ہے مخلوق حادث ہے پھر اس کا میل کسطرح ہو جب تک جان کا تحفہ اُس کی نذر نہ کرو گے وہاں تک نہ پہنچ سکو گے فدا ہمت کیطرف توجہ کر وہاں سے ایک چیز تجھکو ملیگی اُس کا نام عشق ہے اُس کے دام میں پھنس جا وہ تجھے آخری اور اصلی منزل پر پہنچادیگا عشق کی گفتگو کے بعد اب کلام بند کرتا ہوں گو ان باتوں کا خاتمہ قیامت تک بھی ممکن نہیں

مولانا شمس تبریز کا دیوان

مولانا شمس تبریز کے تصنیفات سے ایک کلیات شمس تبریزی اور ایک دیوان حضرت شمس تبریز موجود ہے میرے پاس جو دیوان ہے وہ لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے اسکی لوح پر لکھا ہے دیوان حضرت شمس تبریز، اسکے نیچے لکھا ہے از جلوۂ خیال حضرت شمس الدین تبریزی الخ لیکن نظر تحقیق سے جب دیکھا جائے اور مولانا روم اور مولانا شمس کے حالات و تعلقات اور بالخصوص شاعری پر ایک محققانہ اور بسیط نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ دیوان جو عوام میں شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے درحقیقت مولانا

روم کی طبع رسا کا نتیجہ اور ان کے صوفیانہ خیالات کا ایک پرتو ہے اسکی تصدیق کی مندرجہ ذیل سطور کو غور سے دیکھنا چاہئے۔

مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ مولانا روم کے بڑے بڑے خدام نے مولانا شمس الدین سے ایک دن کہا کہ مولانا کی آپ پر اس قدر عنایت و شفقت ہے کہ آپکی نام پر انہوں نے کئی غزلیں بھی لکھی ہیں مولانا شمس نے کہا میں ایک زبردست بادشاہ کے قبضہ میں ہوں چاہے وہ عرش سے بھی اوپر لے جائے اور چاہے زمین سے بھی نیچے مولانا شبلی اپنی کتاب "سوانح مولانا روم" میں "ریاض العارفین" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مولانا نے شمس تبریز کے نام سے یہ دیوان لکھا ہے اسکے علاوہ فارسی کے اکثر شعرا نے مولانا کی غزلوں پر جو تضمین کی ہے اسکے مقطعے میں بجائے شمس تبریز کی غزل تصور کرنے کے مولانا روم کا نام لکھا ہے چنانچہ علی حزیں مولانا روم کی ہم قافیہ و ردیف غزل پر غزل لکھ کر مقطع میں کہتے ہیں

این جواب غزل مرشد روم است کہ گفت ۔۔۔ من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر۔

مولانا کی یہ مکمل غزل دیوان حضرت شمس تبریزؒ میں تبریز کے نام پر صفحہ ۱۷۵ و ۱۸۰ میں موجود ہے چند شعر ذیل میں درج ہیں۔

نہ کہ ہمسایۂ آں سایۂ احسان توام ۔۔۔ تو مرا ہمسفر مشفق و غمخوار مگیر
خفتگاں را نہ تماشائے نہاں مے بخشی ۔۔۔ تو مرا خواب شمر حاضر و بیدار مگیر
چشم مست تو خرابی دل و دین منست ۔۔۔ لعل شکر صفت و بے جو گلنار مگیر
من ببوئے تو خوشم خانۂ خود گرداں کن ۔۔۔ من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر
بس کن و طبل طبل برائے عزت ۔۔۔ من چو اغیار خوشم دامن اغیار مگیر

شیخ علی حزیں اپنی ایک اور غزل میں جو مولانا روم کی غزل کی ہم قافیہ ہے لکھتے ہیں ؎

مطرب نوائے عارف روم ۔۔۔ این پردہ زن کہ یار دیدم

دوسرا مصرعہ مولانا روم کا ہے جیسا کہ علی حزیں بھی کہتے ہیں لیکن اس مصرع کی تمام غزل شمس تبریز کے نام سے دیوان شمس تبریز صفحہ ۲۲۷ و ۲۲۸ پر موجود ہے چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

تا در دل من قرار کردی — جاں راز تو بے قرار دیدم
از جملہ جہاں زعیش عالم — من عشق تو اختیار دیدم
اے مطرب اگر تو یار مائی — ایں پردہ بزن کہ یار دیدم
بر دار کلہ کہ اندریں راہ — بسیار کلاہ دار دیدم

ان کے علاوہ خود دیوان شمس تبریز کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اشعار کسی ایسے شخص کی زبان و قلم سے نکلے ہیں جسکے دل میں حضرت شمس کی عزت و وقعت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور جو حضرت شمس کو پیر و مرشد کیطرح تصور کرتا ہے اور مفخر دین کے نام سے یاد کرتا ہے ایک موقعہ پر مولانا روم لکھتے ہیں کہ جو کچھ شمس میں ہے وہ مجھ میں بھی ہے شمس کی باتیں مجھ سے پوچھو کہ میں اور وہ ایک ہی ہیں لکھتے ہیں کہ ؎

آنچہ در شمس تبریزی — از من آں جو کہ من ہماں دارم

یہ شعر دیوان شمس تبریز میں موجود ہے لیکن باریک بین نگاہیں دیکھ سکتی ہیں کہ اس شعر کا کہنے والا شمس نہیں ہے بلکہ کوئی اور شخص ہے چند غزلوں کی مقطعے یا بالخاص خاص اشعار اس غرض سے درج کئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ عوام جو مولانا روم کے دیوان کو شمس تبریز کا دیوان سمجھ رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور نیز پڑھنے والے خود اندازہ لگا سکیں کہ یہ کلام شمس کا ہے یا مولانا روم کا یہ سب اشعار جو یہاں لکھے جاتے ہیں دیوان حضرت شمس تبریز میں موجود ہیں۔

مخدوم جانم شمس دین از جاہت آید ورج امیں۔ تبریز شد سوے حرم از مسجد اقصی بیا

شمس تبریزی بر آر از چاہ مغرب مشرقی — ہمچو صبح کو برآرد خنجر مصمو ذرا

آں شہ کہ باشد شمس دیں خورشید گردوں یقیں — بدر شب قدر گزیں پیدا کنی پنہان ما

اے شمس تبریزی کہ تو ہم مفخر و ہم سروری — در شرق و غرب مثل نے اے نور جاں آشنا

دیدیم زدو شمس دین را | شاہ تبریز و فخر دین را
اے مطرب عشق شمس دینم | جانِ تو کہ باز گو ہمیں را

در عشق شمس تبریز مائیم رند و خوں ریز | اے حملۂ لطف مگر بزا منت مروازیجا

ز شمس تبریزی امتحانہ مکن | بود کہ تاج امانت رسد بہ فرق ترا

اگر در آئی تو در درس شمس تبریزی | بود نتیجۂ تحصیل ہر نفاث فنا

معجز تبریز تو ئی شمس دیں | حسرتِ روز سے و تمنائے شب

شمس الحق تبریز چو در جام کشیدت | منگر بہ جیب ور است کہ امکاں مغرنیست

ہر کس بہ شمس الحق تبریز دہد جاں | او کافر خویش است مسلمانِ خرابات

ہمائے شمس کشور تبریز روز شرق | من ہدہدم حضور سلیمانم آرزو است
شمس تبریزی درآمد در دلم بنہ مے نہاد | از شراب حق عشق بنگر در دلیوار مست
ایں قدر گفتم حمش کردیم باقی را بہ لطف | شمس تبریزی بگوید کز صفا مست آمد است

شمس تبریزی بہ نور ذوالجلال | در دو عالم مایۂ اقرار ماست

حضرت شمس تبریز کے علاوہ اکثر غزلوں میں شیخ اوحد الدین کرمانی شیخ صدر الدین قونوی اور حضرت حسام الدین چلپی کا نام بھی مولانا روم نے لکھا ہے اس لئے یہ کہنا کہ دیوان شمس تبریز کے نام سے جو دیوان مشہور ہے وہ حضرت شمس تبریزی کی تصنیف ہے ایک فاش غلطی ہے اور افسوس ہے کہ مدت سے چلی آتی ہے اور کسی نے اسطرف توجہ نہیں کی۔

چونکہ شمس تبریز متبحر علوم عقلی و نقلی ہونے کے علاوہ صاحب دل تھے اور عشق کا مجسم نمونہ تھے ممکن ہے انہوں نے بھی کچھ غزلیں کہی ہوں لیکن کسی مورخ اور وقائع نگار نے ان کا نمونہ پیش نہیں کیا اور نہ کبھی ان کے اشعار کا ذکر کیا ہے اس لیے ان کی ذاتی شاعری پر خاموشی چھائی ہوئی رہی ہے البتہ اس دیوان نے ان کا نام خوب روشن کر دیا ہے

مولانا شمس تبریز کے معاصرین

مولانا شمس تبریز کا زمانہ نہایت نیک بزرگوں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کا زمانہ تھا علم و فضل کا خوب چرچا تھا تصوف و معرفت اور عشق الٰہی کی کیفیتوں کے دریا بہ رہے تھے پیاسے الجوع الجوع اور العطش العطش کہتے ہوئے آتے تھے اور سیراب ہو کر چلے جاتے تھے درویشی کمال پر پہنچی ہوئی تھی بادشاہ درویشوں کے قدم چومتے تھے اور درویش انکی صحبتوں سے بھاگتے تھے علم اپنے صحیح معنوں میں استعمال ہوتا تھا شراب سے مراد شراب انگوری نہ لی جاتی تھی اور زلف کا مطلب معشوق کے گیسوؤں کا بکھر جانا نہ سمجھا جاتا تھا استادوں اور پیروں کی خوشنودی مزاج اور نعمت علم و فضل حاصل کرنے کے لیے دریا پہاڑ اور بیابان اولوالعزمان دانشمند کے نزدیک پیرگاہ سے بھی کم تھے یہ زمانہ ساتویں صدی ہجری کا زمانہ تھا جبکہ مولانا روم۔ مولانا شمس تبریز۔ شیخ صدر الدین قونوی شیخ حسام الدین چلپی شیخ اوحد الدین کرمانی۔ شیخ فرید الدین عطار شیخ محمد یمنی شیخ نجم الدین رازی شیخ محی الدین عربی شیخ شہاب الدین سہروردی شیخ سیف الدین باخرزی شیخ سعدی شیرازی اور شیخ فخر الدین عراقی جیسے نادرۂ روزگار اور فخر اسلام بزرگ اپنی صحبتوں اپنے وعظوں اور اپنی ہم کلامیوں سے ایک عالم کو مستفیض و مستفید کر رہے تھے یہ سب بزرگ مولانا شمس الدین کے زمانہ حیات ہی میں ہوئے ہیں ان میں سے اکثر مولانا شمس تبریز کی وفات سے بعد چالیس پینتالیس سال تک بھی زندہ رہے ہیں ان میں سے کئی حضرات سے شیخ شمس تبریز کی ملاقات بھی ہوئی ہے متذکرہ بالا تمام بزرگوں کے حالات نفحات الانس میں شرح و بسط کے ساتھ تحریر ہیں اس لیے یہاں

ان کا اعادہ محض طوالت کا باعث ہے۔

شمسی مت اور شمس الدین تبریزی

شمس الدین تبریزی کے جس قدر حالات معتبر اور مستند کتابوں اور تاریخوں سے مل سکے ہیں وہ خلاصۃً درج کیے جا چکے ہیں لیکن جسطرح مولانا روم کا دیوان شمس تبریزی کے نام کے ساتھ مشہور ہو گیا ہے اور عام لوگ اسے شمس تبریزی کا دیوان ہی سمجھتے ہیں اسی طرح حضرت شمس کے متعلق پنجاب میں ایک اور غلط فہمی بھی پھیلی ہوئی ہے جس کی تصریح و تشریح سطور ذیل میں کی جاتی ہے پنجاب۔ بمبئی۔ کاٹھیاواڑ۔ گجرات بلکہ افریقہ تک شمسی مت کے نام سے ایک مذہب قائم ہے جس میں ہندو کم اور مسلمان زیادہ شامل ہیں موجودہ ہز ہائی نس سر آغا شاہ محمد خاں (بمبئی) اس مت کے سرگروہ اور کلی کے اوتار ہیں جن کا پبلک اور گورنمنٹ میں بہت بڑا رسوخ ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس مت کے چلانے والے شمس الدین سبزواری باشندہ ملتان ہوئے ہیں ان کی خانقاہ بھی ملتان میں موجود ہے شمس تبریز نام غلط مشہور ہو گیا در اصل ان کا نام مخدوم شاہ شمس الدین سبزواری تھا شمس سبزواری سبزوار (علاقہ غزنی) میں امام جعفر صادق کے لڑکے امام اسمٰعیل کی اولاد سے ۶ ماہ رجب ۵۶۰ھ ہجری کو پیدا ہوئے ۶۷۴ھ ہجری میں عبدالہادی کی اجازت سے ملتان میں آئے جہاں ۶۷۵ھ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا مولانا شمس تبریزی کا زمانہ وفات ۶۴۵ھ ہجری ہے اس حساب سے تبریزی اور سبزواری کی وفات میں تیس سال کا فرق ہے۔ نیز جہانتک کتابوں سے معلوم ہوا ہے مولانا شمس تبریز نہ کبھی غزنی گئے ہیں اور نہ کبھی پنجاب میں آئے ہیں۔ بلکہ ان کی سیر و سیاحت زیادہ تر ملک شام ہی میں رہی ہے۔

شمس تبریزی کے متعلق پنجاب میں ایک اور روایت مشہور ہے کہ ملتان کے طبقہ علماء اہل قضا اور اہل شریعت کے فتویٰ دیا سے حاکم وقت نے شمس تبریز کا چمڑا اس کے جیتے جی اتروا لیا تھا اور جب چمڑا اتار لیا گیا تو شمس نے کباب کھانے کی خواہش کی لیکن کوئی شخص ان کی آرزو کو پورا کرنے کی جرأت نہ کر سکا آخر انہوں نے خود اپنے

ل رسالہ اندر لاہور جلد ۳ نمبر ۵ بابت ماہ مئی ۱۹۱۸ء

گوشت کا ٹکڑا الگ کیا اور اسکو بھوننے کیلئے آفتاب کو اپنے قریب بلالیا جو سوا نیزہ کے فاصلہ پر آکر ٹھیر گیا اور جسکی تمازت وحدت سے کباب بھونکر کھالیا گیا۔
لیکن یہ روایت سوائے زبان خلق کے اور کہیں نہیں پائی جاتی کوئی کتاب اور کوئی تاریخ اس روایت کا حوالہ دینے کی جرات نہیں کر سکتی جب مولانا شمس کے حالات و واقعات سے ظاہر ہے کہ وہ کبھی پنجاب یا ملتان میں آئے ہی نہیں اور انکی عمر کا آخری حصہ مولانا روم کی صحبت میں بسر ہوا ہے تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ سوا نیزہ آفتاب کا واقعہ بالکل غلط بلکہ محض گپ ہے

تمت

ضمیمہ

حضرت شمس تبریز کے حالات زندگی ابھی زیر طبع تھے کہ نظام المشائخ دہلی میں حلقہ کے ایک مخلص خادم نے آپ کے مختصر واقعات زندگی چھپوائے جن کا ماخذ انگریزی کتابیں ہیں اس لئے میں ان کو بھی ناظرین کی ضیافت طبع کی غرض سے بطور ضمیمہ ایزاد کر دیتا ہوں۔

شمس تبریزی

عزیزم ضیاء الدین احمد خاں برنی متعلم بی اے کلاس حلقہ نظام المشائخ کے وجود میں آنے سے قبل ہی اس پر ایمان لا چکے تھے۔ اسلئے باوجود شغل طالب علمی حلقہ کی علمی خدمت گذاری کے لئے وقت نکالنا انہوں نے لازم قرار دے لیا ہے حضرت شمس تبریز کے حالات یوں تو ہر مسلمان بچہ کی زبان پر ہیں لیکن مستند اور محققانہ طریقہ سے بہت کم لکھے گئے ہیں لہذا برنی کی اس ضروری کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے اگرچہ اس تحریر کو شمس تبریز کا تذکرہ کہنا تو نازیبا ہے مگر جو واقعات اس مختصر مضمون میں جمع کئے گئے ہیں وہ حضرت شمس کی زندگی پر تھوڑی بہت روشنی ڈالتے ہیں۔

حلقہ کے دیگر انگریزی داں خدام کی طرح برنی بھی ان انگریزی کتابوں کو مطالعہ میں رکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں جن میں ارباب تصوف کا ذکر ہو اسلئے حضرت شمس کے حالات کے ماخذ میں انگریزی کتب کو زیادہ دخل ہے۔

حضرت شمس تبریز کے والد کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ فرقہ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت شمس نے یہ مذہب ترک کر دیا تھا مجکو اس دعوے کے قبول کرنے میں تامل ہے کیونکہ اسمٰعیلی فرقہ والے شمس دوسرے گزرے ہیں جن کا مزار ملتان میں ہے عوام ملتانی شمس تبریزی کو ہی حضرت مولانا روم کا مرشد سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے یورپین مورخوں کو غالباً اسی روایت کی وجہ سے

غلط فہمی ہوئی ہوگی۔
ملتانی شمس تبریزی کو تین سو برس کا عرصہ گذرا یہ اسمٰعیلی فرقہ کے داعی بنکر ہندوستان میں آئے تھے اِن کے ہمراہ دو شخص اور تھے ایک کا نام پیر صدرالدین تھا اور دوسرے کا پیر امام الدین۔ صدرالدین نے اضلاع سندھ و بمبئی میں دعوت شروع کی اور امام الدین نے گجرات و کاٹھیاواڑ میں شمس الدین سیدھے پنجاب چلے آئے اور یہاں اپنا مشن جاری کیا سندھ و بمبئی میں جس قدر آغاخانی خوجے ہیں وہ سب صدرالدین کی کوشش سے مسلمان ہوکر آغاخانی (اسمٰعیلی) جماعت میں شامل ہوئے ہیں امام الدین نے اول اول تو بحیثیت اسمٰعیلی داعی کے کام کیا مگر چند روز کے بعد خود مختار ہوکر اپنا ایک علیحدہ طریقہ امام شاہی جاری کر دیا امام شاہی طریقہ کے اصول بھی قریب اسمٰعیلی تھے لیکن وہ خود اپنے تئیں نائب امام اور مظہر ذات مولیٰ علی بیان کرتے تھے امام الدین کا مزار مقام پیرانہ میں ہی جو احمد آباد گجرات کے قریب ایک قصبہ ہے آج امام شاہی جماعت میں کم از کم پندرہ بیس لاکھ آدمی ہونگے جن میں کچھ تو ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے ہیں جنکا لقب مومن ہے اور باقی گپتی یعنی پوشیدہ ہیں اور انکو اپنے عقائد ظاہر کرنیکا حکم نہیں یہانتک کہ اگر ایک گھر میں چار ہندو رہتے ہیں اور ان میں تین امام شاہی ہیں تو چوتھے کو اس کی خبر نہ ہوگی پیرانہ میں ان لوگوں کی خانقاہ بنی ہوئی ہے اور گدی ہندو مہنت کے اختیار میں ہی جو بظاہر ہندو ہے اور بباطن امام شاہی۔ اس مہنت کے سینکڑوں داعی ہندوانہ لباس میں اپنے مشن کو پھیلانے اور جماعت سے عشر اور نذر نیاز وصول کرنے کیلئے دورے کرتے رہتے ہیں مہنت امام الدین کی اولاد میں اس عشر اور نذر نیاز میں سے معقول حصہ تقسیم کر کے باقی خانقاہ کے اخراجات میں صرف کر دیتا ہے اسی خانقاہ میں ایک جنیوؤں کی درگاہ بنی ہوئی ہے یعنی جو گپتی ظاہری طریق سے مسلمان ہونا چاہتے ہیں وہ اپنا جنیو اس درگاہ میں چڑھا کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور پھر اُن کو مومن کا لقب مل جاتا ہے۔
شمس الدین تبریزی نے جن کا مزار ملتان میں ہی پنجاب کے کھاروں اور سناروں میں اپنا طریقہ رائج کیا اور ان لوگوں کو شمسی ہندو کا لقب دیا یہ شمسی ہندو براہ راست آغاخان کے معتقد بنائے گئے ہیں اور سالانہ نذر نیاز اب تک آغاخان

ہی کو دیتے ہیں ان کی تعداد تین لاکھ کے قریب صوبۂ پنجاب میں ہو۔ ملتانی شمس تبریزی نے کن طریقوں سے اپنا عقیدہ پھیلایا اور کیسے کیسے عجیب غریب واقعات عوام کی زبانوں پر انکی نسبت مشہور ہیں انکے لکھنے کو ایک علحدہ مضمون کی ضرورت ہے بالفعل یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت شمس تبریزی کو اسمٰعیلی گروہ سے کوئی تعلق نہیں اسمٰعیلی شمس تبریز ملتان میں اور مولانا والے شمس تبریز سے سیکڑوں برس بعد ہوئے ہیں

حسن نظامی

شمس تبریز گر خدا خواہی خوش بخواں لاالٰہ الا اللہ

آپ کا اصلی نام شمس الدین ہے آپ کے والد ماجد جناب علاؤالدین کیا[1] بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسمٰعیلیہ کے امام تھے لیکن آپ نے اپنا آبائی مذہب ترک کردیا تھا آپ تبریز میں پیدا ہوئے اور وہیں علوم ظاہری کی تحصیل کی آپ اپنے بچپن کا حال خود بیان فرماتے ہیں کہ اسوقت میں عشق رسول میں اس قدر محو تھا کہ کئی کئی روز بغیر کھائے گذر جاتے اور مجھے بھوک معلوم نہ ہوتی تھی اور کبھی میرے والدین اور عزیز و اقربا مجھے کچھ دینا چاہتے تو میں انہیں اشارہ سے منع کردیتا تھا آخر زمانہ میں اکثر سیر و سیاحت میں رہتے تھے اور سیاہ کمبل کا لباس پہنتے تھے جس جگہ جاتے سرائے میں قیام فرماتے اور کوٹھڑی (حجرہ) کا دروازہ بند کرکے یاد الٰہی میں مشغول ہوتے معاش کے لئے ازار بند بُن لیا کرتے تھے اور اس سے باقی ضروریات زندگی مہیا کرتے تھے۔

جس طرح کوئی شخص کسی پیر کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے حضرت شمس کو اکثر ایک عالی ظرف والے مرید کی جستجو رہتی تھی ایک دفعہ انہوں نے دعا مانگی کہ الٰہی کوئی ایسا بندہ خاص عطا فرما جو میری پر اسرار صحبت کا متحمل ہو سکے۔ الہام ہوا کہ روم کی طرف جاؤ اسیوقت روم کی جانب روانہ ہوئے چلتے چلتے قونیہ پہنچے اور وہاں حلوائیوں کی سرائے میں قیام کیا ادہر جب باطنی کشش کے ذریعہ مولٰنا جلال الدین رومی کو ان کے آنے کا حال معلوم ہوا تو ملاقات کی غرض سے چلے مولانا اگرچہ علوم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال رکھتے تھے لیکن اب تک انکی توجہ زیادہ تر درس و تدریس کیطرف رجوع تھی اور ذکر و شغل کی طرف کم بڑے فاضل اور عالم

[1] کیا بزرگ نام ہے ۱۲

آپ کی شاگردی کو فخر سمجھتے تھے جب آپ شمسؒ تبریزی کی ملاقات کو چلے میں تو بہت سے علماء و فضلاء ساتھ تھے۔ الغرض اسی شان بان کے ساتھ سرائے کے دروازے پر پہنچے شمسؒ جو سرائے کے باہر ایک چبوترے کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے سمجھے کہ یہی وہ بزرگ ہیں جن کی نسبت مجھے الہام ہوا ہے بہت دیر تک زبان حال میں گفتگو ہوتی رہی آخر شمسؒ نے پہل کی اور مولانا سے پوچھا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا مرتبہ زیادہ ہے یا رسول اکرمؐ کا۔ مولانا نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام عالم سے افضل ہیں آپکے آگے بایزید کی کیا اصل ہے شمسؒ نے پھر پوچھا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے ان دونو واقعات میں کہانتک تطبیق ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو اُن کا یہ حال تھا کہ عمر بھر خربوزہ نہیں کھایا صرف اس وجہ سے کہ معلوم نہیں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا ہے اور دوسری طرف اپنی نسبت یوں فرماتے ہیں کہ سبحانی ما اعظم شانی وانا سلطان السلاطین (ترجمہ: اللہ اکبر میری شان بڑی ہے اور میں سلطان السلاطین ہوں) حالانکہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں دن رات میں ستر دفعہ استغفار پڑھا کرتا ہوں[1] مولانا نے فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کو پیاس کم تھی اسلئے ایک ہی گھونٹ میں انکی پیاس بجھ گئی برخلاف اسکے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غایت درجہ کی پیاس تھی جس کی وجہ سے وہ گلاس کے گلاس پی گئے لیکن پیاس کم نہ ہوئی۔ اس جواب نے شمسؒ پر بہت اثر کیا اور آپ بیہوش ہو گئے یہ سب سے پہلی ملاقات ہے جو بمقام قونیہ دسمبر ۱۲۴۴ء میں ہوئی اگرچہ اس سے پیشتر بھی مولانا نے شمسؒ کو دیکھا تھا لیکن بات چیت نہیں ہوئی تھی۔[2]

اس دفعہ کے تھوڑے دنوں بعد شمسؒ پھر مولانا کی مجلس میں شریک ہوئے اس دفعہ مولانا حوض کے کنارے پر تشریف فرما تھے اور کچھ کتابیں ان کے پاس رکھی تھیں شمسؒ نے پوچھا کہ یہ کتابیں کیسی ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ یہ سب اہل دنیا کی بحث کا سامان ہے اس سے آپکو کیا سروکار۔" شمسؒ نے فوراً سب کتابیں اٹھا حوض میں ڈالدیں مولانا نے تاسفانہ لہجہ میں فرمایا کہ "افسوس! آپ نے تو غضب

---

[1] سوانح مولانا روم ۱۲ [2] مثنوی مولوی معنوی ۱۲ [3] لٹریری ہسٹری آف پرشیا ۱۲

کر دیا ان میں وہ نایاب اور نادر کتابیں تھیں جو کبھی ڈھونڈے نہیں ملتیں"
شمس نے حوض میں ہاتھ ڈال کر کل کتابیں نکال دیں کتابیں بالکل خشک پائی گئیں
اور ان میں کسی قسم کی خرابی نہ تھی مولانا کو سخت تعجب ہوا اور حیرت سے پوچھا۔ کہ
حضرت! یہ کیا معاملہ ہے، شمس نے فرمایا یہ ذوق وحال ہے اس سے آپ کو کیا
تعلق، ان ہر دو واقعات نے مولانا کے دل میں شمس کیطرف سے کمال حسن عقیدت
گرویدگی اور اخلاص پیدا کر دیا اور مولانا کا یہ حال ہو گیا کہ ہر وقت ان کی خدمت
میں رہنے لگے ہیں[1]

یہ واقعات اس غرض سے لکھے جاتے ہیں تاکہ ناظرین سمجھ جائیں کہ حضرت شمسؒ کی ملاقات
سے پیشتر مولانا کو اس کوچہ کی ہوا بھی نہ لگی تھی جس سے کہ حضرت شمسؒ نے انہیں واقف
کر دیا اور یہ صرف حضرت ہی کے فیض صحبت اور جذب لدنی کا اثر تھا کہ وہ اسرار
باطنی جن کی اپنے دل میں جگہ پیدا کرنے کے لئے سالک کو بہت عرصہ تک ریاضت
کے شکنجہ میں دبنا پڑتا ہے مولانا پر تھوڑی ہی دیر میں منکشف ہو گئے اور وہ
تمام مراحل جن کا طے کرنا سالک کے لئے نہایت ضروری ہے حضرت شمسؒ نے
مولانا سے آن کی آن میں طے کروا دیے مولانا حضرت شمسؒ کی صحبت بابرکات
کے اثر کا اعتراف جو خود انہوں نے قبول کیا۔ خوبی کے ساتھ ذیل کے شعر
میں کرتے ہیں۔ ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نشد

حسب لار کی روایت کے موافق یہ دونوں اصحاب صلاح الدین زرکوب کے حجرے
میں ۶ ماہ تک مراقبہ اور ذکر میں مشغول رہے کھانا پینا بالکل بند تھا اور سوائے
صلاح الدین کے اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی شمس الدین احمد الفلکی
صاحب مناقب العارفین کے بیان کے مطابق اس خلوت کی مدت تین ماہ ہے[2]
یہ وہ وقت ہے جب سے کہ مولانا کی حالت میں تغیر عظیم پیدا ہوا آپ اپنے شیخ
اور محب صادق کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے چونکہ آپ اپنے زمانے کے ایک بڑے
زبردست بزرگ تھے اور ہزاروں نے آپ کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا

[1] سوانح عمری مولانا روم ۱۲ [2] سوانح مولانا روم ۱۲

تھا ان کی نظروں میں یہ تغیر بہت تعجب سے دیکھا جاتا تھا لیکن مولانا نے اس بات کی مطلق پرواہ نہ کی اور اپنے کام سے کام رکھا سب سے بڑا تغیر جو پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ شمس کی صحبت سے پیشتر اُنہیں سماع سے قطعی اجتناب تھا لیکن اب یہ حالت تھی کہ سماع کے بغیر چین نہیں پڑتا تھا ذرا ذرا سی آواز اُن پر سماع کا اثر رکھتی تھی حتی کہ ہتوڑی کی آواز اُن پر حالت وجد اور بیہوشی طاری کر دیتی تھی مولانا ہر وقت شمس کی خدمت میں رہتے اور چونکہ آپ نے درس و تدریس اور اپنے مریدوں کو فیض رسانی کے تمام مشاغل چھوڑ دیے تھے لہذا اس بات نے بہت سے ظاہر پرست مریدوں میں خصوصاً اور تمام شہر میں عموماً ایک شورش برپا کر دی :۔

مریدوں اور شاگردوں کا خیال یہ تھا کہ اس عدم توجہ کا باعث شمس کا وجود ہے ظاہر ہے کہ اگر وہ یہاں نہ ہونگے تو مولانا ہم پر پہلی سی توجہ از سر نو کرینگے اس خیال کی پختگی نے لوگوں کو بھی شمس کی جان کا دشمن بنا دیا اور شمس اس خوف سے کہ مبادا یہ شورش فتنہ کی صورت میں نمودار ہو چپکے سے گھر سے نکلکر [illegible] مشہور ہے [illegible] کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے گوشہ تنہائی اختیار کر لیا کسی کو باریابی کی اجازت نہ تھی حتی کہ مریدانِ خاص بھی اُن کی ملاقات سے محروم رہتے تھے عرصہ بعید کے بعد شمس نے مولانا کو دمشق سے خط لکھا خط نے دل کے شوق کی جلتی ہوئی آگ پر تیل کا اثر کیا اور خوب ہی آتش محبت بھڑکائی انہیں دنوں میں مولانا نے بہت سے اشعار کہے جن کے درد اور اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان میں آگ بھری ہوئی ہے ایک عام بات ہے کہ درویشوں کا دل اور زبان ایک ہے یعنی جو کچھ اُن کے دل میں آتش شوق بھری ہوئی تھی اس لئے جو الفاظ انکے دہن مبارک سے نکلتے تھے ان میں بھی آگ ہی بھری ہوئی ہوتی تھی، ظاہر میں ان اشعار کا یہ اثر ہوا کہ جن لوگوں نے شمس کو تکلیف پہنچانیکا ارادہ کیا تھا۔ انہیں سخت شرمندگی ہوئی اور سب نے مولانا کی خدمت میں آکر ان سے معافی کی درخواست کی مولانا نے شمس کو واپس بلانے کی نسبت مشورہ کیا لیکن بہت دیر تک رد و کد ہونیکے بعد آخری رائے یہ ہوئی کہ کچھ لوگ دمشق جائیں اور شمس کو راضی کر کے لے آئیں عام رائے سے سلطان ولد جو مولانا کے سب سے

بڑے صاحبزادے تھے اس چھوٹے سے گروہ کے سردار بنے مولانا نے شمس کے نام ایک منظوم خط لکھا جس میں انھوں نے سوز و گداز کے لہجہ میں ہجر کی بے تابیاں لکھیں اور ساتھ ہی واپس تشریف لانے کی درخواست بھی کی اور سلطان ولد سے کہا کہ اسے خود اپنے ہاتھ سے پیش کریں وہ منظوم خط یہ ہے ۔

به خدائیکه در ازل بوده است — حیّ و دانا و قادر و قیوم
نور او شمعهائے عشق افروخت — تا بشد صد هزار سرِّ معلوم
از یکے حکم او جهان پُر شد — عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلسمات شمس تبریزی — گشت گنج عجائبش مکتوم
که ازاں دم که تو سفر کردی — از حلاوت جدا شدیم چو موم
همه شب همچو شمع مے سوزیم — ز آتشے جفت وانگبین محروم
در فراق جمال تو ما را — جسم ویران و جان همچوں بوم
آں عناں را بدیں طرف برتاب — زفت گردا پیل عیش را خرطوم
بے حضورت سماع نیست حلال — همچو شیطان طرب شده مرجوم
یک غزل بے تو هیچ گفته نشد — تا رسید آں به مشرقه مفهوم
پس بذوق سماع نامۂ تو — غزلے پنج و شش بشد منظوم
شام از نورِ صبح روشن باد — اے بتو فخر شام و ارمن و روم

ان اشعار کے ساتھ ایک غزل بھی بھیجی جس میں کل پندرہ شعر تھے جن میں سے چند شعر یہ ہیں ؎

بروید اے حریفاں بکشید یار ما را — بمن آورید حالا صنم گریز پا را
اگر او بوعده گوید که دمِ دگر بیاید — مخورید مکر او را بفریبد او شما را

حاصل کلام یہ سب لوگ دمشق پہنچے اور شمس کی خدمت میں جا کر نہایت ادب اور احترام سے آداب بجالائے اور پیشکش[1] منظوم خط سمیت پیش کیا شمس مسکرائے اور کہا کہ ع بدام و دانہ نگیرند مرغ دانہ را ۔ اور پھر فرمایا کہ ان باتوں کی کچھ ضرورت نہیں صرف مولانا کا خط کافی ہے ۔ شمس نے کچھ دنوں تک اس

[1] پیشکش ہزار دینار سے زائد تھی ۱۲

قافلہ کو مہمان رکھا اور آخر سب کو ساتھہ لیکر قونیہ کی راہ لی سلطان ولد شمس کے رکاب
کے ساتھ ساتھہ پیادہ پا قونیہ تک آئے اور سب لوگ سواریوں پر تھے ادھر جب
مولٰنا کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے تمام مریدوں شاگردوں اور دوستوں کو
ہمراہ لیکر بڑی دہوم دہام سے اُنکا استقبال کیا اور بڑی شان و شوکت سے لائے
مدت تک بڑے زور و شور سے اِن دونوں بزرگوں کی صحبتیں گرم رہیں اور مولانا
ان سے فیض باطنی حاصل کرتے رہے :۔

اس واقعہ کے چندروز بعد حضرت شمسؒ نے مولٰنا کی ایک پروردہ کے ساتھ جس
کا نام کیمیا تھا شادی کی" مولٰنا نے شمسؒ کی رہائش اور قیام کے لئے اپنے مکان کے
پاس ایک خیمہ نصب کرادیا مولٰنا کے دوسرے صاحبزادے علاؤالدین جب کبھی
مولٰنا سے ملنے کیلئے آتے تو حضرت شمس کے خیمے میں سے ہوکر آتے۔ شمسؒ
کو ناگوار ہوتا چند دفعہ منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آئے علاؤالدین نے بات کا
بتنگڑ بناکر لوگوں سے اس کی نسبت کہنا شروع کیا لوگوں کے دلوں میں پہلے ہی
سے حسد کی آگ فروزاں تھی انہوں نے موقع کو غنیمت جانا اور غلط خبریں مشہور
کردیں آخر جب یہ مخالفت کی آگ خوب بھڑک گئی تو شمسؒ نے ارادہ کیا کہ اب
کی دفعہ جاکر پھر کبھی واپس نہ آئیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور دفعتہً غائب
ہوگئے مولٰنا نے جنہیں انکے بغیر کسی طرح کل چین نہیں پڑتا تھا اِن کے ڈھونڈنے
کے لئے ہرطرف آدمی بھیجے لیکن اُن کا کہیں پتہ نہ ملا اُن کی ناکامی کو دیکھہ کر مولانا
نے اپنے مریدوں اور دوستوں کو ساتھہ لیکر ان کی تلاش کا عزم کیا دمشق کو ان کا
مسکن اور رہایش کی جگہ خیال کرکے وہاں چندروز ٹھیرکر اور ہروقت اِن کی تلاش
میں آدمی بھیجے لیکن اب کی دفعہ بھی ناکامیابی نے منہ دکھایا اور مجبوراً قونیہ کی
طرف مراجعت فرمائی :۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت شمس کی زوجۂ محترمہ کیمیا خاتون ایک دفعہ بلا اجازت

ﻟﮧ تقریبًا تمام تذکرہ نویسوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت شمس کو مولانا کے بعض مریدوں نے قتل کرڈالا
اور ان کی اس سازش میں مولانا کے صاحبزادے علاؤالدین محمد بھی شریک تھے لیکن صاحب
نفحات الانس راوی ہے کہ وہ علاؤالدین محمد کے ہاتھہ سے قتل ہوئے واللہ اعلم

باہر چلی گئی تھیں ان کی اس حرکت نے حضرت شمس کو ناراض کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تین دن بیمار رہکر انتقال کر گئیں۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت شمس دمشق واپس تشریف لے گئے ✦

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت شمس سے مولانا کی ملاقات بمقام قونیہ دسمبر ۱۲۴۴ء میں ہوئی۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا توں توں اُن کے ذوق و شوق کی صحبتیں اور زیادہ گرم ہوتی گئیں اور آخر کار مارچ ۱۲۴۶ء میں شمس کی ناگہانی موت نے ان پرانی صحبتوں کو ہمیشہ کے لئے درہم برہم کر دیا۔ اس حساب سے مولانا اور شمسؒ کی صحبت کل پندرہ مہینے رہی ✦

شمس تبریزی کی وفات کے بعد مولانا کی حالت بالکل بدل گئی۔ وہ ان کی جدائی میں ہر وقت بیقرار رہتے تھے۔ آخر کار صلاح الدین زرکوب کی صحبت سے انہیں کچھ تسلی ہوئی اور پہلی سی تمام بیتابیاں جاتی رہیں۔ اسی زمانہ سے مثنوی کی ابتدا پڑنی شروع ہوتی ہے

مسٹر نکلسن جنہوں نے دیوان شمس تبریزی کی بہت سی غزلوں کا ترجمہ کیا ہے۔ اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ کہ شمس تبریزیہ نسبتاً عالم نہ تھے لیکن ان کے روحانی جوش نے جس کا دارومدار اس یقین پر تھا کہ میں خدا تعالیٰ کا مظہر اور اُس کی زبان ہوں۔ ان تمام لوگوں پر جو اُنکے دائرہ عقیدت و ارادت میں داخل ہوتے۔ جادو کا سا اثر کیا اس بات میں اور دیگر بہت سی باتوں میں مثلاً جوش ناداری اور ناگہانی موت کے معاملہ میں شمس تبریزیہ بالکل سقراط سے ملتے جلتے ہیں۔ ہر دو بزرگ اپنے خیالات کا اظہار نہایت اچھے اور مناسب الفاظ میں کیا کرتے تھے۔ علوم ظاہری کی کمی دلوں سے مغرور کرنے کی ضرورت اور محبت کی قیمت پر دونوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے اس دانائی اور اخلاق کی جس سے کہ ہم ایک حکیم اور عارف تمیز کر سکتے ہیں کچھ قدر نہ کی[1] ✦

ایک دیوان جس میں تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں شمس تبریزیہ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بڑی سخت غلطی ہے اور عوام کے اس غلطی میں پڑنے کا

[1] لٹریری ہسٹری آف پرشیا۔

سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مقطع میں عموماً شمس تبریزی کا نام آیا ہے اور خال خال مولانا کا نام ہے۔ اسلئے عوام کو دھوکا ہوا اور وہ اسے شمس کا دیوان سمجھنے لگے۔ لیکن ان کے نام کے مقطع میں آنے کی اصلیت یہ ہے کہ مولانا جو فنا فی الشیخ تھے اپنی ایک ایک بات کو شمس سے تعبیر کر کے کہتے ہیں کہ یہ انہیں کے فیض اور وجود معنا کا نتیجہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم   تا غلام شمس تبریزی نہ شد

دیوان کی نسبت یہ ہے کہ وہ مولانا کا کلام ہے کیونکہ اول تو شمس تبریز کا نام تقریباً تمام غزلوں میں اس حیثیت سے آیا ہے کہ مرید اپنے پیر سے خطاب کر رہا ہے۔ یا غائبانہ اس کے اوصاف بیان کرتا ہے" مثال کے لئے یہ شعر ملاحظہ ہوں ؎

بیا ساقی عنایت کن تو مولانائے رومی را   غلام شمس تبریزم قلندر وار میگردم

یا

شمس تبریزی توئی خورشید جاں   درچناں انوار چونت یافتم

دوسرے خود مولانا فرماتے ہیں۔ کہ یہ کلام اُن کا نہیں ہے۔ اس کی تائید میں مولانا کا یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

چوں غزلے بسر برم ختم کنم بشمس دیں   اہل زمین از علے سر بنہند بر شرف

نکلسن دولت شاہ کی زبانی بیان کرتا ہے کہ مولانا نے اکثر غزلیں شمس کی غیر حاضری میں لکھیں اور رضا قلی خاں کا خیال یہ ہے کہ وہ شمس کے فراق میں تصنیف کی گئیں"۔ لیکن مسٹر نکلسن کی اپنی رائے یہ ہے جو غالباً زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ دیوان کا کچھ حصہ شمس تبریزی کی حیات میں لکھا جا چکا تھا لیکن زیادہ حصہ مابعد کا ہے"۔

مشرق میں دیوان کی نسبت مثنوی کا مطالعہ زیادہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اہل یورپ کے نزدیک اوریجنیلٹی (originality) اور شاعرانہ لحاظ سے اس کا پایہ بہت بلند ہے اگر افلاکی کی روایت درست ہے تو مولانا کے بڑے بڑے ہمعصروں کی رائے یہ تھی جس میں شیخ سعدی بھی شامل ہیں کہ مولانا کا کلام بہت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ ایک دفعہ جب شہزادہ شیراز نے شیخ سے ایک ایسی غزل جو خیالات اور زبان

[1] سوانح مولانا روم ۱۲۰ سے جدت

کے لحاظ سے زبان فارسی میں لاثانی ہو بھیجنے کی درخواست کی تو سعدی نے دیوان مولانا روم سے ایک غزل انتخاب کر کے شہزادہ کی خدمت میں بھیجی۔ اور ساتھ ہی یہ لکھ بھیجا کہ اس سے بہتر غزل نہ تو کبھی پیشتر لکھی گئی ہے اور نہ آئندہ زمانے میں ایسی لکھی جائے گی۔ کاش اگر میں روم میں جا سکتا تو اُن کے پاؤں کی خاک پر اپنی پیشانی ملتا۔" اس غزل میں ۲۰ شعر ہیں جن میں سے چند شعر یہ ہیں :-

هر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست | ما به فلک میرویم۔ عزم تماشا کراست
ما به فلک بوده‌ایم و ز ملک افزون تریم | باز همان جا رویم باز که آن شہر ماست
بخت جوان یار ما۔ دادن جان کار ما | قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفےٰ ست
از مه او مه شگافت دیدن او بر نتافت | ماه چنین بخت یافت او کہ کمینہ گداست
بوئے خوش این نسیم از شکن زلف اوست | شعشعهٔ آفتاب از رخ چون والضحیٰ ست
نوبتِ لطف و رضاست نوبت جود و عطاست | نوبت فضل و سخاست نکر صفا در صفات

از سر تبریز یافت شمس حق و گفتمش
نور تو ہم متصل با ہمہ و ہم جداست

اہل یورپ جس ذوق و شوق سے دیوان کا مطالعہ کرتے ہیں اُس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ مشرق کی نسبت مغرب میں دیوان زیادہ مقبول نظروں سے دیکھا جاتا ہے مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ یورپ میں مختلف زبانوں میں اس کے متعدد ترجمے چھاپے گئے ہیں۔ انگریزی میں مسٹر آر۔ اے۔ نکلسن کا ترجمہ زیادہ پسند کیا جاتا ہے اور لائق مصنف نے انگریزی دیوان کے شروع میں تمہید اور آخر میں نوٹ اور ضمیمجات شامل کیے ہیں جن سے کتاب کی شان بہت بڑھ گئی ہے +

ملتانی شمس تبریزی کی نسبت یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ معتبر ذرائع سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ پنجابی سوداگروں کے بزرگ بھی انہیں شمس کی کوشش سے مسلمان ہوئے تھے پنجابی سوداگر ہندوستان کے تمام شہروں میں اعلےٰ درجہ کے خوشحال تجارت پیشہ لوگ ہیں اور مذہبی خدمات میں بہت کچھ حصہ لیتے ہیں۔

ء لٹریری ہسٹری آف پرشیا

شمس تبریز ملتانی کی تحریک سے ان میں اسلامی میلان پیدا ہوا اور مابعد کے فقرائے اس میلان کو استوار کردیا اگر شمسی ہندوؤں کے لئے بھی کوشش کی جاتی۔ تو آج وہ ایسی اَدھر حالت میں نہ رہتے کہ ہندو ہیں نہ مسلمان اب بھی مشائخ و فقرا کو موقع ہے کہ وہ اس ضروری کام کی طرف توجہ کریں۔

حسن نظامی

نامردوں کو خوشخبری

ہو مژدہ ان مریضوںکو جو باہ کی جستجو میں ہیں — زمانہ آگیا ان کی مرادوں کے برآنے کا
جو اغلاط جوانی سے ہوئے ہیں مثل مُردہ کے — مسیحا آگیا ہے ان کو پھر زندگی میں لانے کا
کھلا ہے کارخانہ فضل سے مولائی ارحم کے — کہ جس کا نام ہے اکسیر دردوں کے مٹانے کا
امیروں کے لئے وقت حصول خواہش دل ہو — غریبوں کے لئے ہے۔ موقعہ دکھڑا سنانے کا
علاج از کار رفتہ کا یہاں دلخواہ ہوتا ہے — طلا ہے ایک لگانے اور دوا ہے ایک کھانیکا
بنا دیتا ہے پورا مرد نامردوں کو چٹکی میں — تماشا ہے یہ گویا ہاتھ پر سرسوں جمانے کا
ہمیں پبلک کی ہے بس خیر خواہی جوش زن دلمیں :: — نہیں لالچ ہمیں دھوکا سے کچھ ٹکے کمانے کا

طلاء بہتر از طلاء جلق وغیرہ کے سبب جن کے اعصاب عروق سست ہو گئے ہوں جڑ پتلی ہو گئی ہو دائیں یا بائیں جانب کو کجی ہو انتشار کامل نہ ہوتا ہو اور اولاد پیدا کرنے کی قابلیت نہ رہی ہو۔ اور اپنی قوائے کو برباد کر کے مارے مارے پھرتے ہوں اور بوجہ ندامت و شرمساری اپنے شہر کے اطبا سے علاج نہ کرا سکتے ہوں۔ اور پوشیدہ طور پر صحت کے متلاشی رہتے ہوں ان کے لئے ایک ایسا طلاء تیار کیا گیا ہے جو تمام شکایات کو رفع کر کے مرد کامل بنا دیتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ قیمت فی شیشی دو روپے ۲ عار ا اس سے آبلہ و سوزش بالکل نہیں ہوتی ::

مقوی بے بہا مذکورہ بالا طلاء کے ہمراہ داخلی علاج بھی لازمی ہے کیونکہ اندر کے نظام عصبی اور اعضاء شریفہ میں بگاڑ ہو گیا ہے وہ بغیر اندر کھانے کی دوائی کے درست نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کارخانہ ہذا کا تیار شدہ مقوی بے بہا بھی جو تمام اندرونی کمزوری و فساد کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے استعمال کرنا ضروری ہے قیمت مقوی بے بہا تین روپے (سے) اپنا مزاج و عمر ضرور لکھئے گا ورنہ دوائی ارسال نہ ہو گی۔ پتہ صاف اور خوشخط تحریر فرماویں ::

بوجہ عدم گنجائش صرف چند تصادیق پیش ناظرین کی جاتی ہیں

جناب حکیم مخدوم محمد اعظم صاحب سند یافتہ مدرسہ طبیہ دہلی حکیم شاہی ریاست بیلہ

ملک بلوچستان فرماتے ہیں۔ مقوی بے بہا و طلاء بہتر از طلاء ایک ایسی ایجاد ہے جسکی بابت انسان تلف شدہ زندگی کو خوشگوار و کامیاب بنا سکتا ہے میں نہایت زور سے کہ سکتا ہوں کہ ایسی مفید اور سریع الاثر دوائی کو نوجوان غنیمت سمجھیں کیونکہ میرے تجربہ سے دفعیہ نامردی کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی ہے جناب حکیم تاج محمود صاحب مڈہ رانجھہ فرماتے ہیں آپ کا ایجاد کردہ طلاء و مقوی بے بہا کو اسم بامسمٰے پایا ہیں نہایت سچ الفاظ میں اسکے مفید ہونے کی شہادت دیتا ہوں ۞ جناب ڈاکٹر لالہ لجپت رائے صاحب منڈلوالی سے لکھتے ہیں۔ مقوی بے بہا کے اجزا بہت قیمتی اور نایاب ہیں اسلئے اس کے استعمال سے بدن انسان میں نہایت قیمتی جوہر پیدا ہونیکی نسبت مصمم توقع ہو سکتی ہے ۞ جناب قریشی الدین صاحب شلنخوان ڈسٹرکٹ جج بہادر لائل پور سے فرماتے ہیں آپکا بکس مقوی بے بہا و طلاء ایک دوست کے لئے منگوایا تھا بہت اکسیر ثابت ہوا۔ واقعی مردہ کو زندہ کرنے والا ہے جناب لالہ بھگوان داس صاحب ایجنٹ لالہ رامداس صاحب ہیڈ رسالپور لکھتے ہیں آپکا مقوی بے بہا و طلاء کو آزمایا بہت فائدہ مند نکلا براہ مہربانی ایک بکس اور مرحمت فرماویں ۞ جناب بابو بشنر ناتھ صاحب فوٹو گرافر نرولی یوگنڈا ریلوے افریقہ ارقام فرماتے ہیں آپکا بکس مردمی بینے فوراً استعمال کیا فائدہ میں لاثانی نکلا میں آپکو اس ایجاد پر مبارکباد دیتا ہوں ۞ جناب لدھال صاحب ٹھیکہ دار بمبئی اسٹیشن کھلے کھلہ سے لکھتے ہیں آپکا مقوی بے بہا و طلاء استعمال میں لایا گیا۔ سچ مچ۔ نامرد کو مرد کرنے والی چیز ہے

خوان نعیما اہل اسلام کے انواع و اقسام کے صدہا کھانے پلاؤ۔ زردہ۔ قورمہ۔ مربہ۔ چٹنیاں اور ہر قسم کے گوشت پکانے اور اچار کی ترکیبیں درج ہیں ۱۰۴ صفحے قیمت ۸ر

المشتہر

منیجر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین
ضلع گجرات

تیر بہدف دوائیں

حبوب بواسیر بواسیر بھی ہے مرض سخت نازک * بہت جلد لازم ہے اُسکا تدارک
اسے چند دن کھا کے پاؤگے صحت * رہیگی نہ پھر کوئی باقی شکایت * بواسیر ام الامراض ہے اس کا تدارک کرنا چاہیئے کیا یہ بُری بات نہیں کہ چوتڑ لہولہان دیکھیں اور پاجامہ خون آلودہ۔ ہماری گولیاں دافع بواسیر خونی و بادی وریحی وسادی خواہ کسی قسم کی ہو اس سے حکماً دور ہوتی ہے مسوں کی ٹیس خون کا جانا رک جاتا ہے۔ قیمت فی بکس دو روپے (عہ)

حبوب دافع سوزاک سوزاک وقرحہ کی حکمی دوائی خواہ کیسا ہی پرانا سوزاک وقرحہ ہو اس کے استعمال سے بفضل خداوند تعالیٰ صحت ہو جاتی ہے یہ دوائی ایسی مفید ہے کہ اس کے بہت سے سرٹیفکیٹ ہمارے پاس موجود ہیں مگر ان کا شائع کرنا اپنے مریضوں کے رازوں کا شائع کرنا ہے اس لیے ہم ان سرٹیفکیٹوں کو شائع نہیں کرتے۔ قیمت فی بکس دو روپے (عہ)

سفوف طحال طحال یعنی تلی کو دور کرتا ہے جگر بڑھ گیا ہو تو درست کر دیتا ہے پیٹ کے گولے اور بھس کو مٹاتا ہے ضعف معدہ بادی بواسیر و نفخ شکم کیلئے مفید ہے قیمت فی پیکٹ تین روپے (سے)

سفوف جریان ۔جریان کی بیمثل اور بینظیر اعلیٰ اور عمدہ دوائی خواہ کئی سال کا پرانا جریان ہو اس کے استعمال سے بالکل آرام حاصل ہو جاتا ہی ہمارے خیال میں ویدک یونانی اور انگریزی ادویات میں کوئی دوائی ایسی مفید اور سریع الاثر نہیں ہے۔ قیمت فی پیکٹ تین روپے (سے)

آنکھ کا پھولا ۔آنکھ کی زینت اور چہرہ کی رونق کو بگاڑنیکے علاوہ بینائی بھی کم کر دیتا ہے اس دوائی کے استعمال سے پھولا کٹ جاتا ہے قیمت فی شیشی صرف دو روپے (عہ)

المشتہر ملک محمد الدین آوان مالک و ایڈیٹر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب

کتبِ تصوف کا عظیم الشان سلسلہ

جواہرات کوڑیوں کے مول

مشاہیر اسلام و صوفیۂ کرام کے حالات زندگی مرتب کرنے سے یہ فائدہ پیش نظر ہے کہ ہم لوگ بھی ان بزرگوں کے روحانی فیوض و برکات سے فیضیاب ہوں اور دیکھیں کہ اسلام نے اپنی سادہ اور پاک تعلیم سے قرونِ اولیٰ میں کیسے کیسے حکماء مشائخ اور کس پایہ کے اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان بزرگوں نے معرفت کے رموز باطنی کو طشت از بام کر دیا اور ان کی یہانتک اشاعت کی کہ آج ساری دنیا پر شیوخ باطن کی حکومت ہے ان کے نقش قدم پر چلنے کے واسطے ان کے حالات سے واقف ہونا ضروری ہے اس لئے کارخانہ صوفی پنڈی بہاالدین ضلع گجرات (پنجاب) نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور اس غرض سے کہ ہر ایک شخص آسانی سے خرید کر مطالعہ کر سکے قیمت نہایت کم رکھی ہے۔ فی الحال نمبران ذیل تیار ہیں جنہیں بیقین خود پڑھیں اور اپنے بچوں اور مستورات کو پڑھائیں اہل ثروت خرید کر غرباء اور مسلمان طالب علموں میں تقسیم فرما دیں ؛ (اس میں رعائتی قیمتیں درج کی گئی ہیں) :

نمبر	نام	قیمت	نمبر	نام	قیمت
۱	حضرت منصور بن حلاج رح	۸ر	۱۳	حضرت بابا فرید گنج شکر رح	ار
۲	حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی رح	ار	۱۴	حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی	۸ر
۳	حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رح	ار	۱۵	حضرت عبد اللہ بن عمر رح	ار
۴	حضرت امیر خسرو رح	۸ر	۱۶	حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رح	۸ر
۵	حضرت خواجہ حسن بصری رح	ار	۱۷	حضرت عمر خیام رح	ار
۶	حضرت غوث الاعظم جیلانی رح	ار	۱۸	حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح	ار
۷	حضرت سلمان فارسی رح	۸ر	۱۹	حضرت شہباز رح	ار
۸	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح	۸ر	۲۰	حضرت امام شافعی رح	ار
۹	حضرت شیخ سنوسی رح	ار	۲۱	حضرت خالد بن ولید رح	[illegible]
۱۰	حضرت امام بخاری رح	۲ر	۲۲	حضرت عمر بن عبد العزیز	ار
۱۱	حضرت سرمد شہید رح	ار	۲۳	جنید بغدادی رح	۸ر
۱۲	حضرت شیخ بوعلی قلندر پانی پتی رح	ار	۲۴	حضرت امام غزالی رح	۲ر

نمبر	نام	قیمت	نمبر	نام	قیمت
۲۵	حضرت امام حنبل رح	۱ر	۳۲	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد مرحوم	۱ر
۲۶	سلطان صلاح الدین غازی رح	۲ر	۳۳	رر رر حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم	۱ر
۲۷	حضرت امام ابونجیب سہروردی رح	۵ر	۳۴	خلیفہ حضرت سلطان عبدالحمید خان غازی	۲ر
۲۸	حضرت مخدوم علی علاؤالدین علی احمد صابر کلیری	۵ر	۳۵	آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان مرحوم	۲ر
			۳۶	نواب محسن الملک مہدی علی خان صاحب مرحوم	۱ر
۲۹	حضرت شبلی رح	۵ر	۳۷	شیخ ابوسعید ابوالخیری رح	۵ر
۳۰	حضرت کرشن اعظم	۵ر	۳۸	رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب	۵ر
۳۱	غازی عثمان پاشا شیر پلونا	۲ر			

ایک بڑی رعایت

جو اصحاب بوالپسی ڈاک صوفی کے خود خریدار بنیں۔ ان کو پہلی کتابوں سے کوئی کتاب مفت۔ دو خریدار بنانے والوں کو دو۔ اور تین خریدار بنانے والوں کو تین کتابیں مفت بلاقیمت دی جائینگی ۳۸ کتابوں کے کمل خریدار سے علاوہ محصولڈاک ۸ روپیہ لئے جاوینگے ۳۸ کتابوں کا حجم دو ہزار صفحے سے زیادہ ہے

سیرت الرسول مع نقشہ حرم نبوی

کا بلین یا سطحی نقشہ مدینہ منورہ سے بڑی تلاش کر کے مزاہم کیا گیا ہے اور اب رجسٹری کرا کر پانچ رنگوں میں چھپوایا گیا ہے۔ آپ مفت میں حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر صوفی کے لئے صرف تین خریدار دیں یہ نقشہ کسی قیمت پر بھی فروخت نہ کیا جاویگا اگر آپ روغنی نقشہ کے شایق ہوں تو پانچ خریدار دیں تین خریدار دینے والوں کو صرف رنگین نقشہ ارسال ہوگا۔ یہ نقشہ گھر کی زینت اور برکت ہے شیشے میں جڑوا کر لٹکائیے۔ نہایت عمدہ بڑے سائز پر چھپا ہوا ہے۔ منیجر صوفی

المشتہر

منیجر کارخانہ تجلیات صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب

تصوف کی سراپا رحمت کتابیں

جذب الاصفیا لئے فضائل المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یعنی جناب عربی فداہ روحی امی وابی صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر ایک صوفیانہ قرآن شریف وحدیث سے تلخیص مصنف صاحب نے آنحضرت صلوات اللہ علیہ کے فضائل کو قرآن واحادیث صحیحہ واقوال بزرگان عظام سے ثابت کیا ہے۔ عاشقان رسول کریم کیلئے ایک نہایت مستند اور اعلیٰ درجہ کی کتاب لاجواب ہے صوفیان صفاکیش اس کو حرز جان بنائیں درسعادت دارین حاصل کریں قیمت (۴/)

القول المقبول فی علم غیب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یعنی جناب نبی عربی فداہ روحی امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے پر ایک محققانہ وصدقانہ قرآن و احادیث صحیحہ سے ثبوت مصنف صاحب نے اس کتاب کو نہایت عمدہ اور واضح طور پر قرآن واحادیث سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت کو علم غیب حاصل تھا پس قابل دید و لاجواب کتاب اعلیٰ درجہ کے سفید کاغذ پر چھپ کر تیار ہے قیمت صرف (۶/)

مثنوی تحفۃ العاشقین مع تحفۃ العارفین

یہ دونوں کتابیں سالک حق پرست بلوہ الست مقبول بارہ احد حضرت شاہ عبدالصمد قدس سرہ نقشبندی مجددی کی تصنیف لطیف ہیں سے ہیں اردو زبان میں سراپا برکت و رحمت ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت مصنف کو ان کتب کی تصنیف کیلئے خواب میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا تھا اور یہی وجہ ان کے مقبول عام اور فائدہ مند ہونے کی ہے یہ دونوں کتابیں نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر چھاپی گئی قیمت صرف (۱۲/)

اردو ترجمہ کتاب عین الفقر

یہ کتاب بیما اسرار الٰہی عاشقوں کی جان صادقوں کا ایمان حضرت سلطان باہو قادری قدس سرہٗ العزیز کی اعلیٰ تصنیفات سے ہے اس میں مصنف علیہ الرحمۃ نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ مسائل تصوف کو بیان فرمایا ہے جو صاحب علم تصوف کے شائق ہوں ان کا فرض ہے کہ اس دُر بے بہا کو خرید فرماویں یہ کتاب نہایت عمدہ خوشخط اردو میں چھپ کر تیار ہوگئی۔ قیمت صرف (عصر)

اردو ترجمہ کتاب ہدیۃ القلوب و تحفۃ الارواح

یہ کتاب بھی تصوف میں ایک

بیش بہا جواہر اور سراپا برکت اور رحمت ہی خدا سے ربط و اتحاد پیدا کرنیوالوں کو اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا ذکر اس میں نہ آیا ہو طالبان مولا کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے صوفیائے صفاکیش اس کو حرز جان بنائیں اور سعادت دارین حاصل کریں کتاب قابل دید ہے قیمت صرف (عہ/)

اردو ترجمہ کتاب محک الفقر یہ رسالہ حضرت سلطان باہو قدس اللہ العزیز کی تصنیف سے ہے اور طالبان مولیٰ کی خاطر اس کا ترجمہ فارسی سے اردو میں کیا گیا ہے بس قابل دید کتاب ہے قیمت صرف (عہ/)

اردو ترجمہ کتاب شمس العارفین یہ کتاب حضرت سلطان باہو کی تصنیف سے سات بابوں پر منقسم ہے اور ہر ایک باب میں ایک ایک مضمون پر دلچسپ بحث ہے مسائل تصوف کو نہایت تفصیل سے حاصل کیا ہے قابل دید نایاب کتاب ہے قیمت (۸/)

اردو ترجمہ کتاب نفحات الانس یہ بے نظیر کتاب حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ تصنیفات میں سے ہے حضرت موصوف کی تصنیف کسی تعریف کی محتاج نہیں اس کتاب میں حضرت نے تمام اولیاء اللہ کے حالات مع ان کی کرامات بہ تفصیل قلمبند کئے ہیں اور جس طریقہ سے بیان ہوئے ہیں وہ عجیب و غریب ہے کتب ہذا میں مردان خدا کے علاوہ جو خاتونان باصفا اولیاء اللہ گذرے ہیں ان کے حالات بھی حضرت نے نہایت تحقیق سے لکھے ہیں اور اس سے اول تصوف پر ایک زبردست بحث کی ہے نہایت سلیس با محاورہ اردو ترجمہ قیمت (۳ روپے)

مثنوی مراد العاشقین یہ مثنوی زلیخا ملا جامی کے بحر میں حضرت قدوۃ السالکین سید مراد علی شاہ صاحب کی اعلیٰ تصنیفات میں سے ہے یہ ایسی دلچسپ اور مقبول و موثر نظم ہے کہ اگر کوئی خوش الحان شخص پڑھے تو سامعین فوراً وجد میں آجاتے ہیں اور جوش محبت سے ان پر رقت طاری ہوجاتی ہے مدعہ سند دل اور عاشقان الٰہی کیلئے تو گویا خدا سے ملنے کا زینہ ہے قیمت (۶/)

اردو ترجمہ کتاب رفیق السالکین ۔اس کتاب میں امام العارفین سراج السالکین

اردو ترجمہ کتاب رفیق السالکین { اس کتاب میں امام العارفین سراج السالکین محبوب خدا ذوالجلال حضرت میر کلال رحمۃ اللہ المتعال کے مبارک حالات ہیں۔ اس نایاب کتاب کا بھی طالبان مولا کی خاطر اردو ترجمہ کرایا گیا ہے یہ کتاب مشائخانہ طریقہ نقشبندیہ عالیہ کی علاوہ دیگر سلاسل کے حضرات کیلئے بھی از بس مفید اور قابل مطالعہ ہے قیمت ۶/

مختصر مجموعہ لطائف چشتیہ مترجم مترجمہ اردو ترجمہ ہندی بطرز مسدس { جس میں نود و نام باری تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و اسبوع شریف درود مستغاث اور شجرہ خاندان چشتیہ وغیرہ درج ہیں مترجم نے ترجمہ ہندی نظم میں بطرز مسدس اس خوش اسلوبی سے کیا ہے جو تعریف کا محتاج نہیں اسکے دو بند مجلس صوفیائے میں پڑھے جائیں تو حاضرین وجد میں آئیں اور سامعین ازخود رفتہ ہو جائیں۔ قیمت صرف (۸/)

اردو ترجمہ چہل مکتوب حضرت خواجہ عثمان جالندھری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

توحید کو جس خوش اسلوبی سے بیان فرمایا ہے وہ انہیں کا حصہ تھا قیمت (۸/)

اردو ترجمہ کتاب مجمع الاسرار { جناب پیر بہادر شاہ صاحب نے طریقہ قادریہ کے ذکر اذکار وغیرہ بھی بہ تفصیل بیان فرمائے ہیں بلکہ بعض عملیات بھی بوضاحت لکھے ہیں اور اسکے ساتھ طریقہ اویسیہ کے حالات پر نہایت عمدہ بحث فرما کر طالب کی تسلی فرمائی ہے قابل دید کتاب ہے ؛ قیمت صرف (۱۰/)

حیات جاودانی یعنی مناقب و حالات حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ بزبان اردو { یہ کتاب نایاب جو حضرت غوث صمدانی قطب ربانی محی الدین سید شیخ عبدالقادر گیلانی کے حالات و کرامات و مناقب میں جامع ہے۔ عربی کتاب قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر مطبوعہ مصر کا نہایت سلیس بامحاورہ اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں حضرت موصوف کے بچپن سے لے کر اخیر تک کے کل حالات مع کرامات

عالیہ نہایت تفصیل کے ساتھہ درج ہیں آپکے علم وفضل کے حالات آپ کے مدرسہ کی کیفیت آپ کے یاران صحبت کی سوانح اور ان بزرگوں کے حالات جو آپ کے زمانہ میں اولیاے کرام میں سے تھے۔ نیز آپ کے شاگردوں کے حالات اور ان لوگوں کا ذکر جن کو جناب عالی مقام سے فیض باطنی نصیب ہوا ہے۔ آپ کے فرزندان عالی مقام کے حالات اور شجرہ انساب اس کے علاوہ دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے آج تک اردو زبان میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں چھپی۔ لہذا بپاس خاطر عاشقان جناب غوث الاعظم وطالبان جمال محبوب سبحانی غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رح کے اس بیش بہا کتاب کو عربی سے اردو میں بصرف زر کثیر ترجمہ کرایا گیا ہے قیمت عہ

اردو ترجمہ کتاب تحفہ قادریہ اس رسالہ بابرکت میں حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ لاہوری نے جو عاشق جناب سید عبدالقادر جیلانی کے ہیں۔ جناب غوث پاک کے مناقب اور کرامات کو نہایت معتبر روایات سے عجیب دلکش اور پراثر طریق سے قلمبند فرمایا ہے اور تحریر عبارت میں جناب علیہ الرحمۃ نے اپنے سچے عشق اور بیتابی کا نہایت پُر درد الفاظ میں ثبوت دیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے انسان پر فوری اثر نمودار ہوتا ہے۔ اس کتاب کو طالبان مولا کی خاطر نہایت عام فہم اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بہت بڑی کوشش سے چھاپا گیا ہے۔ قیمت صرف ۸ر

قانون عشق ہر دو حصہ یعنی شرح کافیہا ے توحید ومعرفت حضرت بلھے شاہ صاحب قصوری شطاری قدس اللہ۔ آشنایان دریاے حقیقت اور واقفان رموز طریقت اور اہل تصوف کے جان نثاروں کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے یعنی اول سے آخر تک اس میں جمیع منازل ومراتب تصوف کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ تصوف کیا کچھ ہے۔ گویا کہ یہ کتاب مبتدی تصوف کے لئے اول سے آخر تک ایک کورس ہے۔ یہ کتاب ۳۵۲ صفحہ پر ختم ہوگئی ہے۔ اس کی خوبی اور برکت پڑھنے سے معلوم ہوتی ہے قیمت ۱۲ر

اردو ترجمہ کتاب حسنات العارفین تصنیف لطیف شہزادہ محمد داراشکوہ قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ اس کتاب میں شہزادہ موصوف نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر جتنے بزرگان دین اور اولیاء اللہ گذرے ہیں۔ سب کے ارشادات میں سے ایک ایک بات اقتباس کر کے اس عجیب و غریب طریق سے بیان فرمائی ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ نیز یہ بوضاحت معلوم ہو جاتا ہے کہ بزرگان بلند پایہ نے توحید کے متعلق کیا کیا ارشادات فرماتے ہیں پس یہ بے نظیر کتاب ہے۔

اردو ترجمہ کتاب مقاصد السالکین حضرت ضیاء اللہ علیہ الرحمۃ نقشبندی کی تصنیف قابل دید ہے مسائل شرعیہ کے ساتھ ساتھ تصوف کے باریک باریک نکات بیان فرماتے ہیں قیمت صرف (۱۲؍)

اردو ترجمہ کتاب سر العارفین یعنی حالات و کرامات بزرگان عظام چشت از ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تا حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلیفہ شیخ جمال الدین تک نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ از شیخ بہاؤ الدین محمود ناگوری علیہ الرحمۃ قیمت ———— صرف (۱۲؍)

اردو ترجمہ کتاب بدۃ المقامات یہ نادر اور بے مثل کتاب حضرت قطب الاقطاب ہادی شیخ دین شاب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ و خواجہ جہاں شاہ والامکان حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے حالات۔ اور آپ کے خلفائے نامدار اور آپ کی اولاد پاک کے حالات سے پر ہے حلقہ بگوشان سرکار نقشبندیہ اس نعمت غیر مترقبہ کو خرید کر حرز جان بنائیں۔ بڑی محنت سے مشتاقان جمال نقشبندیہ کے لئے بامحاورہ اردو ترجمہ کرایا گیا ہے۔ قیمت (عگار)

اردو ترجمہ انیس الطالبین یہ کتاب سر حلقہ اولیاء الاصفیاء شاہنشاہ مشکلکشا خواجہ خواجگان حضرت شاہ

بہاؤالدین نقشبندی بخاری علیہ رحمۃ اللہ الباری کے مقامات و ارشادات کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے جس کو نہایت تلاش اور تجسس سے بہم پہنچا کر فائدہ عام کیلئے بصرف زر کثیر با محاورہ اردو ترجمہ کیا گیا ہے؛ قیمت صرف ۸ عہ

اردو ترجمہ کتاب سلک سلوک مصنفہ حضرت مولانا بخشی علیہ الرحمۃ اس میں ۱۵۰ سلک ہیں اور ہر ایک سلک نہایت دلکش پیرایہ میں لکھا ہے۔ قابل دید ہے قیمت ۸ عہ

اردو ترجمہ کتاب چہل حدیث یہ وہ چالیس حدیثیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیں جو کہ علامہ دہر فاضل اجل محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت اور محنت سے عامہ اہل اسلام کے فائدے کے لئے جمع کیا ہے۔ اور اسکے ہی ہر ایک حدیث کے متعلق صحابہ کبار اور اولیاء اللہ کی ایسی ایسی موثر اور پر عبرت حکایات نقل کی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ قیمت صرف ۸ عہ

اردو ترجمہ کتاب تذکرۃ الواعظین یہ کتاب سراپا برکت اور رحمت ہے مولانا مولوی محمد جعفر القریشی حنفی المذہب کی تصنیف ہے عربی زبان میں تھی۔ اس کا اردو ترجمہ بصرف زر کثیر عام شائقین کے لئے عموماً اور واعظین کے لئے خصوصاً کرایا گیا ہے۔ اور ہر مسلمان کے پاس اس کا ایک ایک نسخہ ہونا ضروری ہے؛ قیمت صرف ۱۲؎

اردو ترجمہ کتاب جواہر فریدی اس کتاب میں جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر معہ جملہ اصحاب کبار اور حالات زندگی و کرامات عالیہ معہ مفصل شجرہ اولاد پاک حضرت بابا گنجشکر چشتی رحمۃ اللہ علیہ بتفصیل درج ہے کتاب کیا ہے خاندان چشتیہ کی تو گویا جان ہے زیادہ تعریف کی ضرورت نہیں صرف حضرت بابا صاحب کا نام نامی ہی اس کتاب کی عظمت اور بزرگی کیواسطے لکھ دینا کافی و وافی ہے نہایت سلیس با محاورہ اردو ترجمہ ہے قیمت ۱۲؎

ملنے کا پتہ منیجر کارخانہ آبحیات و صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب

اردو ترجمہ جواہر علویہ کی

یہ کتاب حضرت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین مولانا شاہ رؤف احمد صاحب نقشبندی مجددی حنفیہ خاص حضرت شاہ غلام علی صاحب نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف سے ہے اس کتاب میں جناب مصنف علیہ الرحمۃ نے جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک بزرگان نقشبندیہ کے حالات قلمبند فرمائے ہیں نہایت عمدہ چھپ کر تیار ہے منگوا کر ملاحظہ فرماویں قیمت صرف (۱۲ر)

اردو ترجمہ لطائف خمسہ یا مقامات مظہری کی

اس متبرک کتاب کو عالی جناب قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین واقف اسرارِ خفی وجلی حضرت مولانا سید غلام علی شاہ صاحب قدس سرہٗ نے حالات ومقامات وملفوظات ومکتوبات ومعمولات حضرت شمس الدین حبیب اللہ جناب مرزا جان جاناں مظہر شہید قدس سرہٗ میں جناب حضرت مولوی نعمۃ اللہ صاحب کی کتاب سے ونیز اپنی یادداشت سے ترتیب دیکر اس کا نام مقامات مظہری رکھا ہے حضرت سید غلام علی شاہ صاحب قدس سرہٗ حضرت قبلہ مرزا جان جاناں مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص ہیں آپ نے اس کتاب کی ترتیب حضرت کی روایات اور اپنی تحقیقات سے دی ہے جن کا ذکر اس کتاب کے شروع میں حضرت نے فرمایا ہے یہ کتاب حضرات نقشبندیہ مجددیہ کیلئے ایک صراط المستقیم ہے اس کے پڑھنے سے رحمت اور برکت کے آثار نور آنمودار ہوتے ہیں کتاب کیا ہے جواہر بے بہا ہے کتاب کے اخیر میں ایک ضمیمہ مقامات مظہریہ کے نام سے بھی شامل ہے جس کو حضرت مولوی عبد الغنی صاحب برادر زادہ مولوی رؤف احمد صاحب نے تصنیف فرمایا ہے اس ضمیمہ میں مولوی صاحب نے سید غلام علی شاہ قدس سرہٗ اور ان کے خلفائے نامدار کا ذکر فرمایا ہے یہ تمام وکمال کتاب فارسی زبان سے اردو ترجمہ کراکر چھپائی گئی ہے کتاب نہایت دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کی چھپائی گئی ہے قیمت صرف (عہ)

سکینۃ الاولیا اردو کی

یہ کتاب تصنیف حضرت خواجہ شہزادہ محمد دارا شکوہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اس میں مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے مشائخان عظام کے حالات نہایت عمدگی سے لکھے ہیں اور ہر چہار طریقہ عالیہ کی نسبت نہایت محبت اور اخلاص سے اظہار عقیدت فرماکر وہ رموز بار یابہ بیان فرمائے جسکی تلاش میں طالبان مولے اپنی عمریں کھو دیتے ہیں اور انہیں اس سے واقفیت تک نصیب نہیں ہوتی۔ نہایت سلیس بامحاورہ اردو ترجمہ کراکر شائع کی گئی ہے قیمت صرف (۸ر)

اُردو ترجمہ المقصد الاسنیٰ شرح اسماء اللہ الحسنیٰ کا یعنی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اسماء الحسنیٰ

جناب امام صاحب نے اسمائے باری تعالیٰ کی شرح نہایت شرح وبسط سے کی ہے اور منطقیانہ اور فلسفیانہ طور سے ہر ایک اسمائے مبارک کی شرح میں بحث کی ہے جو ہم نے نہایت محنت سے بامحاورہ اردو ترجمہ کرائی ہے قیمت صرف (۱۲ر)

مشکوٰۃ الانوار کا یہ عجیب و غریب دلچسپ کتاب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف میں سے ہے اس میں حضرت امام حجۃ الاسلام نے آیت کریمہ کی نہایت عمدہ تفسیر فرما کر مشکوٰۃ الانوار کی تفصیل فرمائی ہے کتاب کیا ہے گویا اسرار الٰہی ہے نہایت عمدہ بامحاورہ اردو ترجمہ مع اصل عربی کتاب قیمت (۴ر)

اردو ترجمہ کتاب مرصاد العباد کا یہ کتاب علم تصوف میں جناب زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت خواجہ نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اعظم حضرت نجم الدین کبرے کی تصنیف اعلیٰ میں سے ہے حضرت خواجہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ [illegible]

اس کتاب کی ہم زیادہ تعریف اپنی زبان سے کرنا نہیں چاہتے بلکہ بمصداق اس کے کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید کتاب اپنا گرویدہ خود مطالعہ کرنے والے کو کر لیگی اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ آپ اگر اول سے اس کو پڑھنا شروع کر دیں تا وقتیکہ ختم نکریں کبھی دم نہ لینگے اور برکات روحانی سے محو ہوئے جائیں گے اور تصوف واہل تصوف کی حالت باطنی کا نقشہ آپکی آنکھوں کے سامنے کھچ جائیگا اور وہ مقامات نظر آئیں گے جو کبھی نصیب میں نہ ہوئے ہوں اور ان مسائل سے واقفیت حاصل ہوگی جو کبھی سنے تک بھی نہ ہونگے۔ اس کتاب میں پانچ باب ہیں اور ہر باب کی تحت میں متعدد فصلیں ہیں ہر فصل میں علیحدہ مضمون پر بحث کی گئی ہے یہ متبرک کتاب جواہل دل اور طالب مولیٰ کے مطالعہ کے لئے ازبس ضروری ہے یہ کتاب نہایت عمدہ کاغذ پر بہت خوشخط طبع کرائی گئی ہے اس کا اردو ترجمہ نہایت سلیس بہت شیریں ہے ضخامت ۲۶۸ صفحہ قیمت صرف (۱۲ر)

عربی سے اردو ترجمہ کتاب **نور العین فی مشہد الحسین** کا اس کتاب میں نہایت معتبر اور

صفحے سیاہ کرکے آپ کی سمع خراشی منظور نہیں اور نہ اس کے پورے صفات بیان کرنے کی اس اشتہار میں گنجائش ہے یہ جوانی کی روح اور بڑھاپے کی جان ہے یہ مقوی۔ ممسک مفرح اور مبہی ہے اور دیرینہ کے تمام امراض مثل کثرت احتلام وجریان وسرعت وغیرہ کو منافع ہے جوانی کی غلط کاریوں اور بچپن کی شادی سے جب آدمی زندہ درگور ہو جاتے ہیں اکسیر عنبری نئی زندگی بخشتا ہے اس کی پہلی خوراک منہ میں ڈالتے ہی دل ودماغ میں ایک سریع التاثیر سرور پیدا ہو کر حواس خمسہ ظاہری وباطنی تیز وروشن ہو جاتے ہیں خیال اعلیٰ اور مفید سوجھنے لگتے ہیں دل کو وہ تقویت وتفریح پہنچتی ہے کہ گویا قادر مطلق نے ایک نئی زندگی عطا کی ہے۔ ضعف دل بےچینی ہول۔ دل کا دھڑکنا دل ڈوبتے جانا پراگندہ خیالی سانس کا پھول جانا وغیرہ امراض کے واسطے ایک سچا اور قابل اعتماد تریاق ہے جس کے استعمال سے دیرج کے تمام امراض کو ایک خاص فائدہ پہنچتا ہے جو اور ادویات کی طرح عارضی نہیں ہوتا جیبہ اعصاب میں بسبب کوتاہ اندیشی غلط کاری عیاشی کثرت محنت دماغی رنج وفکر وغیرہ سے ضعف آجائے اور حس میں کمی واقعہ ہو تو اکسیر عنبری ایسی حالت میں اکسیر ثابت ہوگا اسلئے اسسٹروں وکیلوں۔ ججوں۔ منصفوں۔ تحصیلداروں۔ رئیسوں جاگیرداروں۔ مجسٹریٹوں فوج پولیس کے عہدہ داروں وغیرہ کو یہ مونس ورفیق ہر دم اپنی حبیب وجان کے ساتھ رکھنا چاہیئے جہاں ذرا طبیعت گھبرائی جھٹ ایک منہ میں ڈال اور تروتازہ ہو گئے۔ قیمت فی شیشی چار روپے۔

قیمت فی شیشی چار روپے (للعہ) تین شیشی کے خریدار کو محصولڈاک معاف

نادر طلا مُستی

عضو تناسل کو سخت اور قوی اور دراز کرتا ہے تقویت باہ کیلئے نہایت مجرب ہے پٹھوں کو مضبوط اور مستحکم کرتا ہے عضو تناسل میں ایستادگی اور خواہش پیدا کرتا ہے

ہزار ہا بار کا مجرب ہے کہ یہ بلا مضرت ہے۔

فی شیشی جو ایک آدمی کے لئے کافی ہے صرف پانچ روپے (لعہ)

ملنے کا پتہ:۔ منیجر کارخانہ ادویات وسوئی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات (پنجاب)

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگرست

الوارث

یعنی

سوانح حیات حضرت امام العاشقین سرمست مے الست

حاجی حافظ سید وارث علی شاہ قدس سرہٗ

مؤلفہ
حضرت حاجی سید غفور شاہ الحسامی الوارثی

مترجمہ
سید اسد اللہ (علیگ) گورکھپوری

اور
بحکم الفقراء حاجی الحرمین الشریفین ملک محمد الدین صاحب
ایڈیٹر صوفی کے لئے ملک محمد اسلم خان منیجر نے
اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا

زبدۃ العارفین حضرت حاجی سید وارث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جو

محبت روحانی اور خلوص دینی

سید ریاست حسین صاحب رضؔ وارثی

بیرسٹر - بانکی پور

سے اس فقیر کو ہے۔ یہ اوراق بطور ارمغان

روحانی ان کے نام معنون ہیں

(غفور الحسامی الوارثی)

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارش

مسٹر سید شاہ محمد نذیر ہاشمی غازی پوری ایڈیٹر مشرق گورکھپور کی قابلیت اور ان کی زور تحریر کا آپ کے ہمعصروں کو بہت اچھی طرح اعتراف ہے۔ میں آپ کی علمی اور ذھنی قابلیت کے علاوہ آپ کی صداقت شرافت اور حُسن اخلاق کا خاص کر مداح اور بے حد ممنون ہوں +

مسٹر ہاشمی کی اور میری ملاقات شروع شروع محمڈن اینگلو اورنیٹل کالج علیگڈھ میں ہوئی۔ اُس وقت میں بی۔اے کلاس میں پڑھتا تھا اور مسٹر ہاشمی کالج کے ایک مشہور اسٹوڈنٹ تھے۔ اس وقت سے آپ کے اور میرے تعلقات برابر دوستانہ رھے مگر امتداد زمانہ سے ہم لوگ ایک دوسرے سے دور پڑ گئے +

جب آپ گورکھپور تشریف لائے تو مسٹر ہدایت احمد خاں بی۔اے (علیگ) کے ذریعہ سے میرے اور آپکے تعلقات میں تازگی اور پہلے سے زیادہ انبساط ہو گیا +

تقدس مآب سید غفور شاہ الحسامی الوارثی نے حضرت اقدس جناب حاجی سید وارث علی شاہ قدس اللہ سرہ کی زندگی کے حالات ایک انگریزی رسالہ میں تحریر فرمائے ہیں۔ اس انگریزی رسالہ کی زبان نہایت پاکیزہ اور مضمون دلپذیر ہے۔ مسٹر ہاشمی نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ اگر اس کا ترجمہ اردو میں کیا جائے تو دلچسپی اور روحانی انبساط کا باعث ہوگا +

میں نے آپ کے اس مشورہ کی تکمیل کی۔ لیکن حسن اتفاق کہ جس روز یہ سلسلہ ختم ہوا اُس کے دوسرے دن خود حضرت شاہ صاحب قبلہ مصنف رسالہ انگریزی گورکھپور تشریف فرما ہوئے۔ حضرت کی زیارت سے شرفیاب ہونیکے بعد میں نے اپنے اس چھوٹے سے رسالہ کو وارثی مشن کی نذر کر دیا +

چونکہ مرشدی حضرت حسامی نے حضرت حاجی صاحب کے حالات و سوانح انگریزی میں لکھے ہیں۔ جس کا میں نے ترجمہ کیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس میزبان کی بدولت یہ خوان وارثی پبلک میں آیا ہے اس کے کچھ سوانح بھی اس کتاب کے ساتھ ہوں لہذا مخدومی و مرشدی حضرت حسامی کے حالات بھی یہاں منسلک کرتا ہوں جن کو میرے دوست شاہ نذیر ہاشمی نے لکھا ہے اور یہ مضمون کی صورت میں اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں +

اگر میں قلم الفقرا جناب ملک محمد الدین صاحب آوان چشتی مالک و ایڈیٹر رسالہ صوفی (پنڈی بہاؤالدین) کا ذکر یہاں نہ کروں گا تو میری گذارش ناتمام رہے گی کیونکہ جناب آوان صاحب نے سینکڑوں رسالے صوفیانہ مذاق کے ترتیب دیکر شائع کئے اور سلسلہ مشاہیر صوفیہ کرام کو جاری کر کے دنیا کے برگزیدہ لوگوں کی طرف ایک عالم کو متوجہ کیا ہے اس لحاظ سے اشاعت "الوارث" بھی انہیں کی کوششوں کی ممنون ہے۔ جس کا اعتراف کرنا میرا فرض ہے۔ خدا انہیں نیک اجر دے!

سید اسد اللہ (علیگ) مترجم
گھوسی پور۔ گورکھپور اپریل ۱۹۱۵ء

ہوالکلّ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(محررہ سیّد شاہ محمدؐ نذیر صاحب ہاشمی)

دل اگر دانا بود در ہر سخن اسرار ہست
چشم اگر اینیا بود یوسف بہ ہر بازار ہست

آج جبکہ مادّیات کے بحر خونخوار میں ایک طوفان بپا ہے آج اسوقت کہ مادّیات کے کوہ آتش فشاں شق ہو رہے ہیں اور تمام دنیا میں حجر وشجر۔ انسان و حیوان ایک دوسرے متصادم ہو کر دنیا کو مادّی کامیابیوں اور ناکامیابیوں کا ایک محشرستان بنا رہے ہیں جہاں ہمیں فانی شہرتوں اور فانی خود غرضیوں کا تماشہ نظر آرہا ہے۔ ایک اہل نظر سوال کرسکتا ہے کہ آخر تمامی جد وجہد اور علم وعمل کی انتہائی غایت کیا یہی ہوسکتی ہے کہ ہم خون کے سمندروں کو موجیں مارتے دیکھیں۔ وادیوں اور بیابانوں کو انسانی لاشوں کے انبار در انبار سے پٹا ہوا پائیں اور کل عالم کو مقتل اور کل آدمیوں کو خون آشام خمار کا متوالا پائیں۔ آہ۔ اے انسان تو نے دنیا کی دلفریبیوں کے بڑے بڑے نقشے کھینچے ہیں۔ تو نے فانی مشاہدات میں اپنی رنگینیت سے بڑے بڑے نتائج دکھلائے ہیں کبھی تو نے تہذیب کا دعوٰی کیا ہے۔ کبھی تو نے کہا ہے کہ دنیا بہترین جگہ آخرت کی کمائی کیلئے ہے اور کبھی تو نے دنیا کو آزمائش گاہ سے تعبیر کیا ہے لیکن آج سے زیادہ دنیا کی بے ثباتی اور دنیا کی لغویت کبھی عملی طور سے نمایاں نہیں ہوئی ہے۔ بیشک آج ظاہر ہوگیا کہ اس سے زیادہ بے ثبات اور بے حقیقت کوئی تماشہ نہیں ہے شبلیؒ اور جنیدؒ کی

زندگی پر ہنسنے والے دیکھ لیں کہ تمامی مادی ترقیوں اور تمدنی کوششوں کی انتہا یہ ہے کہ لاکھوں آدمی روزانہ خون میں نہا رہے ہیں۔ اور ان لاکھوں میں سے دو چار بھی ایسے نہیں ہیں جن سے کوئی براہِ راست عداوت ہے اور وجہ مخالفت ہو۔ ایک مخفی اور ناگفتہ بہ سلسلۂ اغراض فانی ہیں جن سے ہم ان تماشوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اے موت تو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس مادی ناکامی میں خدا کی مرضی کا ایک جلال اور شور بول رہا ہے لیکن انسان اس کو سنتا نہیں۔ جنگ بین الاقوام میں انسانی لاشوں کے سرہانے کوئی راز ماتم کر رہا ہے۔ ہوائی جہاز کے فضائی سناٹے میں کوئی قوت انسانی کھلونوں پر ہنس رہی ہے۔ سمندر کے وسعت بے پایاں میں ڈریڈناٹوں کی دوڑ میں کوئی حقیقت ساتھ ساتھ دوڑ رہی ہے اور پہاڑوں اور خندقوں میں زلزلے کی آمد کچھ بتا رہی ہے کہ ان معرکوں اور ہنگاموں میں بے ثباتی ثبات کی دلیل بن رہی۔ اور موت آنے والی حیات کی نشانی بن رہی ہے۔ پھر کیا اس موقع پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگ مادی دنیا کے ایک تنگ دائرہ میں کولھو بیل کی طرح پھرتے رہیں۔ اور پچاس یا سو سال کی عمر میں بستر مرگ پر جا پڑیں اور جب تمام زندگی پر نظر ڈالیں تو ہم کو جسمانی اور دنیاوی ضرورتوں اور حاجات کا ایک چکر نظر آئے جس میں پھنسے ہوئے ایک عبث زندگی کا عبث خیال رہ رہ کے ہمیں ستائے اور کوئی نوید اور بشارت روح کے کانوں میں پڑے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سوال کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس سوال کے ساتھ ہی نہ معلوم کیوں اس کی تمنا ہوتی ہے کہ کیا سکون اور مسرت کا بھی کہیں کھوج ملتا ہے۔ آؤ ان فانی اور مادی ہنگاموں میں تلاش کریں کہ فلسفہ کر غفلت کیا ہے۔ اور کیا کوئی حلقہ اور دائرہ ایسا ہے جہاں لاکھوں صدیوں اور کروڑوں قرن کی مادی جنگ و جدال کے بعد انسان کو طمانیت غیر فانی اور وجدان کے جام کا راز بتایا جائے۔ بیشک ہے ایسا دائرہ اور ہے ایسا حلقہ جہاں اس بیزاری

اور بر گشتگی کے بعد سیر روحانی کی جگہ ملسکتی ہے اور وہ خدا کے اسرار کے مجروحین اور
اس کے سوختہ جانوں کی دنیا راز ہے جہاں مادی ہوائی جہازوں اور ڈریڈ ناٹون
اور توپوں اور گولوں سے ذرا بھی جنبش اور حرکت نہیں ہوتی مگر صبح کی ایک مناجات
سے یا شب دراز کی ایک بیقراری سے عالم کے عالم تہ و بالا اور جذبات و خیالات
عالم میں بھی غیر فانی تلاطم بپا ہوتا ہے - ہاں اس بے نشان دنیا راز میں کچھ نہ کچھ ہوتا
رہتا ہے - جس طرح سمندر کی ظاہری سطح آب میں بہت نیچے میٹھے پانی کے دھارے
موجزن اور سیر کناں ہوتے ہیں - جس طرح بہت سے چشمے صرف پہاڑوں اور گھاٹیوں
کی باطنی سطح میں نہاں رہتے ہیں اور جس طرح خیالوں اور دلوں میں معنی اور کیفیت
کے تموج آسا تماشے متحرک و متاثر رہتے ہیں اُسی طرح دنیائے بے ثبات اور خس و
خاشاک بنی نوع انسان میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو بظاہر ہماری طرح آدمی ہوتے ہیں
مگر حقیقتاً وہ کچھ اور چیز ہوتے ہیں کیا پہاڑوں میں عام پتھروں میں لعل و جواہر کے ٹکڑے
نہیں نکلتے؟ کیا باغ کے پھولوں میں کوئی پھول کسی خاص خوشبو سے مالامال نہیں ہوتا؟
اور کیا ریگستان نیستی میں کوئی ذرہ کسی کامل اور ہمہ حُسن مجسمہ کی ہستی کو نہیں پیتا تا؟
لیجئے یہی لوگ ہیں جنہیں سلاطین عالم اور فاتحان الوالعزم دیکھ کر شرماتے ہیں - اور
اپنی شوکت کو انکی غیر فانی شوکت کے آگے ہیچ پاتے ہیں - یہی وہ ہستیاں ہیں جو روحوں کے
زخم کی مرہم ہیں اور یہی پاک نفوس ہیں جن میں آج تک سلسلہ امانت برداری حق چلا
جا رہا ہے - اب یہاں کہنا یہ ہے کہ جس طرح ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں ایک سادہ
اور ایک رنگین، اسی طرح اس ظاہری عالم کے بھی دو رُخ ہوتے ہیں - ایک رُخ پر یہ ظاہری
تصویریں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں اور دوسرے رُخ پر وہ خاموش اور بے نیاز لوگ
نظر آتے ہیں جو سب کچھ ہیں اور کچھ بھی نہیں ہیں - ایسے لوگوں کے حالات جمع کرنا بھی
اہل نظر کا کام ہے - جو روحانی درد کی تسلی جو روحانی اضطراب کے سکون اور روحانی جراحتوں کے

مرہم ہیں۔ انہیں لوگوں میں ایک بزرگ حاجی سید غفور شاہ صاحب حسامی الوارثی ہیں۔ یہ بھی اپنے عالم کے آوارہ نوردوں کی طرح نہایت بے نیازی کے ساتھ بہت سے اُجڑے ہوئے دلوں کو محبت اور بشارت کے ترانوں سے آواز بازگشت روحانیاں بنا چکے ہیں۔ اور مختلف قلوب میں اپنی یکرنگی سے آئینہ خانہ روحانیاں کا سامان کافی فراہم کر چکے ہیں +

حسامیّت کی وجہ اور خاندانی حالات

بزرگوں اور کاملوں کی ابتدائی زندگی غیر معمولی طور سے گمنامی اور پردۂ خفا میں رہتی ہے۔ بڑے بڑے عمیق اور وسیع دریا ایسے جنگلوں اور ایسے کوہستانی دروں سے موجزن اور سیراب کناں ہوتے ہیں جہاں انسانی قدم مشکل سے جرأت کر سکتے ہیں۔ ہاں مخرج و مبدا سے کوئی شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ چشمہ جو ٹیکروں اور سنگریزوں سے ہم آغوش ہو کر نہایت سست رفتاری سے خراماں ہے ایک وسعت بے پایاں سے گذرتے ہوئے بعد کو ایک عالم کو جل تھل کرے گا مگر بعض نخلستان اور خرمانستان ایسے ہیں جن میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نخل بارآور رہتا ہے اور ایسے ساقی باخبر بیدار رہتے ہیں جو ہر لمحہ بھولے بھٹکے کو میخانۂ عرفان کی تلچھٹ پلانے کو مستعد رہتے ہیں۔ حضرت اپنے وطن کرائے پرسرائے ضلع پٹنہ میں ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۰۹ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد مولوی سید محمد مسیح صاحب نے آپ کا نام محمد حبیب رکھا دادھیال کی طرف سے حضرت زید شہید بن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے اور ننہال میں ولی اکمل قطب الاقطاب حضرت مخدوم حسام الدین چشتی قدس سرہٗ مانکپوری سے آپ کا سلسلہ حسب[1] و نسب ملتا ہے۔ اوّل اوّل ہندوستان میں

[1] حضرت حسامی کا سلسلہ نسب قطب الاقطاب حضرت مخدوم حسام الدین مانکپوری رحمۃ اللہ علیہ سے یوں ملتا ہے :- بقیہ حاشیہ صفحہ ۵ پر ملاحظہ ہو

آپ کے اجداد میں سے حضرت سید ابو الفرح واسطی حجاز سے تشریف لائے تھے دنیاوی لحاظ سے یہ خاندان جس طرح آج نمایاں اور اپنے علمی و عملی کارناموں کی زندہ یادگار ہے اسی طرح زمانہ سابق میں یہ دو بزرگ خاندان سید حسن عسکری صاحب بخشی افواج (کمانڈر انچیف) لارڈ کلائیو کے عہد میں گذرے ہیں۔ اور سید نوح صاحب جامہ فقر میں شیخ المشائخ کے لقب سے ممتاز اور دنیاوی شان میں وائس گورنر (نائب صوبہ دار) بنگالہ تھے۔ کتاب

Twelve Great men of Bengal

(بنگال کے بارہ مشاہیر) میں سید صاحب کا ذکر (نواب امیر علی خان بہادر کے ایک فرد خاص کے تذکرہ میں) مشاہیر بنگالہ کے ضمن میں ہے جن کے سید نوح صاحب مورث اور اجداد سے تھے۔ اگر دنیاوی مشرف و عزت کا تاج اُس وقت اس خاندان کے کسی کسی رکن پر زینت اور شہرت کا موجب تھا تو آج بھی آنریبل سر علی امام کے۔ سی۔ ایس۔ آئی وزیر قانون گورنمنٹ ہند اور آنریبل سید حسن امام جج ہائیکورٹ کلکتہ کا نام لیا جا سکتا ہے جن کے پر دادا اور حضرت کے پر دادا آپس میں حقیقی بھائی تھے۔ آپ کے ننھیال میں قطب الاقطاب حضرت مخدوم حسام الدین مانکپوری کا فیض ہندوستان میں جاری ہے۔ آپ حضرت مولانا نور قطب عالم کے خلیفہ تھے۔ یہ اپنے بزرگ والد

شجرۂ نسبی

(۱) شمس العارفین حضرت مخدوم حسام الدین قدس اللہ سرہٗ
حضرت شاہ فیض اللہ
(۲) حضرت میراں شاہ
(۳) حضرت شاہ احمد
(۴) حضرت شاہ ابو القاسم
(۵) حضرت شاہ عبد الکریم
(۶) حضرت شاہ عبد الحکیم عرف شاہ عبد الرحیم
(۷) حضرت عبد اللہ
(۸) جناب کمال الدین
(۹) محمد سعید حسامی وکیل ہائی کورٹ کلکتہ
(۱۰) جواد علی رضہ
(۱۱) مسمات بی بی صبیحن زوجہ حضرت حاجی سید نادر علی رحہ
(۱۲) حاجی سید اسد علی رضہ
(۱۳) حضرت بی بی آمنہ رضہ
(۱۴) مرشدی حضرت سید عفور شاہ الحسامی الوارثی

حضرت شیخ علاؤ الدین کے خلیفہ تھے۔ یہ حضرت مولانا سراج الدین المعروف باخی سراج کے خلیفہ تھے۔ اور یہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے۔ آپ کے نانہالی سلسلہ میں ایک بزرگ اور بھی حضرت حاجی سید بدر علی چھپرہ میں آرام فرما رہے ہیں جن کی وفات کے چالیس یوم بعد جب آپ کے مزار کی خاک ہٹائی گئی کہ اس کو پختہ کرایا جائے تو آپ کے مزار کی خاک معطر ہو رہی تھی اور چاروں طرف سے گلاب بیلا اور چنبیلی کی مشام جانفزا سے لوگوں کو حیرت ہوئی۔ اسی وقت لوگوں نے آپ کے مزار کی مٹی تبرکاً اپنے پاس رکھ لی جو اب تک بعض اصحاب کے پاس محفوظ ہے۔ غرض ان باطنی بحور اور انہار سے ایک چشمہ عرفان پھوٹتا ہے جو دادہال اور نانہال کی پاکیزہ گیوں سے آسودہ ہو کر مرغزار ہستی میں اس لئے یہ نکلتا ہے کہ قلوب کی بنجر زمین کو ہرا بھرا کرے اور جن بزرگوں نے آج سے بہت پہلے سلسلہ حق شناسی اور مسلک تسلیم و رضا کو جاری کیا تھا وہ سلسلہ باقی رہے اور بزم حسامیہ کا چراغ منور رہے۔ نسبت حسامیہ اس لئے حضرت پر غالب ہوئی کہ جب آپ کا سن تقریباً چودہ سال کا تھا تو حضرت مخدوم حسام الدین نوراللہ مرقدہٗ کی روحانیت اور باطنی کشش سے بطریق اویسیہ فخر بیعت و تلمذ روحانی حاصل ہوا گویا ایک نور شمع قدیم نے خاندان کے ایک پروانہ کو اپنی طرف جذب کر لیا اور عالم ظاہر میں اپنے نور کا پرتو ڈالا۔ چونکہ حضرت کو مناسبت خاندانی سے حسامی کہتے ہیں اور خود آپ کو بھی حسامیت سے ایک شیفتگی سی ہو گئی تھی اس لئے آپ کے نام کے ساتھ حسامی نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے

چند ابتدائی باتیں

جب کوئی شخص کامل ہو جاتا ہے تو اس کے کمال ہی عظمت کی جھلک کے ساتھ ساتھ دل کو اس کی تلاش ہوتی ہے کہ اس مظہر کمال کی ابتدائی شعاعیں کیسی تھیں

کیا اسباب ہو سکتے تھے جن سے کہ ایک مادی پیکر میں روحانیت گھر کرتی ہے۔ اور اس کے آثار و قراین موافق تھے یا مخالف۔ مہاتما بودھ کی زندگی میں ابتدائی تماشہ یہ نظر آتا ہے کہ ایک پیر فرتوت سڑک کے کنارے دکھائی دیتا ہے جسکے کل اعضاء مر چکے ہیں اس کی جُل جُل حالت اور کس مپرسی سے مہاتما کو اپنے عنفوان شباب میں بے ثباتی حیات کا یقین ہو جاتا ہے۔ سلطان ابراہیم ادہم کے محل میں اونٹ والا اپنے کھوئے ہوئے اونٹ تلاش کرتا ہوا آتا ہے جس کی بے جھجک تقریر سے سلطان کو یقین ہوتا ہے کہ قصر سلطانی میں خدا کہاں؟ یہ اور اس قسم کے بہت سے واقعات خدا کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں کہ جس بندہ کو وہ عارف اور باخبر بنانا چاہتا ہے اس کی تعلیم و تربیت کا خود دنیا سے اس کی طبیعت کو بے نیاز اور مستغنی بنا دیتا ہے حضرت کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ آپ کو مختلف مقامات پر تعلیم و تربیت کے واسطے بھیجا گیا لیکن آپ کو ظاہری علوم کی تحصیل میں کوئی کیفیت نہیں محسوس ہوتی تھی۔ اور اکثر آپ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ (جو مخدوم الملک حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیری کے نانا ہوتے تھے) کے مزار مبارک پر جو بمقام جھٹلی پٹنہ واقع ہے چلے جاتے۔ گھنٹوں زمین و آسمان میں۔ دنیا کے شور و غل میں اور حجر و شجر کے سکوت میں پیغام ربانی سنتے۔ معلوم ہوتا کہ کوئی بلا رہا ہے اور دنیا سے الگ کر کے کسی مقصد خاص کی تکمیل کے لئے کچھ اشارے دے رہا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین رح ایک کامل بزرگ گذرے ہیں جن کے مزار پر آج تک انوار برس رہے ہیں۔ آپ کا مزار حضرت حسامی کے وطن کراے پرسرائے (پٹنہ) سے بارہ میل اتر جانب واقع ہے موقع و منظر نہایت دلکش ہے۔ حضرت شیخ کے مزار کے جلوء میں دریا گنگا خاکبوس ہوتا ہے جس کی نزہت اور کیفیت اہل دل کی نظروں میں عرفان کے بحر ذخار الٰہی سے کم نہیں ایسی جگہ ایک نوجوان شخص اس لئے نہیں آتا ہے کہ وہ محض فاتحہ خوانی

کر کے چلا جائے یا دریا رظاہری کی سیر کر کے گھر کو لوٹ جائے۔ بلکہ مزار کے اندر جو انوار بند ہیں ان سے بھی بہرہ مند ہوتا ہے اور خلوت جذبات میں ایک روح دوسری روح سے متوسل ہوتی ہے۔ حال کے سیلاب میں حضرت شیخ کے مقبرہ کے پشتے گر گئے ہیں جن کی مرمت کے واسطے معلیٰ القاب سر چارس بیلی لفٹننٹ گورنر صوبہ بہار و اُڈیسہ نے پانچ ہزار روپے کا انتظام کر دیا ہے۔ اور بڑی شان سے پشتے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ غرض حضرت حسامی کی ابتدائی زندگی کے واقعات اس قسم کے نہیں ہیں جن سے کسی مادی اشارے یا ناکامیٔ عبرت خیز کے آثار ہویدا ہوں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ غیب سے کچھ جذبات متحرک کئے جاتے ہیں جن سے آپ بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہو کر اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ یعنی خود بخود چشمۂ حسامی تہ در تہ سوتوں اور پردوں سے نکلتا ہوا باغ اور میدان سے گذرتا ہوا اس بے نام سمندر بے پایاں کی وصلت کیلئے جا رہا ہے۔ جو قطبوں۔ ولیوں اور ابدالوں کا مرکز اور نشان ہے۔ آہ۔ کتنی پاک ہستیاں کتنے منصور اور کتنے جنید اس بحر ناپیدا کنار کے تموج میں ملکر جذب حقیقت کا سماں پیدا کر رہے ہیں ❊

بیعت

حضرت موضع تبھیو ضلع گیا میں اپنی پھوپھی کے یہاں رہتے تھے غرض یہاں کے قیام کی تحصیل و تکمیل علوم ظاہری تھی جس کے ساتھ ساتھ وجدانی امواج کا جوش اور آتش فقر کی حرارت اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھی۔ نوجوان دشت نوردِ امیدگی و غزال صحرا رِ بے نشانی راتوں کو اپنے حجرۂ ظاہری میں بیٹھا ہے۔ بارہ بج چکے ہیں کل دنیا نیند کی متوالی غفلت میں سو رہی ہے۔ لیکن ایک نوجوان شخص شمع کے سامنے کتابوں کو کھولے حروف و نقوش ظاہری سے ان کے ظاہری معانی کے علاوہ

انہیں سے ان کے حقیقی معانی پوچھ رہا ہے کبھی شمع کی جھلملاتی صورت پر نظر کر کے حیات کی فانی شمع کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ کبھی گھبرا کر اوٹھ بیٹھتا ہے۔ کتابوں کو پھینک دیتا ہے اور صحن میں آ کر تاروں سے پوچھتا ہے کہ اس سناٹے میں تم کیوں ٹمٹما رہے ہو کیا تمہاری ہنسی صرف رات بھر کی ہے۔ اور اس تاریک۔ سنسان اور خفتہ منظر میں ایک کتاب عرفان کے اوراق کھلا ہوا پاتا ہے جس میں وہ پڑھتا ہے کہ زمین۔ آسمان۔ دریا۔ پہاڑ اور حیات و موت سب بوسیدہ مشاہدات کے بوسیدہ نقوش ہیں۔ ان کے پس پردہ ایک دوسرے عالم کی حقیقت چمک رہی ہے جس میں عناصر۔ قیود۔ اور حدود کوئی چیز نہیں ہیں جس میں صبح ازل اور شام ابد جلوہ گر ہے جب رات پہاڑ ہو جاتی ہے تو صبح تک گریہ ہجر لامتناہی اور مناجات محبت میں اس بن کو گذار دیتا ہے۔ یہانتک کہ دن نکل آتا ہے اور دن میں ایک مخلوق کو دیکھتا ہے کہ وہ مادی اور عارضی فوائد کی خاطر سر گرداں ہے۔ بظاہر تو صورتیں نہایت ہشاش بشاش معلوم ہو رہی ہیں لیکن کسی کو باطناً زندہ نہیں دیکھتا آخر کار ایک دن اُن ہیجان انگیز جذبات سے دلگیر ہو کر اپنی کتابوں اور اپنے اثاثہ دنیا کو آگ لگا کر وہ پیادہ پا دیوہ شریف کا رُخ کرتا ہے۔ اور چونکہ بیعت شیخ ظاہری بھی اصولاً ضروری تھی اس لئے جناب اقدس بابیائے روحانی حضرت مخدوم حسام الدین قدس سرہٗ غوث وقت امام العاشقین حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ سے بیعت کرتے ہیں اور ڈیڑھ ماہ تک اس کیمیا اثر صحبت میں رہنے کے بعد خرقۂ ہمرنگی عطا ہوتا ہے۔ اور محمد حبیب سے غفور شاہ کا لقب دیا جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی خرقہ پوشی کے اٹھارہ روز بعد عالم عنصری سے عالم روحانی کی طرف کوچ کیا۔ یعنی فروری سنہ ۱۹۰۵ء میں خرقہ عطا ہوا۔ اور اپریل سنہ ۱۹۰۵ء میں حضرت حاجی صاحب

علیہ الرحمۃ نے وصال فرمایا۔ یہ بیعت ایک ضروری منزل فقر کا ہے۔ بڑے بڑے امتحانوں اور بڑے بڑے مراحل کے لئے ہادی اور مرشد خدا کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ جو مرشد کو قدم قدم پر رہنما کا کام دیتے ہیں۔ جس طرح آفتاب کی شعاعیں شیشے کے آر پار ہو جاتی ہیں اور نورانیت کی چکا چوند پیدا کر دیتی ہیں۔ حضرت کی ظاہری ہستی اور ظاہری حالت کل اپنے مرشد کی حقیقت میں جذب ہو گئی۔ اور حضرت غفور شاہ کی نشان ہیں نمایاں ہو گئے ÷

حضرت غفور شاہ اپنے مجاہدات کی دنیا میں

چشم میں خلق کی گو مثل حباب آتا ہوں
عین دریائے حقیقت میں بہا جاتا ہوں

کیف وکم میرے ہیں جوں موج حباب دریا
مجھ سے ہی اُٹھتے ہیں اور میں ہی بہا جاتا ہوں

حالت وصل میں کیا تجھ سے کہوں اے سائل
آپ کھو جاتا ہوں جو یار کو پا جاتا ہوں

کائنات کی ہر چیز میں ایک رخ اسکی حقیقت اور راز پسندی کا ہے اور ہر چیز کے لئے ایک شباب اور جوش کا وقت ہے۔ رات کی راز پسندی یہ ہے دشت و کوہسار اور کوہ و بیابان میں سنگریزے لعل و جواہر کے قالب میں آتے ہیں۔ پتیاں پھول اور پھل اپنے نمو اور اپنی حیات کی صورت گری سے کچھ سے کچھ ہوتے ہیں۔ رات اسرار و کیفیات کی نو بدی ہے۔ چاندنی رات میں ماہتاب نور کا ایک چھلکتا ہوا جام ہے۔ جس میں کسی کی چمکتی ہوئی صورت مادیات کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے حجر و شجر حیوان و انسان میں نورانی بیخودی سے بیقراری طاری ہو رہی ہے

اور معلوم ہو رہا ہے کہ قصر نور الانوار کی دریچیاں کھل گئی ہیں۔ جن سے یہ چاندنی جھانک رہی ہے۔ روحانیت کے ماہتاب حضرت حاجی وارث علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی حیات میں تمام اکناف عالم میں تاباں ہیں۔ عشق کے انوار چھن چھن کر نکل رہے ہیں۔ دور دور سے متلاشیان حق بحر ہستی میں حُباب آسا تڑپ رہے ہیں۔ اور جُوار و بجاٹا نورانی آرہا ہے۔ جس طرح قدرت و فطرت کا مشرب وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ ہندو۔ مُسلمان۔ عیسائی اور نو عمر و معمر سب اس میں ایک کیف میں ہیں۔ ہاں حضرت غفور شاہ اس ماہتاب کی کشش اور جذبیت سے اس رات میں سنگ ظاہری سے شجری نگینہ بنکر نکلے ہیں اور مرشد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے مجاہدات اور ریاضات کی منزلیں طے کرنے نکلے ہیں۔ اسوقت حضرت کی عمر سترہ یا اٹھارہ سال کی ہے۔ جوش اور خروش مادّیات پر روحانی لذات کا غلبہ ہے۔ جملۂ حق نما کی تلاش ہے۔ آدمیوں سے وحشت ہے تنہائی اور یکسوئی کی کھٹک۔ یہانتک کہ بیعت کے تھوڑے زمانہ بعد راجگیری پہاڑ پر پہنچتے ہیں۔ یہ بہار سے چودہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ نہایت ہی خاموش اور سکون بخش جگہ ہے۔ جابجا سبزہ کے ساتھ چشمے موجزن ہیں اور کل منظر سعدی علیہ الرحمتہ کے ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار کی تفسیر بن رہا ہے۔ پہاڑ کے کناروں پر مسلسل درختوں اور جھاڑیوں کی سنجافی گوٹ گویا فقیروں کی کمبلی کے کنارے کنارے سبز جھالروں کا کام دے رہی ہیں۔ دن و رات عالم ہُو کی حکومت اور خدا کی یکتائی ریزہ ریزہ اور پتھر پتھر پر نشانِ منزل حق ہو گئی ہے جب خدا کا متوالا اسکے عشق میں ادھر آنکلتا ہے تو پتی پتی کو غلاف پیغام ربانی سمجھکر چومنے لگتا ہے ہر پتھر سے اسکی کہانی سنتا ہے۔ اور ہر چشمہ میں چاہتا ہے کہ ڈوب جاؤں اور ڈوب کر تہ میں بیٹھ جاؤں۔ اس پہاڑی کے کوہوں میں بہت سے

اہل اللہ ہندو اور مسلمان رہتے ہیں۔ یہاں مہاتما گوتم بودھ نے ایک زمانہ دراز تک ریاضت اور عبادت کی تھی جس کے آثار اور نشانات اب تک بتائے جاتے ہیں سب سے بڑھکر حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے چلہ پر ایک خاص شان برستی ہے جس کے قریب پہنچتے ہی اس کے قدوم گویا ہو جاتے ہیں جس نے یہاں چلہ کشی کی تھی۔ اس کے انوار آنکھوں میں سمانے لگتے ہیں جس نے اس جگہ چلہ کیا تھا۔ یہاں اٹھارہ ماہ تک حضرت غفور شاہ نے تارک حیوانات۔ قائم اللیل صائم الدہر ہکر چلہ پورا کیا۔ راتیں کیسی گذریں دن کیسے گذرے اور راجگیری پہاڑ سے کیا کیا ریاضات اور مجاہدات پورے کر کے آئے یہ ایک داستان فقیر ہے ع

"نذیر این قصۂ عشق است کہ در دفتر نے گنجد"

اسی طرح کچھ دنوں گورکھپور میں منشی عزیز اللہ صاحب کے باغ میں جو ایک خاص ویرانیت اور تنہائی کی شان رکھتا ہے نہایت گمنامی اور بے نشانی کے ساتھ مجاہدات کئے۔ اس زمانہ میں ایک صاحب محمد صادق نامی محلہ دہمال گورکھپور کے رہنے والے آپکی خدمت گذاری کا حق قابل ذکر حد تک ادا کرتے رہے۔ اس کے بعد ہندوستان کے مشہور مزارات اور زیارت گاہوں کی سیر کی اور بعض ہندو مقدس مقامات کی بھی سیر کر کے فقر و درویشی کی ایک دوسری منزل سیاحت کو بھی ختم کیا اس کے بعد ۱۹۰۹ء میں حج کیا اور خدا کے انوار سے مشرف ہو کر تشنگی روحانی کو بجھاتے ہوئے ہمہ سیراب وش واپس آئے *

علمی مذاق

انسان جس طرح اپنی ظاہری ساخت اور شخصیت میں ایک نرالی شان رکھتا ہے اسی طرح اپنی باطنی ہستی میں عجائبات کا ایک عالم رکھتا ہے۔ یعنی اسکو ایسے قوی ملے

ہیں کہ وہ تمامی مخلوق پر حکومت کر سکتا ہے اور وہ خود نہیں جانتا کہ میں کتنی بڑی
ہستی رکھتا ہوں۔ عموماً انسان جانتا ہے کہ میرے دو ہاتھ۔ دو پیر اور دو آنکھیں
ہیں۔ عموماً وہ انہیں چیزوں سے کام لیتا ہے لیکن بنی نوع انسان میں ایسے افراد بھی
ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے باطن کے قوے سے کام لیکر انسان کو عجائبات کا پتلا
ثابت کیا ہے۔ مادی دنیا میں مادی ریلوں جہازوں اور ہوائی پروازوں کو دیکھنے
سے قیاس کو حیرت ہوتی ہے۔ اور اگر دوربین نگاہوں سے دیکھا جائے تو عالم باطن
میں بھی ایسے پرواز اور عروج کے سامان نظر آئیں۔ حضرت کی ظاہری تعلیم درسًا درسًا
بہت محدود ہوئی۔ نہیں کہا جاسکتا کہ جو کچھ پڑھا تھا وہ بھی ذہن میں محفوظ تھا کہ
نہیں۔ کیونکہ ابتدا ہی سے جذبات فقر و درویشی کا غلبہ تھا۔ اب وہ باطنی سیر و سیاحیوں
سے۔ اب وہ مجاہدات و ریاضات سے۔ اور دور و دراز زیارت گاہوں سے واپس
آئے تو عقل اور دماغ میں ایک طرح کی جِلا اور روشنی پاتے ہیں۔ مسائل اور اصول کے
بڑے بڑے میدان اپنی نظروں میں صاف پاتے ہیں۔ گویا باطن کے روشن ہونیسے
ظاہر کے ہوش و حواس اور عقل شعور میں بھی ایک فطرتی ذوق اور مناسبت علمی پیدا
ہوگئی اور انگریزی فارسی عربی اردو کی کتابی اور ادبی دنیا سے دلچسپی پیدا ہوگئی مختلف
انگریزی اور اردو اخبارات اور رسائل میں صوفیانہ مضامین اخلاقی مباحث اور نظم و نثر
میں اپنے خیالات پر روحانی انعکاس سے ہندوستان کے اہل قلم کو اپنی جانب مائل کیا
"رسالہ صوفی" (پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات) "اخبار مشرق" (گورکھپور) اخبار
"نظام الملک" (مراد آباد) "دی مسلمان" (کلکتہ) "دی محمڈن" (مدراس) "دی مسلم
ریویو" (الہ آباد) "دی انڈین اسپکٹیٹر" (بمبئی) "دی بہاری" (بانکی پور) وغیرہ میں
حضرت کے مضامین کبھی کبھی شائع ہوئے ہیں جو اگر جمع کئے جائیں تو ایک مجموعہ ضخیم
بن جائے۔ سلسلہ سوانح مشاہیر صوفیائے کرام کی سب سے پہلے بنیاد آپ نے ڈالی

اور جہاں ہندوستان میں دنیا کے دنیا دارانہ مشاہیر کی سوانح عمریاں مرتب ہونے لگیں۔ حضرت نے خدا کے برگزیدہ بندوں اور روحانی مشاہیر عالم کے سوانح لکھنے شروع کئے۔ یہ تالیفیں اور تصنیفیں ملک میں شائع اور مقبول ہو چکی ہیں۔ یہاں بھی ان کے نام یاد آگئے ہیں۔ سوانح عمری حضرت حاجی سید وارث علی شاہؒ (انگریزی میں) سوانح حضرت ابراہیم ابن ادہم (انگریزی) سوانح حضرت بوعلی شاہ قلندر (انگریزی) سوانح حضرت منصور حلاج (انگریزی) کرشن معظم (انگریزی اردو میں) "Reflection on Sufism" (تصوّف کی روشنی)*

ان کتابوں کے نفس مضمون سے الگ ہو کر اگر دیکھا جائے تو زبان اور خیالات میں ایک خاص یکرنگی اور وہی تاثرات کی جھلک ہوتی ہے۔ الفاظ اور خیالات انسان کے دماغ اور باطنی مصادر سے ہو کر باہر آسکتے ہیں اور جس قسم کے طبعی اور روحانی کوایف ہوتے ہیں ان سے رنگین ہو کر کاغذ پر منتقش ہوتے ہیں۔ حضرت کی باطنی شورش اور روحانی تخصیص کا نمایاں رنگ آپ کے رسائل اور کتب میں موجود ہے۔ صوفیائے کرام کے سوانح میں مسائل اور مدارج روحانی پر جو باریکیاں دکھائی ہیں وہ بہت دلچسپ ہیں ان مضامین اور رسائل کے علاوہ حضرت کی طبع موزوں کبھی کبھی جذبات روحانی کو قافیہ اور ردیف کی قیود اور پابندیوں میں لاکر نشتر معرفت کا کام کرتی ہے۔ قریب قریب اکثر صوفیائے کرام میں شاعرانہ ذوق ہوتا ہے اور ان کے کلام کے مجموعے بتاتے ہیں کہ انکا ساقی انکا میخانہ۔ اور انکا گل و بلبل کچھ اور ہے۔ حافظ۔ سعدی۔ مولانا رومی وغیرہ کے کلام پر ظاہر بین دنیا کے گندے مضامین کا اتہام اور تام رکھتے ہیں مگر ذرا انصاف سے دیکھا جاوے تو کیا کوئی ظاہری مئے خوار اور رند ظاہری ایسا نکلیگا جو اپنی دنیاوی آلودگیوں میں رہ کر عارفانہ کلام اور اعلے جذبات منظوم کر سکے؟

کبھی نہیں!!! رُدم اور خیام کے ساقی اور مئے بہ ان بھٹی اور شراب خانوں کے ساقی نہیں ہیں۔ بلکہ انکا ساقی میخانہ الست کا ساقی ہے اور انکی شراب وہ حقیقت مآب روحانی لذت اور کیفیت ہے جو انہیں اپنے دماغی نزاکت اور مستنی حق پرستی سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت کو بھی اسی طرح شاعری سے مناسبت ہے جس طرح متقدمین صوفیاء کرام کو شاعری سے ایک لگاؤ تھا۔ آپ کی شاعری دنیاوی معانی سے معرا ہے اور مطالب عالیہ روحانیہ سے سرشار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روح پر جب کوئی اثر ہوتا ہے تو وہ اثر کبھی مصوری میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی بت تراشی میں نمایاں ہوتا ہے اور کبھی کلام موزوں سے جھلکتا ہے۔ شاعری بھی میخانہ باطن کے خمار اور جوش و خروش کا نام ہے۔ اور یہی لطافتیں اور یہی خوبیاں حضرت کے کلام میں ہیں۔ یہاں کچھ اشعار سرسری طور سے لکھے جاتے ہیں جن سے مزون کچھ روح واقف ہو سکتی ہے ؎

ندارم حامی و پرساں اغثنی یارسُولؐ اللہ
کہ باشم بے سر و ساماں اغثنی یارسُولؐ اللہ

برارم دردِ بے درماں اغثنی یارسُولؐ اللہ
بلب جاں آمد از ہجراں اغثنی یارسُولؐ اللہ

عجب بے دست و بے پایم چگونہ بردرت آیم
ز مدت دارم ایں ارماں اغثنی یارسُولؐ اللہ

شود زنجیر پا عصیاں بود طوق گلو حرماں
مرادِ ہر ستِ چوں تہ نداں اغثنی یارسُولؐ اللہ

کفیل یونس و نوحی مرا ہم دستگیری کن
منم در قلزم عصیاں اغثنی یارسُولؐ اللہ

دم مشکل کفیل ستی امان بخش خلیل ستی
تپم از آتش ہجراں اغثنی یارسُولؐ اللہ

ترا شاہ ایں چنیں گوید ز جور چرخ می نالد
کہ شد بسیار سرگرداں اغثنی یارسُولؐ اللہ

دل تو وہی ہے جس میں بت جاگزیں رہے
کیا کہنا اس مکان کا جس میں مکیں رہے

افلاک پر رہے کبھی زیر زمیں رہے
دیکھا جو پہلو میں یہیں کے یہیں رہے

پردہ تو دیکھئے کہ وہ آئے ہیں ایسے وقت — جب خانۂ خودی میں ہمیں خود نہیں رہے
حل ہو سکا نہ نکتہ ترے قرب و بُعد کا — حیراں ہوں کیسے کیسے یہ نکتہ چیں رہے
سجدہ میں جا کے حق سے دعا مانگتا ہوں میں — پائے صنم پہ میری ہمیشہ جبیں رہے
اے شاہؔ ضبطِ آہ محبت میں چاہیئے
پردہ نشیں کا عشق ہے پردہ نشیں رہے

آنکھوں میں نور قالبِ بیجاں میں جاں رہا — وہ پردہ دار میرے سے نظر نہاں رہا
اسکی نزاکت آئی رہے صحبت نفیس — تا زیست نرم موم سا ہر استخواں رہا
مہلت کبھی نہ تیرے تلون نے دی اُسے — جھگڑے میں انقلاب کے ہر دم جہاں رہا
حسرت نے بزم یار کا پروانہ کر دیا — جل بجھ چکا تو خاک ہوا ارمغاں رہا
میں وہ چراغ ہوں کہ نہ ٹھنڈا ہوا کبھی — میں مشعلِ احد ہوں نہ جس میں ہواں رہا
کچھ بس نہ میری گردشِ قسمت سے چل سکا — چارہ میں لاکھ لاکھ طرح آسماں رہا
قاتل کا بار بار رقیبوں کا دیکھنا — زخمِ جگر مٹا بھی تو دل پر نشاں رہا
جس کی طواف کرتے رہے بلبلانِ دہر
اے شاہؔ اوس چمن میں میرا آشیاں رہا

سوجھا کبھی نہ عشق میں کچھ پیار کے سوا — حسرت کوئی نہ کی ترے دیدار کے سوا
آئے کبھی جو جوش پہ رحمت حضور کی — کون اس کا مستحق ہے گنہگار کے سوا
مردے کو زندہ زندہ کو مردہ بنا دیا — کس میں یہ بات ہے تیری گفتار کے سوا
خلد بریں میں بیٹھ رہے جا کے متقی — حاضر رہا نہ کوئی گنہگار کے سوا
کیا چین آئے خانۂ صیاد میں ہمیں — دم بھر کہیں رہے نہیں گلزار کے سوا
بارِ اجل اُٹھائے جو کوئی خوشی خوشی — طاقت یہ کس میں ہے ترے بیمار کے سوا
اے یار سوزِ دل مرض لا علاج ہے — جلائے گا یہ نہ شربتِ دیدار کے سوا

آزاد تو کیا مجھے یہ تو بتائیے　　جاؤں کہاں میں آپکی سرکار کے سوا
مرمٹ کے کون گورِ غریباں میں جائے شاہؔ
اپنی جگہ کہاں ہے درِ یار کے سوا

فرصت ملیگی بات کی اُس نازنیں سے کب　　چھوٹیگی جان قصۂ دنیا و دیں سے کب
رولوا کے ہم پہ آئیگا کب رحم آپ کو　　آنسو ہمارے پونچھیگا آستیں سے کب
دنیا میں کوئے یار ہے اک طبقۂ بہشت　　اُٹھ آئی تھی زمین یہ خلد بریں سے کب
سونپی ہیں خاک میں جو میری تم نے حسرتیں　　یہ تو کہو کہ لو گے امانت زمیں سے کب
لپکا ہماری آنکھ کو ہے تاک جھانک کا　　ہوگی موافقت کسی پردہ نشیں سے کب
اے شاہؔ چار سو جو چمن میں لگی ہے آگ
پھول اس میں جا پڑا انھا رخِ آتشیں سے کب

پروانوں میں تڑپتے رہے ہم تمام رات　　بے تابی نے نہ لینے دیا دم تمام رات
رقت نے دی نجات نہ یکدم تمام رات　　رومال آنسوؤں سے رہا نم تمام رات
یوں اب تو صبح ہوتی ہے تیرے مریض کو　　اوٹھ اوٹھ کے لوگ دیکھتے ہیں دم تمام رات
ہوتا ہے عشق چاہ فقن میں جو اضطراب　　رہتا ہے گھر میں شیون و ماتم تمام رات
جلتی ہیں شمعیں مٹتے ہیں پروانہ سوز سے　　ہوتی ہے بزم درہم و برہم تمام رات
گھیرا ہے آکے جب سے تیرے دردِ ہجر نے　　بیتاب جس کو رہتا ہوں بیدم تمام رات
میں شاہؔ بے نیاز کا ایک بے نیاز ہوں
آتا نہیں ہے اٹھ پہر دم تمام رات

یہ سارا رنگ ہے چھایا بہار کے باعث　　چہل پہل ہے چمن میں ہزار کے باعث
وہی زمین یہ ہے جس میں ہو کا عالم تھا　　بہشت ہوگئی میرے مزار کے باعث
بنا چکے جو وہ قدرت سے عالم ایجاد　　سنوارا دہر کو نقش و نگار کے باعث

قریب پردہ کے پہنچا ہوئی مجھے معراج — قرین رحمت پروردگار کے باعث
جناب عشق سے دیوانہ کا خطاب ملا — یہ اقتدار ہوا فیض یار کے باعث
فقط وہی نظر آیا جدھر نگاہ اُٹھی
کمال شاہ یہ ہے انتظار کے باعث

اس شعلہ رُو کو دیکھ کے آتا ہے پیار آج — مدت کے بعد نکلا ہے دل کا بخار آج
شاید خزاں کے فصل کی آمد ہے باغ میں — آتی نہیں چمن سے نسیم بہار آج
اس انقلاب دہر سے عبرت ہی چاہیئے — کل تھے جو شاہ ہو گئے مشت غبار آج
خوش رنگ ہے شفق سے بھی اے شاہ رنگ دل
کس بزم سے اوٹھا ہے ہمارا غبار آج

ہزار چاہے مسیحا تن نزار میں روح — کبھی نہ عود کرے جسم بیقرار میں روح
سما گئی ہے نگاہوں میں حسرت دیدار — رہیگی آنکھوں میں یا ان کے انتظار میں روح
خدا کے واسطے تڑپو نہ اسقدر اے شاہ
نکل نہ جائے پھڑک کر فراق یار میں روح

کس قدر تو نے کیا ہے اسے قاتل گستاخ — ہو گیا تیری چھُری سے جو میرا دل گستاخ
ہے تیرے شعلہ رخ سے یہ میرا دل گستاخ — یا کہ ہے شمع سے پروانہ محفل گستاخ
لن ترانی کی مجھے تاب نہیں جانِ جہاں — دیدۂ شوق سے ہو جائیگا یہ دل گستاخ
قبر ہر دم جو لپٹتی ہے تیرے کشتے سے — ناز بردار مسافر سے ہے منزل گستاخ
خود پسندونکو جو دل چاہنے والوں نے دیئے
حق پرستوں سے ہوا فرقہ باطل گستاخ

نہ آئیگی جو میرے بعد میری بُو صیاد — قفس کو دیکھ کے رویا کریگا تو صیاد
نہائے گا کہ چھڑک آئیگا گلستاں میں — بھرے ہیں خون عنادل سے کیوں سبو صیاد

چمن سے ساتھ نسیم بہار کو لے کر	کریگی نکہت گل میری جستجو صیاد
سمجھ کے درد جگر گریبان اے بلبل
تنک مزاج ہے گلچیں تو تند خو صیاد
رخصت کریگی شب کو سحر دو گھڑی کے بعد	ہوگا مقامیوں کا سفر دو گھڑی کے بعد

دلمیں شاہا نور کس کا ہے کہ ہوں روشن ضمیر	ماہ پر دیں کا نہ رستہ ہے نہ راہ آفتاب

ہائے الفت نے دکھایا یہ اثر	اپنا بیگانہ میرا بیزار ہے
دین و دنیا کی کریں کیا آرزو	اپنی ہی ہستی سے جب انکار ہے
جز تمنائے وصال سیمبر	جنت الماوٰی نہیں درکار ہے
المدد اے خسروِ حسن المدد
شاہ فرقت میں بہت لاچار ہے
رُخ سے نقاب اپنے لِلّٰہ اُٹھا دے خواجہ	حسرت ہمارے دل کی اب تو مٹا دے خواجہ
قید دوئی میں کبتک عاصی پڑا رہے گا	وحدت کا جام بھر کر اب تو پلا دے خواجہ
گرداب غم میں پڑ کر اب کھا رہوں چکر
لِلّٰہ کنارے کشتی میری لگا دے خواجہ
ہنستا ہے کوئی شاہ پہ مستانہ سمجھکر	اور سنگ بکف ہے کوئی دیوانہ سمجھکر
جرم کشش دل پہ نہ سرکار سزا دیں	دل ہی دیئے دیتا ہوں میں جرمانہ سمجھکر
ہاں سورۂ یوسف کوئی پڑھ دیتا تو ہم بھی	سُن لیتے مگر حسن کا افسانہ سمجھکر
ہاں خانۂ دل حسرت و غم سے رہے آباد	نفرت نہ اُنھیں ہو کہیں ویرانہ سمجھکر
شاہی کا لقب تجھکو جو اللہ نے بخشا

اے شاہ فقیر در جانانہ سمجھکر

چو معمور دل از خفی و جلی شد | توہی ظاہر و باطن ایں آگہی شد
من اورا بہر سو و در خود ببینیم | بچشم و دلم جائے وارث علی شد
دو چشماں تو چشمۂ فیض باشند | بہر کس نظر کردی و آں ولی شد
تو مولائے من باشی اے وارث من | بوصف تو ہر چند گفتم کمی شد
بر افلاک ذکر تو شد در ملائک | کہ واللہ نور خدا آدمی شد

چہ رنج و غم اے شاہ آں مرشد ما
برارندہ ہر مراد دلی شد

فیض

حضرت جب کوہ راجگیری سے نیچے اُترے تو ایک متوالی شان میں اُترے روحانیت اور کیفیات غریبہ کا جلال اور نور اس طرح رُخ انور سے نایاں تھا جس طرح فانوس پر روشنئ شمع تمکین کی جھلک ہو یا خمخانۂ عرفان کی شراب نورانی جام سے چھلکتی ہو۔ دشت نیستی کو طے کر کے فاتح روحانی کی حیثیت سے آئے اور اپنے میں مقناطیس کا خزانہ چھپا کر لائے۔ اپنی زلفوں سے عالم کو تہ و بالا کرتے آئے۔ گویا آبشار روحانی راجگیری سے میدان میں جا نکلا۔ جدہر جاتے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا اور خاصکر اس جماعت اور حلقہ میں زیادہ گرویدگی ہوئی جو علوم میں تجربہ رکھتے ہیں۔ جب حضرت بنگالہ کی طرف گئے تو وہاں بہت زیادہ آپ کے فدائی ہو گئے اکثر قلوب میں دہریت اور مادیت نے گھر بنا لیا تھا۔ انکو اپنی تقریر اور روحانیت سے روشن کر دیا۔ جن لوگوں نے حضرت کو دیکھا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ بہت کم سخن ہیں لیکن جب کسی وقت کسی امر میں آپ کو دلچسپی ہو جاتی ہے تو زبان میں ایک

خاص روانی اور طرز بیان میں ایک عجیب کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ
کوئی موسیقار باطنی اپنے عالم جوش و خروش میں ہے۔ خاصکر آپ پر رات کے اول حصّہ
یا پچھلے حصّہ میں ایک حالت طاری رہتی ہے۔ اس وقت کی گفتگو نہایت عارفانہ اور
اسوقت آپ کا سراپا خاص وجدان کا آئینہ بن جاتا ہے۔ آپ کے اقوال سے ایک
قول یاد آیا ہے "تصوّف کی دنیا میں پہلا قدم یقینی موت۔ دوسرا قدم حرمانِ عبرت
تیسرا ذوق طاعت و فنائے دل چوتھا یا اخری قدم السکون فی الرضاو التسلیم"
اس قسم کے جواہر ریز اقوال اکثر حالت خاص میں آپ کی زبان سے نکلتے ہیں نہیں
معلوم یہ حالت خاص پہاڑوں اور جنگلوں کی سیر میں کہانتک رہی ہو گی مگر
گورکھپور میں اور چٹاگنگ میں خادم کو اسکا اتفاق ہوا ہے جہاں دیکھا گیا ہے کہ
چار چار روز ایک سُکر اور ایک عجیب مستانہ جوش و خروش کی کیفیت طاری رہی ہے،
اب اسوقت آپ کا سلسلہ فیض بنگالہ۔ صوبہ متحدہ۔ بعض ریاستوں اور صوبہ بہار میں
جاری ہے۔ کتنے شک و شبہے اور گمراہی کے مارے آپ کی تعلیم اور نظر سے زندہ
ہو چکے ہیں۔ یہاں آپ کے حلقہ بگوشوں کی مسلسل فہرست بیجا معلوم ہوتی ہے*

اہل ظاہر کی مخالفت

جب پہاڑوں سے کوئی سرچشمہ اندرونی کشاکش ارضی سے سیلاب وش ہوتا ہے
تو معمولی چٹانیں اور بے حس چوب و ستون راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ لیکن ایک ذرا
سی آزمایشی ٹکر کے بعد پھر یہاں سے سیلاب قدرتی اور زوروں سے آگے کو بڑھتا ہے
اسی طرح جب عالم میں کوئی خاص تحریک ہوئی ہے اور غیر معمولی نمونے روحانیت کے
پیش آئے ہیں تو بعض انسانی مخالفتوں نے راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنیکی کوشش کی
ہے۔ اس سے خدا کی قدیمی مصلحت کا راز سمجھ میں آتا ہے۔ کہ جب وہ اپنے بندوں کی

آزمائش کرنا اور ان کا امتحان لینا چاہتا ہے تو ایسے مخالفوں اور گندم نما جو فروش ہم جلیسوں سے ان کا پالا پڑتا ہے جو بظاہر اپنی مخالفت اور عیاری میں بہت سختی اور تیزی سے کام لیتے ہیں مگر بعد چندے وہی لوگ اپنی غلطیوں پر متنبہ اور پشیمان ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام پر ایکبار روحی نازل ہوئی کہ "اے داؤد! جب سب کو چھوڑ کر کوئی میری ہی پناہ لیتا ہے تو گو کہ تمام زمین اور آسمان مکر و فریب سے اُس کی مخالفت کریں مگر اس کی مشکل آسان ہی کرتا ہوں"۔ ہاں۔ حضرت کے زمانہ قیام گورکھپور میں کچھ اہل ظاہر اور اہل غرض نے آپ کی مخالفت کے لئے مضامین نویسی اور گروہ بندی کی فکریں کیں۔ کرائے پرسرائے ضلع پٹنہ (آپ کے وطن) میں بھی چند حریفوں نے اپنے خیال کے مطابق آپ کی مخالفت اور آپ کی اذیت رسانی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور چھپرہ میں بھی اسی طرح بعض دنیا کے وہ لوگ جو ہر چیز اور ہر شخص کو محض ظاہری اور سطحی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اُنھوں نے آپ کو پریشان کرنا چاہا لیکن بہت جلد ان لوگوں پر خفیفت عیاں ہوگئی اور آپ کا زور میلان اور سلسلہ مقبول دلہا بڑھتا گیا۔ خاصکر جب حضرت نے موجودہ صوفیا، مشاہیر اور بزرگان دین کے اصرار اور مشورہ سے سُنّت رسُول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بجالانے پر آمادگی ظاہر کی اور اوائل ۱۹۱۳ء میں اپنے خاندان میں قطب وقت حضرت حاجی سید نادر علی کی پوتی جو شمس العلماء مولانا شاہ بدر الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ پھلواری کی عزیزہ قریب[۱] ہوتی ہیں۔ اور نہایت تعلیم یافتہ اور خدا پرست خاتون[۲] ہیں اُن سے شادی کی تو بعض ظاہر پرستوں نے چاہا کہ آپ کا اثر دلوں سے کم

---

[۱]۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا کی حقیقی ماموں زاد بہن ہوتی تھیں +

[۲]۔ آپ نے ایک کتاب بھی موسومہ "حیات ابدی" یعنے سوانحعمری حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تالیف فرمائی ہے جو دفتر صوفی سے ۸ر کو مل سکتی ہے + (المترجم)

ہٹادیں مگر بفضلہ وہ اثر بڑھتا گیا اور آج کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح بزرگان سلف نے پہلے ریاضات و مجاہدات شاقہ کے بعد اس فرض کو پورا کیا۔ اسی طرح حضرت نے بھی اس کو پورا کیا۔ بہرحال اہل ظاہر جو ظاہری لباس اور ظاہری نمود کو ہر رنگ میں دیکھتے ہیں ان کو معلوم ہو گیا کہ فرائض اسلام اور پابندیاں اشاعت دین و مخلوق کے بارہ میں ہمارا خیال غلط ہے جو وہبی قوتیں اور جو عطیات رحمانی ایک انسان میں ہوتے ہیں انکو مادی اثرات کبھی نہیں زائل کر سکتے۔ ہاں اسی کو حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہ نے یوں فرمایا ہے "کہ خدا کے بعض ایسے بندے ہیں کہ انہیں دوزخ کا خوف اور بہشت کی اُمید محبت الٰہی سے باز نہیں رکھ سکتی پھر دنیا اُنہیں محبت الٰہی اور ذکر خدا سے کیونکر باز رکھ سکیگی"۔ بلبل کی شوریدہ نوائی اور روح مستانہ کی وارفتگی کبھی گل و سامان کے ظاہری بستان سے کم نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ وابستگیاں اُس عالم سے ہوتی ہیں نہ کہ اس عالم سے ؎

عام رجحان

حضرت کی ذات بابرکات کے ساتھ پبلک کو کیا گرویدگی اور تعلق ہے اس کا اندازہ لفظوں سے نہیں بتایا جا سکتا۔ جن شہروں اور گوشوں تک آپ کے قدوم پہنچے ہیں۔ وہاں کے ایسے لوگ بھی آپ کے شیدائی پائے گئے جو عام طور سے صوفیوں کی نسبت کچھ اچھے خیالات نہیں رکھتے اور نہ جن کو یہ اعتقاد ہے کہ صوفیائے کرام پر عرفان کی حقیقت عیاں ہے اور اہل تصوف دنیا میں حل و عقد روحانی کے کلید بردار ہیں۔ ایسے حضرات بھی آپ سے مل کر آپ کے علمی اور روحانی کمالات کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ اس کشش اور میلان کو آپ کے اعلےٰ اخلاق برگزیدہ تہذیب اور نہایت روشن اور دلکش تقریر کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ مسلمان۔ ہندو۔ عیسائی اور

ہندوستان کی ہر قوم کے عام و خاص جن کو چند منٹ بھی حضرت سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے وہ حضرت کے معترف اور مداح پائے گئے ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں جب حضرت گورکھپور میں تھے تو ایک اسلامی تھیاصوفیکل سوسائٹی کی بنیاد آپ کی توجہ سے پڑی تھی جو آج انجمن اسلامی کی معنوی صورت میں جلوہ گر ہے"۔ گورکھپور کے مسلمان طلبا نے حضرت کو ایک ایڈریس اسلامی لائبریری کی جانب نگاہ کرم مبذول فرمانیکی خاطر دیا تھا جس کے ایک حصہ کا انتخاب دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"اے شاہِ حسن چشم بحال گدا فگن
کیں گوش بس حکایت شاہ و گدا شنید

عالیجاہ!

ہمارے دائرہ معلومات میں ایسا کوئی جامع لفظ نہیں ہے جس سے ہم حضور کو اس ایڈرس میں اپنے عرض حال کی طرف مخاطب کرنیکی جرأت کریں۔ اس لئے ہم سادگی اور سنجیدگی سے جو انتہائے خلوص کا ایک لازمی جزو ہے اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں حضرت کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس لائبریری میں والاجاہ کی تشریف آوری کو اپنی جماعت اور اس کے مقاصد دلی کی ایک بین کامیابی سمجھتے ہیں کیونکہ جب سے عالیجاہ میں فوراور گرمی کے ساتھ یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ اس شہر میں اسلامیت اور روحانیت کی روح پھونکی جائے اور خاصکر نوجوانوں میں زندگی اور جذبات پیدا کئے جائیں تو ہم یہاں ایک قسم کی علم و عمل کی حرکت بابرکت پاتے ہیں"۔ "ہم اس جگہ اپنی آرزو اور حضرت کی موجودگی کے بارہ میں حافظ علیہ الرحمۃ کی زبان میں یہ کہتے ہیں ؎

اے کہ باسلسلۂ زلفِ دراز آمدۂ | فرصتت باد کہ دیوانہ نواز آمدۂ
ساعتے ناز مفرما و بگرداں عادت | چوں بپرسیدن ارباب نیاز آمدۂ

مخترم ذات بابرکات! آپ کو ذوق شوق اور روحانیوں کی دنیا سے دلچسپی ہے مگر تھوڑی دیر کے واسطے یہ سوچنا ہے کہ جس خدا برحق اور رسُول برگزیدہ کے درویش اور صوفی عاشق ہیں اس کے دین اور مسلک کا کیا حال ہے دنیا میں۔ کیا محبوب ترین دین اور مسلک کی حالت زار سے عشاق الہٰی کے قلوب بیچین نہ ہونگے وقت آگیا ہے کہ غازیان اسلام ایثار سے کام لیں۔ علمار اسلام علم کی خیرات عام کریں۔ شعرا اپنے کلام میں قومی اور مذہبی پاک جذبات کو جگہ دیں۔ اور صوفی اور درویش اپنی دعاؤں اور اپنے روحانی طریقوں سے ملک اور ملت کو جگائیں۔ مگر سب سے زیادہ اس طبقہ اور چمن میں آبیاری اور فیض کی ضرورت ہے جہاں اسلام کے نونہال۔ اسلام کی آرزوئیں اور اسلام کی ہری ہری فصلیں ہیں۔ ان پودوں کو مذہب اور روحانیت سے سینچنے کی ضرورت ہے اور ان کو زمانہ کے آفات سرد اور گرم سے محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ بلکہ اُس ابر رحمت اور اُس باغبان کی ضرورت ہے جو فصلوں کو مالامال کرتا اور چمن کو خس و خاشاک سے پاک کرکے ایک نمونہ ارم بناتا ہے۔ اور وہ باغبان اے مقدس درویش ہم آپ کے کمالات اور خیالات میں پاتے ہیں جس کے ثبوت میں صرف اس قدر ہمارے دل سے نکلتا ہے کہ اس سن و سال میں عالیجاہ نے جو صوری اور معنوی کمالات پیدا کئے ہیں اور جو برقی کشش اپنی روح میں جذب کی ہے اس سے ہمارے ظاہری اور باطنی عالم میں ایک منور امیدگاہ قائم ہوگئی ہے۔ ہماری کور آنکھیں اور ہمارے چھوٹے دماغ جناب کی شخصیت کے ہر پہلو پر بسیط نظر نہیں ڈال سکتے اور اس لئے ہم سکوت اور تحیر سے کام لیتے ہیں ؎

قلم راآں زباں نبود کہ سرِّ عشق گوید باز

ورائے حدِ تقریر ست شرحِ آرزومندی

مختصر یہ کہ حضور کو اُس بزرگ اور ولی کامل سے تعلق ہے جس کے سلسلہ وارثی ہیں

بڑے بڑے فلسفی بڑے بڑے مقنن اور بڑے بڑے مشاہیر مسلمان - ہندو اور عیسائی قوم کے بزرگ فخریہ منسلک ہیں اور اس لئے ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہماری آرزوئیں شاندار طریقہ سے پوری ہونگی اور ہم کو علمی اور روحانی دونوں فیض حاصل ہونگے - حضرت ریاض کے چند شعر ہمارے اس موقعہ پر ہماری بیزبانی کی ترجمانی کرتے ہیں ؎

غریب ہم ہیں غریبوں کی بھی خوشی ہو جائے — نظر حضور ادہر بھی کبھی کبھی ہو جائے
ہیں اس نگاہ کے صدقے یہ ہو اثر جس میں — کہ دل میں درد بھی اُٹھے تو گدگدی ہو جائے
نہ پوچھو بادہ گساران بزم وارث کی — یہ دیکھ دیں سوئے واعظ تو وہ ولی ہو جائے
مٹا رہا ہوں شب و روز اس لئے خود کو — فنا کے راز سے مجھکو بھی آگہی ہو جائے
نگاہ فیض سے تیرے عجب نہیں وارث — ریاض سا سگ دنیا بھی آدمی ہو جائے

اخیر میں ہم اجڑا ہوا دل حضور کے نذر کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ حضور کے انوار اس میں گھر کریں گے اور اس کو دین اور دنیا کی تزئین سے آئینہ خانۂ قدسیان بنا دیں گے - حضور اس سمع خراشی کو معاف فرمائیں اور اس ایڈریس کو قبول فرمائیں ؎

داری خیال پرسش عشاق بینوا — گویا کہ بوئے صدق از ایشان شنیدۂ
پایم نمی رسد بزمیں دیگر از نشاط — تا سوئے من بلطف و عنایت تو دیدۂ

ہم ہیں خادمان حضور
ممبران "محمڈن لائبریری گورکھپور"
۸ - دسمبر ۱۹۱۲ء

اس کا جواب حضرت کی طرف سے نہایت مختصر لفظوں میں دیا گیا جسکا اختصار معنویت کے لحاظ سے نہایت گران اور وسیع ہے کیونکہ اسلام کی موجودہ نسل کے سامنے اس سے بہتر اور کوئی دوسرا خیال نہیں پیش کیا جا سکتا - وہ خیالات یہ ہیں :-

"ممبران محمڈن لائبریری!

میں ایک ناچیز فقیر اور گوشہ نشین ہوں۔ آپ لوگوں نے جو میرا خیر مقدم کیا اور ایسے پرجوش الفاظ میں میری بے بضاعت خدمات کا ذکر کیا۔ آپ ہی بتائیں میں کن الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کروں۔ فقیر کے پاس ایک دعا خیر ہے اور اس کی ذات ہے اور وہ حاضر ہے۔ میں آپ کی لائبریری دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور میں دل سے آپکی کوششوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں پھر آپ کے ایڈریس کے جذبات کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ اور حیران ہوں کہ میں کن الفاظ میں آپ کے خیالات کی تائید کروں۔ اس لئے کہ اس وقت دنیاء اسلام میں ایک عجیب تلاطم ہے۔ اور خاصکر اُن طبقوں میں جو علم و عمل سے واسطہ رکھتے ہیں بلکہ عام خیال ہے کہ اب اسلامیت کا نیا دور ہے۔ اور اس دور میں ضرورت ہے کہ ہم کچھ غور و فکر سے کام لیں اور دیکھیں کہ ہم کہاں جا رہے تھے اور اب کہاں جانا چاہیئے۔ ان کشاکش واقعات عالم میں نوجوان نسلوں کے سنبھالنے اور باخبر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی لوگ دور اسلامیت کے رہنما اور یہی لوگ اسلام کے نامور کارناموں کے ہیرو ہوں گے۔ میں آپ کے اغراض اور مقاصد سے پوری طرح ہمدردی کرتا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اسلامک تھیوصوفیکل سوسائٹی کے ساتھ ان کی کامیابیاں وابستہ ہیں۔ میں پھر سچے جوش کے ساتھ آپ لوگوں کی پرجوش آرزوؤں سے پوری ہمدردی کرتا ہوں اور یہ عرض کرتا ہوں کہ اکثر بہترین جذبات دل سے زبان تک نہیں آتے اور انہیں جذبات میں میری وہ خیر طلبی اور دعا دلی ہے جو میں آپ سب صاحبوں کے واسطے اپنے دل میں موجزن پاتا ہوں"۔

اسی طرح جب حضرت ۱۹۱۳ء میں تشریف فرما تھے تو مسلمانوں۔ بنگالیوں ہندوؤں اور انگریزوں کے اصرار سے چھپرہ ٹاؤن ہال میں "عرفان نفس" پر ایک نہایت

عالمانہ لکچر ہوا جس کے جذبات نے حاضرین پر ایک خاص اثر کیا اور بلا انتیاز کے ہر مذہب کے لوگ آپ کی روحانیت اور آپ کے مراتب سے واقف ہو کر آپ سے روحانی فیوض کیلئے رجوع ہوئے۔ اس لکچر کے بعد کیا خاص حالت قلوب کی ہوئی وہ ایک یوروپین کے خط سے ظاہر ہو سکتی ہے جو اُس نے حضرت کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ چھپرہ کے سپرنٹنڈنٹ پولیس جناب مسٹر ایچ۔ یو۔ بیکر صاحب کا خط ہے*

(ترجمہ خط)

"میرے لئے یہ ایک مسرت کا موجب ہے کہ آپ سے ملاقات ہوئی اور آپکے سلسلہ تبلیغ کے متعلق کل باتیں معلوم کر کے بھی مسرت ہوئی آئندہ میں اس سلسلہ کے کاموں کی برابر دلچسپی کے ساتھ متابعت کرونگا۔ مجھکو جب کبھی آپکے تعلیمات وغیرہ وغیرہ کے سننے کا موقع ملتا ہے تو میرے دل میں اسکا یقین قطعی پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد اعظم منجانب اللہ ہے۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ جاری رہے کہ اسکی عظمت اور جلالت کا نشاں رہے"*

میں ہوں نہایت مخلصانہ آپکا ہمدرد مداح

ایچ۔ یو۔ بیکر

۷۔ مئی ۱۹۱۳ء چھپرہ

اسی قسم کے صدہا خطوط ہیں جو اطراف وجوانب سے خدمت میں آئے اور آتے رہتے ہیں اور ملک کے اردو اور انگریزی اخباروں نے آپ کے لکچر کے اقتباسات کو دور دور پہنچا کر اہل نظر کو تنقید اور تعارف کا موقع دیا۔ غرض ایک عجیب ذات بابرکت ہے جس کی مثال ایک برقی روحانی شمع سے دیجا سکتی ہے کہ وہ جہاں نمایاں ہوئی وہیں ہر سمت سے نظریں اُٹھنے لگتی ہیں اور پروانوں کی جان نثاری کا تماشہ ہونے لگتا ہے*

دیباچہ مُصنّف کا ترجمہ

جناب اقدس حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ کو "نور ہندوستان" کہتے تھے۔ ابھی بہت سے آپ کے والہ و شیدا ایسے ہیں جن کے حافظہ میں اس نور کی نورانیت ابتک جلوہ گر ہے جو روحانی دنیا پر جلوہ فگن ہوا تھا۔ جو لوگ روحانیت سے مالامال تھے وہ اس نور کی نورانیت کا اندازہ کر سکتے تھے۔ ہاں۔ میرا اس بے ثبات دنیا سے بیزار ہوکر اس مقدس ذات سے متوسل ہونا محض مولائی حضرت مخدوم حسام الدین مانکپوری قدس سرہٗ کے روحانی ایمار سے ہوا جو اپنے وقت کے جلیل القدر اولیاء کرام تھے۔ ہزاروں ایسے ہیں جو روح القدس سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اس فیض اور تعلیم کی تکمیل ایسی ہوتی ہے جسکی مثال مادی دنیا میں مفقود ہے۔ ان کے لئے اس بزرگ کی حیات ارضی کا ایک مختصر تذکرہ شاید روحانی دلچسپی پیدا کرنے سے قاصر نہ رہیگا اور میں نے ذیل کی سطروں کو پبلک کے سامنے لانیکی جو ہمت کی ہے وہ محض اس خیال سے کی ہے ✣

سید غفور شاہ الحسامی الوارثی

چٹاگنگ

۳۰۔ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور اقدس و اکرم حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ اُن نفوس آسمانی میں سے تھے جن کا ظہور فرشتوں کی آمد کی طرح بہت ہی شاذ اور بہت زمانہ کے بعد ہوتا ہے۔ ایسے نفوس ارض کی بہترین نعمت ہیں۔ یہ مینہ کی تازگی بخش ترشح کے مثل ہیں جو مردہ اور سوختہ جان دنیا میں تازہ زندگی پیدا کرتے ہیں۔ ایسے نفوس پر یہ اقوال پورے اُترے ہیں "انی جاعل فی الارض خلیفۃ"۔ (انسان خدا کا خلیفہ ہے) "ان اللہ خلق ادم علیٰ صورتہٖ" (انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا) "من رآنی فقد رای الحق" (جس نے مجھکو دیکھا اُس نے خدا کو دیکھا)۔ اس تشکیک اور مادہ پرستی کے زمانہ میں مندرجہ بالا اقوال کے حقیقی مطالب اکثر غلط سمجھے گئے ہیں۔ جن کی تشریح اس طرح سے کیجاتی ہے کہ یہ مذہب کے ایسے تشبیہی مقولے ہیں جن میں خدا صفات انسانی کیساتھ متصف مانا گیا ہے۔ انسان حقیقتاً اور واقعی اپنے اعلےٰ ترین روحانی عنصر میں اپنے خالق کیساتھ عین مظہر خدا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسکا پودا علم فلسفیوں کے مختلف گروہ میں نہیں بلکہ انسانی قلب کے اعلےٰ ترین جذبات میں ہے عقل اور اعتقادات سلطان عشق کے سامنے سرنگون ہوتے ہیں۔ عشق ایک خاص امانت ہے جسے خدا نے انسان کو عطا کیا ہے۔ یہ قلب[1] انسانی کے ذریعہ سے

[1] قلب انسانی کی عظمت کلام پاک کی اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے جس میں امانت الٰہی اور اسرار الٰہی کا گنجینہ انسانی قلب میں پایا جاتا ہے "اِنَّ عرضنا الامانت علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان"۔ اور حضرت حافظ نے بھی اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آسمان بار امانت نتوانست کشید + قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند (المترجم)

ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچایا گیا ہے لیکن اسکا سرچشمہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔ جب کبھی عشق کی موجیں قلب انسانی میں دھیمی اور آہستہ ہو جاتی ہیں تو ایک حتمیم بالشان منور رفیع صورت انسانی میں ظاہر ہوتی ہے تاکہ ان موجوں کو پھر متلاطم کرے۔ اور پژمردہ روحوں میں جان ڈالے۔ حضرت حاجی وارث علی شاہ انہیں ارباب روحانیت سے تھے۔ آپ دیوا (بارہ بنکی۔ اودھ) میں ۱۲۳۸ھ (۱۸۲۳ء) میں منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔ ایسے ہی ذات بابرکت کی نسبت کہا گیا ہے کہ اپنے زمانہ کے مجدد ہوتے ہیں۔ وہ نہایت تکمیل کے ساتھ ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو بسا اوقات اُن کے ہمعصروں کے دائرہ فہم و ذکا سے ر اوراء ہوتے ہیں دیوا استثنا میں داخل نہ تھا۔ یہاں کی ہوا بالذات روحانی تھی۔ حضرت شاہ منعم حضرت شاہ روشن اور حضرت شاہ قربان علی جو جناب اقدس کے والد ماجد تھے اور ایک مشہور بزرگ تھے۔ یہ سب حضرات دیوہ میں رہے اور یہیں رحلت فرمائی۔ اِس خاندان کی روش بھی بالکل مذہبی تھی۔ حضرت حاجی خادم علی شاہ کو آپ سے بہت قریبی تعلق تھا یعنے آپ کے نسبتی بھائی ہوتے تھے۔ وہ آپ کے روحانی ہادی بھی تھے گرد و پیش کے سامان اس طرح پر ایک روحانی وجود کے ارتقا کے لئے حقیقتاً مناسب تھے دنیاوی حیثیت سے بھی یہ خاندان کافی طور سے مشہور تھا۔ فی الحقیقت یہ خاندان اپنے نواح میں ممیز تھا۔ اسکے تعلقات بھی ملک کے اعلےٰ خاندانوں سے تھے۔ خاتمہ پر جو شجرہ دیا گیا ہے اُس سے اس خاندان کا حسب و نسب معلوم ہوگا +

کائنات کے خاص درجے ہوتے ہیں۔ انکے ظہور میں مقامی اور شخصی معانی کے علاوہ اور معانی بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ انکے ظہور کا انتظار اشتیاق اور توقع کے ساتھ کیا جائے اور بصارت باطنی سے فیضیاب وجود قبل از وقت بشارت دیں۔ حضرت اقدس کے متعلق حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ

(جو حضرت اقدس سے پہلے سلسلہ قادریہ کے چھٹی پشت میں تھے) اور حضرت شاہ نجات اللہ قدس سرّہ نے (جو سلسلہ چشتیہ میں حضرت سے پہلے تیسری پشت میں تھے) آپ کے آمد کی بشارتیں دی تھیں +

حضرت اقدس کے والدین جبکہ آپ دو یا تین سال کے تھے انتقال فرما گئے۔ حوادث زمانہ در پردہ رحمت ہوتے ہیں" شاید شروع کی محرومی ان فیوض کی علامت تھی جو خدا نے آپ کی حیات کے زمانہ میں ودیعت کئے تھے۔ آپ نے اپنی محترمہ دادی کی شفقت آمیز نگرانی میں نشو و نما پائی۔ پانچ برس کی عمر میں آپ مکتب میں بھیجے گئے یہاں آپنے قرآن حفظ کیا اور کچھ عربی اور فارسی پڑھی۔ خداداد اور فطرتی قابلیت کے شخص کے انداز عجیب ہوتے ہیں۔ لڑکپن کے زمانہ میں حضرت اقدس کی نسبت کہتے ہیں کہ آپ اکثر غور خوض میں رہا کرتے تھے اسلئے آپکے اوستاد کو شکایت کے اکثر مواقع پیش آئے۔ لیکن آپ میں فطری ذہانت غیر معمولی درجہ تک موجود تھی۔ آپ کی طبیعت ذکی الحس تھی اور آپ کے جذبات نہایت عالی اور پرجوش تھے +

حضرت اقدس سلسلہ درویشی میں چودہ یا پندرہ برس کی عمر میں بظاہر داخل ہوئے سنہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) میں حضرت حاجی خادم علی شاہ علیہ الرحمنہ کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کی۔ اس ابتدائی عمر میں آپ کی طبیعت میں خاموشی اور دنیا کے معمولی کاروبار کیطرف سے عدم توجہ پائی جاتی تھی۔ آپ کو تنہائی اور غور و فکر عزیز تھی۔ اور اکثر راتکو آپ باہر نکل جایا کرتے تھے تاکہ مناظرہ قدرت کا مشاہدہ کریں اور اس پر غور فرمائیں۔ آپ پر کبھی کبھی غشی کی حالت بھی طاری ہو جاتی تھی۔ آپ کے سرپرستوں نے اسوجہ سے آپ کو حضرت حاجی خادم علی قدس سرّہ کے پاس بغرض علاج بھیجا۔ وہاں آپ حضرت شاہ محمد اکبر سے ملے جو اسوقت اس شہر کے قطب تھے

ان بزرگ نے جناب اقدس کی باطنی کیفیت کو فوراً پہچان لیا اور فرمایا کہ آپ پر روحانیت کا غلبہ ہے۔ حقیقتاً آپ مادر زاد ولی تھے۔ جناب خادم علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وجہ سے نہ صرف آپ کو ظاہری طریقہ کے ساتھ سلسلہ میں داخل کیا بلکہ آپ کو اپنا روحانی قائم مقام نامزد فرمایا۔ حضرت حاجی خادم علی شاہ علیہ الرحمۃ نے تھوڑے دنوں کے بعد اسی سال دنیا سے رحلت فرمائی۔ بعد بیعت کے حضرت اقدس تارک الدنیا ہو گئے۔ اور اپنی تمام ملکیت و جائداد خاندانی اپنے عزیزوں کو دیکر سنہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) میں عازم سفر حرمین شریفین ہوئے۔ سفر کا تمام راستہ پیادہ پا طے فرمایا۔ حضرت سنہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء) میں وطن واپس آئے۔ جن مقامات اور ملکوں میں آپ نے سیاحت فرمائی اُن میں سے بعض یہ تھے۔ عرب، ایران، روس، شام، کربلا، قسطنطنیہ، بیت المقدس، نجف اشرف، بغداد، اور سراندیپ اور ان زیارت گاہوں سے آپ مشرف ہوئے۔ حضرت آدم (سراندیپ) حضرت ابراہیم (خلیل الرحمٰن) حضرت سلیمان۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت مریمؑ (بیت المقدس) حضرت حوا (جدہ) حضرت امام حسنؓ (مدینہ) حضرت امام حسینؑ (کربلا) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ (بغداد) حضرت امام موسیٰ رضا (مشہد)

مدینہ منورہ میں آپ ایک درویش سے ملے جنہوں نے کہا کہ میں ایک عرصہ سے آپ کے انتظار میں تھا۔ اثنائے ملاقات میں اس باکمال درویش نے حضرت اقدس پر آپ کی وہبی ولایت کو نمایاں کر دیا اس انکشاف نے حضرت کو ازخود رفتہ کر دیا۔ جب اس حالت سے آپ کو سکون ہوا تو دیکھا کہ درویش امانت روحانی کو سپرد کر کے اپنی ظاہری ہستی سے رخصت ہو چکا ہے۔ حضرت کی زندگی کے اس حصہ کی حکایات لامعلوم ہیں۔ حضرت کے ساتھ سفر میں کوئی شخص

برابر ہمراہ نہ تھا۔ اور اس زمانہ کے واقعات کی نسبت صرف جو ذرائع واقفیت کے ہیں وہ حکایات ہیں جو حضرت اقدس سے خود کبھی کبھی سنے گئے ۔:۔

دنیا کے مال اور اسباب کے ایثار کرنیکے علاوہ حضرت اقدس نے سخت ریاضتیں اور مجاہدات بھی کئے۔ آپ نے زندگی کی معمولی سے معمولی حظ بخشنے والی چیزوں سے بھی اجتناب کیا۔ آپ پانچ چھ روز بلکہ اس سے بھی زیادہ دنوں تک متواتر فاقہ کرتے تھے۔ آپ نے حیوانی غذا بالکل ترک کر دی تھی۔ آپ کبھی پلنگ پر نہیں بیٹھے بلکہ تمام عمر زمین ہی بستر استراحت رہی۔ آپ برابر پیادہ پا سفر کرتے تھے۔ اور جب تک آپ بوجہ ضعیفی چلنے سے معذور نہیں ہوئے آپ نے کبھی کسی سواری سے کام نہ لیا۔ آپ نے نہ اپنے بسر اوقات کا کوئی ظاہرہ ذریعہ رکھا تھا اور نہ کھانے کا کوئی خاص انتظام تھا اور نہ رہنے سہنے کیلئے کوئی جگہ تھی۔ لباس کا یہ طریقہ رہا کہ وہی احرام[۱] جو آپنے پہلے حج میں باندھا تھا مثل اوسی کے بقیہ زندگی میں بھی برابر

[۱] حضرت اقدس نے اوّل بار حج میں جو احرام باندھا اسی قسم کا احرام تمام عمر آپکا لباس رہا۔ اور یہی احرام جو خانہ خدا کی اوّل زیارت میں ملبوس دربار یار تھا اپکو اس درجہ عزیز تھا کہ جب آپ واصل حق ہوئے تو اوسکو علیحدہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ گویا جس شان اور جس دہج سے عالم ظاہر میں زائر خانہ خدا ہوئے اسی پیراہن عاشقانہ میں عالم غیر فانی میں بھی زائر انوار حق ہوئے۔ کیونکہ شہدائے حق اپنے خون آلود کپڑے ہی میں دفن ہوتے ہیں! اور یہ حضرات عاشقان الٰہی بھی کشتہ حق ہوتے ہیں اسلئے آپکے لئے بھی یہی لباس اور رنگ موزوں تھا۔ غرض ہمت درویشانہ نے اسکو گوارا نہ کیا کہ جسکے نام پر احرام باندھا پھر اس کو تن سے جدا کریں۔ یہی خرقہ آپکے خرقہ پوش خادمان کی وردی ہے جسکی یکرنگی اور ادا امتیاز تمام خرقوں سے علیحدہ اور فرد ہے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی اس خرقہ کو "خدائی وردی" کے لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں۔ "عرب کے سفر کے بعد اپنا احرام نہیں اوتارا اور یہ خدائی کفن ہمیشہ کیلئے پہن لیا۔ درویشی کیواسطے اس لباس سے بڑھکر اور کوئی لباس نہیں ہو سکتا جو خود خدا نے اپنی حضوری کیلئے مقرر کیا ہو۔ احرام ایک ایسا لباس ہے جو الٰہی دربار میں شاہ و گدا کو یکساں پہننا پڑتا ہے اور جو امیری و غریبی کے فرق کو مٹا کر یکرنگ وحدت قائم کر دیتا ہے جس طرح دنیاوی حکام کی وردیوں کے آداب اور طریقے مقرر ہیں خدائی وردی کے بھی آداب اور قواعد ہیں۔ پولیس کی وردی پہنکر کوئی شخص فرائض پولیس کے خلاف کام نہیں کر سکتا اسی طرح خدا کی وردی بھی انہی کو ملتی ہے جو سب کو ترک کر کے خدا کے بن جائیں"۔ (المترجم)

پہنتے رہے۔ اور وہی احرام نما خرقہ آپ کے خاص الخاص مریدین کا ممیز لباس ہے ✣
مختلف قسم کی چیزیں نذر اور تحائف کے قسم سے بمقدار کثیر آپ کے محبت کرنیوالے عقیدت شعاروں کی طرف سے پیش کش کئے جاتے مگر جو حاضرین موجود ہوتے تھے انہیں تقسیم کر دیئے جاتے مقدس سے مقدس وجود بھی بغیر دشمنوں کے نہیں ہوتے۔ یہ مخالف ہستیاں ارفع طبائع کی مضبوطی کے امتحان کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔ قاسم گنج (بارہ بنکی) میں ایک شخص گنگا بخش چودھری نامی رہتا تھا جس نے مختلف طریقے سے حضرت کے منوسلین کو اذیت پہنچائی۔ لیکن حضرت اقدس نے صبر و رضا سے کام لیا۔ اگرچہ اس چھوٹے سے ظالم کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کیلئے آپ میں کہیں معمول سے زیادہ قدرت تھی ✣

مریدین اعلےٰ طبیعتیں اپنے برکات اور عنایات میں تفریق نہیں کرتیں دولت۔ منصب۔ نسب۔ مذہب اور تمام ایسے اختلافات جو ایک آدمی کو دوسرے سے جدا کرتے ہیں انکے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتے تاجدار اور فقیر۔ مسلمان۔ ہندو۔ عیسائی۔ یہودی سب آپکے خرمن کرم کے خوشہ چین تھے۔ چند لوگوں نے باقاعدہ اسلام قبول کیا۔ اور بعض نے اپنے مذاہب کے سچے اصول کا آپ کی ذات میں مشاہدہ کیا اور اُس کے گرویدہ ہو گئے ✣

حضرت اقدس کے مریدین اسوقت تقریباً چار لاکھ ہیں۔ عموماً انکے دو گروہ ہیں۔ اوّل ہیں وہ لوگ ہیں جنہیں خرقہ پوش کہتے ہیں جو دنیا کو ترک کرنے کے بعد نوبد معرفت کے پہنچانے میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :-

(۱) وہ جنھوں نے حضرت سے خرقہ کے لئے نہایت منت وسماجت کی اور حضرت اقدس نے اپنے غایت درجہ کے رحم کی وجہ سے اس کو عطا کیا۔ حضرت کا کبھی یہ

یہ دستور نہ تھا کہ آپ کسی کی التجا کو رد کرتے یا کسی کی دلشکنی فرماتے۔

(۲) وہ جنہیں اُن کے روحانی اکتسابات اور اہلیت کے خیال سے حضرت نے خرقہ بلا التجا کے عطا فرمایا انکا شمار کم ہے مگر یہ وہی لوگ ہیں جو در حقیقت خرقہ پوش کہے جانے کے مستحق ہیں۔ آہ خوش نصیب ہے وہ ذات جس میں اپنی حالت کے بدلنے کا خود بخود خیال ہوا۔ ایک تیسرا گروہ بھی ان خرقہ پوش کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ تو حضرت سے خرقہ حاصل کیا ہے اور نہ اُس کے استعمال کی اجازت کسی ایسے شخص نے دی ہے جس کو اس امر کا مجاز ہو۔ مگر وہ اسکو اپنی طبیعت سے پہنتے ہیں حالانکہ انمیں نہ تو وہ اکتسابات تھے اور نہ وہ صفتیں تھیں جو اسکے استحقاق کے لئے لازمی ہیں۔ ان شخصوں کو خرقہ پوش کہنا صحیح نہیں۔ یہ نمایشی اور فرضی ہیں۔

مُریدین کا دوسرا گروہ ان لوگوں سے مشتمل ہے جو باوجود دنیوی تعلقات ترک نہ کرنے کے حضرت اقدس کے مریدین کے حلقہ میں ہیں۔ ان کو بھی دو جماعتوں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ جماعت اوّل میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت کے چند اقوال وافعال کو سچے دل سے اپنا نصب العین رکھا ہے۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں جو کسی نہ کسی اعتبار سے حضرت سے عقیدت رکھتے ہیں اور حضرت بے حد رحیم ہونیکی وجہ سے نہایت ہی ادنےٰ آدمی کے دل کو بھی رنجیدہ کرنا کبھی مناسب نہ سمجھتے تھے اور اس آخری جماعت میں وہ لوگ ہیں جو باوجود اس کے کہ دوسرے مذہب کے پیرو ہیں اور اپنے ان طریقوں کی پابندی کرتے ہیں جو اکثر خلاف اسلام ہیں پھر بھی انہیں سلسلہ وارثیہ سے منسلک ہونیکا فخر ہے۔ اگرچہ ان کے درمیان بہت سے اختلافات وحالات حائل ہیں مگر ان میں بھی حضرت کا اثر صاف صاف نمایاں ہے جو اپنی تمام عمر میں ایکدفعہ بھی اتفاقیہ حضرت اقدس کی فیاض نگاہوں سے

بارریاب ہوئے ہیں۔ ایسے شخصوں میں بھی باوجود انکی تمام کمزوریوں اور نقائص کے ہمیشہ کچھ ایسی باتیں پائی گئیں ہیں جن سے یہ اپنے ہم مذہبوں سے ممیز پائے گئے ہیں آپ کی نظر مثل رنگ کے ہے جو مختلف چیزوں پر اُن کی ساخت کے مطابق مختلف طرح سے ظاہر ہوتا ہے۔ باریک ململ پر رنگ خوب کِھل جائیگا مگر ایک موٹے کپڑے پر ایسی امید کرنا فضول ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم وخس

یہاں بہ سبیل تذکرہ چند نام یاد آگئے ہیں جو حضرت کے قافلۂ جان نثاران سے ہیں ؛

جناب خلیفۃ المسلمین عبدالمجید خاں سلطان ٹرکی۔ قسطنطنیہ میں عبداللہ حاجب حضرت کے مریدوں سے تھے۔ انکے سپرد محل سلطانی کے باغات تھے۔ جب حضرت قسطنطنیہ تشریف لے گئے تو ان کے یہاں فروکش ہوئے آخر الذکر حضرت کو ایک روز شاہی باغ میں لے گئے اور حُسن اتفاق سے سلطان بھی اس روز باغ کی سیر کو تشریف لائے اور حضرت سے ملاقات ہوئی۔ سلطان پر آپ ایسے مہمان کا بہت اچھا اثر ہوا اور وہاں سے چلے جانیکے بعد حضرت اقدس کی نسبت بہت سی باتیں دریافت کیں اور آخر کار آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ؛

حافظ احمد شاہ متوطن آگرہ۔ آپ کو پہلے حافظ خدا بخش کہتے تھے۔ یہ دھرم پور اسٹیٹ میں ملازم تھے۔ یہ روحانیت کے سرگرم متلاشی تھے۔ یہ بہت سے درویشوں کے پاس حاضر ہوئے مگر کسی سے آپ کی تمنا پوری نہ ہوئی آخر کار دیوہ میں حضرت کی خدمت میں آئے وہاں آپکے روحانی کمال کا انکو پورا یقین

پیدا ہوا اور مرید ہو گئے۔ کچھ زمانہ کے بعد خرقہ وارثیہ انکو عطا ہوا۔ اس کے بعد حافظ صاحب نے ملازمت ترک کی اور دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔ یہ ایک فاضل بزرگ تھے۔ اور انہوں نے اعلےٰ روحانی ترقی کی تھی۔ اس فاضل درویش نے کئی سال تک آزادانہ زندگی بسر کر کے ۱۲ اپریل ۱۹۱۲ء میں محبوب حقیقی کیساتھ دائمی وصل کیلئے رحلت کی۔ آپ کی لاش دیوہ میں حضرت کے پائیں میں دفن کیگئی ۔

فضیحت[۱] شاہ صاحب۔ آپکو پہلے مولوی ظہور علی کہتے تھے۔ یہ بازیدپور ضلع گیا کے رہنے والے تھے۔ آپ حقیقت اور روحانیت کے نہایت مستعد طالب تھے

۱؎۔ آپ نے ایک سلام حضرت کی شان میں لکھا ہے جو کہ ذیل میں درج ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ (المترجم)

السلام اے فانی ذات خدا　　السلام اے نور عین مصطفےٰ
السلام اے وارث ارث علی　　السلام اے واقف سر خفی
السلام اے شافع روز جزا　　السلام اے دافع رنج و بلا
السلام اے پیشوائے راہ دیں　　السلام اے حامی دین متیں
السلام اے محرم اسرار عشق　　السلام اے بانیٔ اطوار عشق
السلام اے واقف اسرار حق　　السلام اے کاشف اذکار حق
السلام اے شاہباز لامکاں　　السلام اے ہادیٔ ہر انس و جاں
السلام اے نور عین ہر نبی　　السلام اے خواجہ وارث علی
السلام اے پیشوائے متقی　　السلام اے رہنمائے ہر ولی
السلام اے شاہسوار لافتیٰ　　السلام اے خضر راہ اصطفیٰ
السلام اے سید وارث علی　　السلام اے خواجہ ہند الولی
السلام اے ہادیٔ روشن ضمیر　　السلام اے شاہد برنا و پیر
السلام اے مہر اوج کبریا　　السلام اے ماہ گردون علا
السلام اے نیر برج شرف　　السلام اے نور بخش ہر طرف

السلام اے باعث نظم ظہور
السلام اے آمر کن نفخ صور

ایک مدت دراز تک بہار کے مشہور سادھو ماد ھوداس کے ساتھ رہے مگر آپ کی روحانی تشنگی کی آگ نہ بجھی۔ آخر کا حضرت شاہ مسافر علی چشتی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوئے اوران بزرگ نے شاہ صاحب کو خلافت بھی بخشی۔ رحلت کے وقت اس ولی اللہ نے شاہ صاحب کو ہدایت کی کہ یہ جائیں اور حضرت اقدس حاجی وارث علی شاہ کو تلاش کریں اور حضور اطہر کے مسترشد ہو جائیں۔ اس طور سے وہ دیوہ تشریف لائے اور حضرت کی جناب میں عرصہ دراز تک حاضر رہے آخر کار انہیں خرقہ وارثیہ عطا ہوا۔ آپ اس سلسلہ کے نہایت ترقی یافتہ اور ممتاز رکن ہیں ؞

سید عبدالآد شاہ ۔ آپ شاہو بگھا ضلع گیا کے باشندہ تھے۔ ان کو حکیم مبارک حسینؒ کے نام سے لوگ جانتے تھے۔ مولانا سید فخرالدین احمدؒ صاحب المعروف بہ حکیم بادشاہ نقشبندی علیہ الرحمۃ الہ آبادی کے شاہ صاحب مرید تھے۔ اور شاہ صاحب اچھے طبیب تھے۔ انہوں نے بغداد۔ کربلا۔ نجف الشرف کا سفر کیا مگر روحانیت کی جانب اپنی طبیعت کا خاص میلان بالکل نہ پایا۔ ایک مرتبہ ایک درویش سے ملے جس نے یہ شعر انکے سامنے پڑھا ؎

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجود
آب و گل را کے ملک کردے سجود

اگر وجود انسانی میں کوئی بات الٰہیات موجود نہ ہوتی تو اس مٹی اور پانی کی مرکب شے کو فرشتے کیوں سجدہ کرتے"۔ درویش نے یہ بھی کہا کہ چاروں طرف گھومو اور تلاش کرو۔ ان الفاظ نے حکیم صاحب پر ایک گہرا اثر کیا۔ اور انہوں نے قلبی جوش کے ساتھ جستجو شروع کی۔ آخر کار مسولی ضلع بارہ بنکی پہنچے جہاں حضرت

---

۵۱ ۔ آپ بہت اچھے شاعر تھے۔ اور تحیر تخلص کرتے تھے۔ چند رسالہ جات مثلاً عین الیقین مثنوی وحدت جام معنے نتائج و تلقین۔ اور تجلی عشق وغیرہ کے مصنف تھے ؞ (المترجم)

اسوقت مقیم تھے۔ جب حضرت سے ملے تو آپ نے فرمایا "تم آخر ش آہی گئے" "عالم روحانی ہیں وہی نہیں"۔ اور یہ سنکر وہ حلقہ بگوش ہو گئے اور خرقہ بھی آپ کو عطا ہوا۔ اُنھوں نے روحانیت میں اعلےٰ درجہ حاصل کیا۔ نواب عبدالشکورخاں رئیس دہرم پور (بلند شہر) کے مکان پر ان کا انتقال ہو۔ انھوں نے بیان کیا کہ رحلت کے بعد کچھ دیر تک لاش سے صدار "اللہ ہو اللہ ہو" آتی رہی۔ آپ عبدالشکور خانصاحب کے باغ میں مدفون ہوئے +

مولانا محمد شاہ۔ یہ پہلے مولوی محمد شفیع ساکن اٹاوہ کے نام سے موسوم تھے۔ آپ فصیح مقرر تھے۔ شریعت کے ظاہری احکام کے سخت پیرو تھے پہلے حضرت سے عقیدت نہ تھی۔ ایک دفعہ اتفاقیہ حضور اقدس سے مشرف بہ زیارت ہوئے۔ اس سے ان کے قلب پر خاص اثر پڑا اور سر نیاز خم کر کے حضرت سے درخواست کی کہ مجھے بھی غلاموں میں قبول کیا جائے۔ یہ درخواست منظور کی گئی۔ اور آپ کو حلقہ کا خرقہ بھی مرحمت ہوا۔ اکثر یہ سفر میں رہا کرتے ہیں اور لوگوں کو وعظ و پند فرماتے ہیں۔ ایک جماعت کثیر آپکی مرید ہوئی ہے +

مستقیم شاہ فتح پوری۔ اُن خواتین میں سے تھیں جو اس سلسلہ میں شامل ہوئیں۔ اور اس میں آپ کو معزز مدارج عطا ہوئے۔ ان کی ولادت ایک معزز خاندان میں ہوئی۔ یہ حکیم برہم صاحب مالک و ایڈیٹر اخبار مشرق گورکھپور کی عزیزہ قریب ہوتی تھیں۔ انھوں نے اپنی زندگی حضرت اقدس کی خدمت میں بسر کر دی اور تمام عمر شادی نہیں کی۔ ان کی زاہدانہ زندگی کی تشبیہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی حیات سے دیجا سکتی ہے۔ کئی سال گذرے کہ آپ کا انتقال ہو گیا +

نامدار شاہ۔ (سرکاری وظیفہ خوار اودھ کے شاہی خاندان سے ہیں۔ یہ سلسلہ

وارثیہ کے مخلص پیروں میں سے ہیں۔ پہلے مذہب امامیہ رکھتے تھے یہ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بہت سے مادی سامان راحت کو عشق حقیقی کی خاطر قربان کر دیا ہے ؎

سیّد نامدار شاہ۔ پہلے آپ کا نام موسیٰ رضا تھا اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن علیہ الرحمۃ کے مریدین سے تھے مگر پھر حضرت اقدس کے ارشادات کے خوشہ چین بنکر سید نامدار شاہ کے نام سے مشہور اور خرقہ پوش ہوئے یہ امتھوا ضلع گیا کے زمیندار ہیں ؎

غلام وارث۔[۱] پہلے بابو کنہیا لال کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت اقدس کے نہایت سچے اور دل سوز مریدوں سے ہیں۔ پہلے ہندو تھے مگر بعد کو مسلمان ہو گئے۔ یہ ایک قابل وکیل ہیں اور علیگڈھ میں وکالت کرتے ہیں۔ اور بہت سے ہندو مریدوں میں اصحاب ذیل قابل الذکر ہیں:۔

(۱) ٹھاکر پنچم سنگھ رئیس ضلع مین پوری

(۲) راجہ اودت نرائن سنگھ صورت گنج (اودھ)

(۳) بابو موتی مصر وکیل بھاگلپور

(۴) ٹھاکر گرو موہن زمیندار بھاگلپور

رُقیّہ۔ ایک بیوہ دن جو کلکتہ (محلہ کولوٹولہ) میں رہتی ہیں۔ حضرت کے جان نثار مریدوں سے ہیں ؎

عیسائی مریدوں سے چند کے نام مختصراً درج کئے جاتے ہیں ؎

(۱) مسٹر جانسٹن سپرنٹنڈنٹ پولیس صوبہ متحدہ

---

[۱] آپ نے نظم میں گلزار وارث نامی ایک کتاب حضرت کی شان میں لکھی ہے جس سے آپکی عقیدتمندی ظاہر ہوتی ہے ؎ (المترجم)

(۲) مسٹر براؤن - چیف سپرنٹنڈنٹ - ڈپٹی کمشنر آفس بہرائچ

حضرت کے بہت ہی مخلص مریدوں سے ایک صاحب اسپین سے آئے تھے ان کا نام کونٹ گلرزا سینٹیکلرا تھا۔ حضرت اقدس سے انکی ارادتمندی کا قصہ ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ ان کے دل میں تلاش حق کا جوش موجود تھا۔ لندن میں اپنے قیام کے زمانہ میں اسپینی امیر نے چند ہندوستانی لوگوں سے ملاقات کی جو اسوقت لندن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ایک شخص مسٹر حبیب[۱] احمد بھی وہیں مقیم تھے مستقبل کے حالات بتانے میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اس علم کے ذریعہ سے لندن میں بہت مشہور تھے۔ کونٹ نے ان کو ارباب روحانیاں میں سے سمجھا۔ اس پر مسٹر حبیب احمد نے کہا مجھ میں ایسی روحانیت نہیں ہے کہ تمہیں حقیقت الحقایق تک رہنمائی کر سکوں۔ اگر فی الحقیقت تمہیں ایک کامل اور باخدا شخص کی زیارت منظور ہے تو حضرت اقدس سے ملنا چاہیئے جنکے مسٹر موصوف خود سچے ارادتمند ہیں۔ کونٹ کے دل میں ایک زبردست خیال حضرت اقدس کی قدمبوسی کا پیدا ہو۔ کاونٹ موصوف

---

[۱] مسٹر حبیب احمد کی اکثر پیشین گوئیاں صحیح اتری ہیں مثلاً ایکبار مسٹر سید کرامت حسین پنشنر جج ہائیکورٹ الہ آباد کے متعلق مسٹر موصوف نے دو سال پیشتر فرمایا تھا کہ سید صاحب جج ہائیکورٹ مقرر کیے جائینگے اسوقت یہ بات وہم وقیاس سے بھی قطعی دور تھی کہ سید صاحب بعہدۂ ججی سرفراز ہونگے مسٹر موصوف کی صدہا پیشین گوئیاں اس قسم کی صحیح نکلیں ہیں۔ مذکورہ بالا واقعہ کی تصدیق شیخ عبد القادر صاحب بیرسٹر اڈیٹر مخزن لاہور فرماتے تھے۔ ارباب تصوف کے نزدیک امر مسلمہ ہے کہ قبل از وقت کسی بات کا انکشاف کر دینا اور اُسکے مطابق ظہور میں آنا یہ کوئی روحانی کمالات اور قربت الٰہی پر دال نہیں بعض اوقات تصوف کے سالک پر ابتدائی حالت ہی میں کشف ہونے لگتا ہے اہل تصوف اس قسم کے واقعات کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ وہ محض ہیچ اور ادنٰے فعل سمجھتے ہیں۔ ایک ذی عقل شخص بھی سمجھتا ہے کہ یہ باتیں علوم رمل۔ جفر اور نجوم وغیرہ سے بھی حاصل ہوتی ہیں۔ افسوس ہے ان ظاہر پرستوں پر جو بالعموم ایسے واقعات کو قوت قدسیہ خوارق عادات پر محمول کرنے لگتے ہیں اور یہ افسوسناک غلط فہمی ہے ع چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا (المترجم)

نے مسٹر احتشام علی خاں بیرسٹر (سہسرامی) سے جو اُسوقت لندن میں بیرسٹری پاس کرنے گئے تھے درخواست کی کہ ہندوستان واپس جانے پر وہ انکی سفارش حضرت اقدس سے کریں تاکہ حضور کی اجازت در بارہ حاضری میسر ہو جب وہ ہندوستان واپس آئے کونٹ موصوف کی باتیں فراموش ہو گئیں لیکن جب وہ حضور سے قدمبوس ہونے کو حاضر ہوئے تو حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ کوئی پیغام لندن سے تو نہیں لائے ہیں؟ اسوقت بیرسٹر صاحب کو کاؤنٹ کی سب باتیں یاد آگئیں اور انہوں نے انکا پیغام سنایا۔ حضرت نے کونٹ موصوف کی درخواست کو منظور فرمایا اور بیرسٹر صاحب کو حکم دیا کہ کونٹ کو اس منظوری کی اطلاع دیدیں۔ کاؤنٹ ہندوستان آئے اور ایک ترجمان کے ساتھ حضرت کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے۔ وہ صرف ایک شب مقیم رہکر واپس گئے۔ کاؤنٹ نے بیعت کی اور حضرت کے نہایت مخلص اور فدائی حلقہ بگوشوں میں ہوئے۔ دوران گفتگو میں حضرت نے وعدہ فرمایا کہ اپنی زندگی میں وہ روحانی تصدیق حاصل کریں گے۔ کونٹ کے خط سے ظاہر ہوگا کہ یہ وعدہ شاندار طور پر پورا ہوا۔ زیارت کے بعد کونٹ مصر روانہ ہوئے +

معاصرین

حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ۔ مولوی احمد حسین ساکن رسرہ ماؤ ضلع بارہ بنکی راوی ہیں کہ جب اُنکے بھائی حج کو جانے لگے تو حضرت اقدس کی خدمت میں رخصت ہونے کے لئے آئے حضرت نے ان سے فرمایا کہ میرا سلام حضرت حاجی امداد اللہ رح کو پہنچا دینا۔ وہ کسی زمانہ میں حضرت کے رفیق اور ہم جلیس تھے۔ اور مکہ معظمہ ایک ساتھ قیام پذیر تھے۔ مولوی احمد حسین کے بھائی حضرت کے حکم کے مطابق حضرت حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے

اور آپ کا سلام پہنچایا۔ حضرت مولانا بہت زیادہ متاثر ہوئے اور رونے لگے اور حضور کو "آفتاب ہندوستان" کے لقب سے یاد فرمایا۔ اور پیغامبر سے ارشاد کیا کہ حضرت سے میرے لئے دعاء خیر فرمانیکی درخواست کرنا۔ میرا زمانہ ختم کے قریب پہنچگیا ہے جب مکان واپس آئے تو حضرت سے آنجناب کے پیام کو کہا۔ حضرت نے فرمایا حاجی صاحب خود ایک کامل ولی اللہ ہیں انکو دعا ؤنکی کوئی حاجت نہیں +

حضرت مولانا فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ۔ حضرت سے آپ کی ملاقات کی نسبت ایک واقعہ بعد کو معلوم ہوگا +

حضرت حاجی سید نادر علی رحمۃ اللہ علیہ ۔ پچیس سال ہوئے کہ چھپرہ میں ایک کامل اور مشہور درویش گذرے ہیں۔ جن کے کمالات روحانی کے واقعات ابتک زبان زد عام ہیں۔ یہ سلسلہ حسامیہ سے بھی تعلق رکھتے تھے اور اس فقیر کے خاندانی چشتی حیثیت سے پرنانا ہوتے تھے۔ اور نہ صرف ظاہری تعلقات تھے بلکہ باطنی تعلقات اور روحانی مناسبتیں بھی حاصل ہیں۔ اور اس فقیر کے والد ماجد کو بھی آپ ہی سے فخر بعیت حاصل ہے۔ حاجی محمد نقی مرحوم ناقل تھے کہ آپ سے اور حضرت اقدس سے پٹنہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت نے فرمایا "ہم دونو ایک ہیں" آپ کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپکا مزار پختہ کرنے لئے پھر سے کھودا گیا تو وہاں کی مٹی سے نہایت خوشگوار مہک آتی تھی اور اس مٹی کی تھوڑی سی مقدار مولوی محمد نقی مرحوم کے پاس محفوظ تھی +

سر سید احمد ۔ پہلی ملاقات حضرت اقدس اور سر سید سے علیگڈھ میں ہوئی۔ سر سید بغرض حصول نیاز حاضر ہوئے۔ آپ اُن سے نہایت محبت اور مہربانی سے ملے۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھکو انگریزی تعلیم سے قطعی مخالفت نہیں

مگر محبت الٰہی و دل کی تصدیق اور صداقت یہ وہ چیزیں ہیں جن کی ہر حال میں ضرورت ہے۔ کسی قسم کا علم اگر حاصل کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سر سید نے شکایت کی لوگ انکو کافر کہتے ہیں۔ حضرت نے انکی تشفی کی کہ ایک "سید" کبھی کافر نہیں ہو سکتا اور فرمایا کہ جو فرض انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہے اسکو استقلال سے پورا کرتے رہیں ❖

خرق عادات

ارباب روحانیت سے ہمیشہ کار ہائے عجیب منسوب کئے گئے ہیں۔ وہ ایسی قوت سے کام کرتے ہیں جسے معمولی آدمی نہیں سمجھتا۔ کائنات کی مادی قوتوں میں روحانی قوتیں مضمر ہیں جنکا غلبہ مادی طاقتوں پر ہوتا ہے۔ اور اگر ہم ایکبار اس کی تصدیق کرلیں کہ روحانیت ان قوانین کو امداد اور قوت دیتی ہے جو مادیت میں جاری ہیں تو ہم اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیونکر مادیت پر روحانیت کو فوقیت حاصل ہے اور وہ مافوق الفطرت کاموں میں اپنے آپکو ظاہر کرتی ہے۔ جناب پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کرامتُ اولیاءِ حقٌ۔

کرم احمدؒ جن کو معروف شاہ صاحب کے نام سے پکارتے ہیں اور وہ دیوہ کے زمیندار ہیں۔ انکے پاس بہت سے لال پلے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس معروف شاہ صاحب کے یہاں مقیم تھے۔ آپ نے دیکھا کہ پنجرہ میں جو پیالی ہے اس میں پانی بالکل نہیں اور چڑیاں پیاسی ہیں۔ آپ نے پنجرہ کا دروازہ کھولا اور پیالی میں پانی ڈالدیا۔ چڑیوں نے پانی پی لیا اور کھلے ہوئے دروازہ سے اُڑ گئیں۔ شاہ صاحب موصوف چڑیوں کے نہایت شائق تھے۔ انہوں نے اس نقصان پر اپنی حسرت ظاہر کی اسپر حضرت اقدس نے

فرمایا کہ چڑیاں بہت دور نہیں گئیں ہیں اور اگر تم چاہو تو پکڑ سکتے ہو۔ اسپر چڑیاں لوٹنے لگیں اور حضرت کے جسم اطہر پر بیٹھنے لگیں۔ حضرت نے شاہ صاحب سے فرمایا جی چاہے تو پکڑ لو۔ مگر شاہ صاحب نے انکار کیا اور کہا جب حضور اقدس نے انہیں آزادی بخشدی ہے تو میری مجال نہیں کہ میں اُنکو پھر مقفس کروں۔ معروف شاہ صاحب ابتک زندہ ہیں +

ذیل کا قصہ عبدالآد شاہ صاحب سے منقول[۱] ہے وہ محلہ قلعہ شہر پٹنہ میں جناب شاہ نوراللہ صاحب سے ملنے گئے اور حاضرین میں جو اس وقت مکان میں موجود تھے مسٹر شرف الدین جج ہائیکورٹ کلکتہ اور جناب شاہ فضل اللہ خلیفہ حضرت اخوند صاحب سوات بنیری (افغانستان) اور پٹنہ کے منشی منظور احمد بھی تھے۔ اتفاق سے مولوی محمد عمر ساکن بلند شہر جو حضرت مولانا فضل الرحمن قدس سرہ گنج مراد آبادی کے ایک خلیفہ تھے۔ وہ بھی وہاں تشریف لائے۔ گفتگو حضرت کے بارہ میں ہونے لگی۔ اور محترم شاہ نوراللہ نے مولوی محمد عمر صاحب سے درخواست کی کہ حضرت اور حضرت سے جو ملاقات ہوئی تھی اُس کا قصہ بیان کیجئے۔ مولوی محمد عمر صاحب نے یوں بیان کیا کہ گنج مرادآباد میں حضور حضرت مولانا سے ملنے کے لئے گئے۔ حضرت مولانا نے ایک حدیث نقل کی "من ترك الصّلوٰة متعمداً فقد كفر"۔ حضرت نے کوئی جواب نہ دیا مگر حضرت مولانا کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک خاص حجرہ میں داخل ہوئے جب یہ دونو بزرگ لوٹے تو حضرت مولانا علیہ الرحمۃ آبدیدہ تھے اور اس کے بعد حضرت واپس چلے آئے حضرت مولانا کے مریدوں نے جن میں مولوی محمد عمر بھی موجود تھے دریافت کیا کہ کیا بات پیش آئی۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ حضرت انہیں کعبہ میں لیگئے اور اُن سے وہاں نماز پڑھائی اور آپنے روحانی مدارج کو ظاہر کردیا۔ حضرت مولانا نے اپنے ارادتمندوں کو آگاہ کیا

---

[۱] دیکھو کتاب عین الیقین مؤلفہ سید عبدالآد شاہ + (المترجم)

کہ اگر وہ فلاح چاہتے ہوں تو ان میں سے کوئی حضرت اقدس کی نسبت اہانت کی گفتگو نہ کرے ✣

حضرت گورکھپور میں مولوی صفدر حسین خاں پنشنر سب جج کے یہاں تشریف فرما ہوئے۔ مولوی صاحب شدید علالت کے باعث صاحب فراش ہو رہے تھے اور حضرت کی خدمت میں مولوی صاحب سے رہنا مشکل تھا۔ تاہم وہ جناب اقدس کے سامنے لائے گئے اُنہوں نے اپنی حسرت ظاہر کی کہ جب حضرت نے اپنی مبارک موجودگی سے غریب خانہ کو رونق بخشی ہے تو اسوقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے بالکل مجبور ہوں۔ حضرت نے فرمایا "مولوی تم تو بہت اچھے ہو" اور مولوی صاحب اسی وقت صحیح ہو گئے۔ یہ واقعہ مولوی شرف الدین بیرسٹر جج ہائیکورٹ کلکتہ کے سامنے کا ہے ✣

رحیم شاہ صاحب اور خان بہادر مولوی نصیر الدین سی۔ آئی۔ ای۔ متوطن نیورہ ضلع پٹنہ وزیر ریاست بھوپال نے بیان کیا کہ ایکدفعہ حضرت فیض آباد گئے اور حافظ زین العابدین کے مکان پر فروکش ہوئے۔ ایک شخص جس کا نام پنڈت آتمارام تھا اُنہوں نے مباحثہ کی جرأت کی مگر حضرت نے جیوں ہی چند شعر ہندی کے ایک کتاب سے جس کا نام "پرماوت" ہے پڑھا پنڈت جی زمین پر گرے اور بیہوش ہو گئے۔ حواس درست ہونے پر مسلمان ہو گئے اور سلسلہ میں داخل ہوئے ✣

ایسے غیر معمولی واقعات کے متعلق لکھتے ہوئے مسٹر مشیر حسن قدوائی مصنف میریکل آف محمدؐ (معجزہ محمدؐ) لکھتے ہیں "ایسے کرشمے محمدؐ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے بھی منسوب کئے گئے ہیں مگر چونکہ آپ نے نہایت معقولیت کیساتھ تعجب خیز باتیں کرنیکو معیار صداقت سے انکار کیا اس لئے اہل اسلام آپ کے معجزات پر زیادہ اہمیت کے ساتھ خیال نہیں کرتے بالخصوص اس وجہ سے کہ مافوق الفطرۃ باتیں دکھانیوالے ان میں بافراط موجود ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے روح کی صفائی اور نفس کشی سے

ایک طرح کی روحانی قدرت حاصل کر لیتے ہیں جسے "کرامت[1]" کہتے ہیں! اور یہ تربیت
اور نشوونما ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتی ہے۔ شمس تبریز (رحمۃ اللہ علیہ) کی نسبت

[1] کرامات یعنے خرق عادات کی بحث نہایت دقیق اور پیچیدہ ہے۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں "سطح آب پر چلنا اور ہوا میں اُڑنا کرامت (ولایت) نہیں کیونکہ خس و خاشاک پانی پر تیرتے پھرا کرتے ہیں اور ذرا ذرا سے بھنگے ہوا میں اُڑا کرتے ہیں۔ بزرگوں کے ملفوظات صاف بتا رہے ہیں کہ خرق عادات کا ظہور معیار ولایت نہیں ہوسکتا (اس زمانہ میں مسمریزم کے تعجب انگیز کرشموں نے اس مسئلہ پر بہت ہی صاف روشنی ڈالدی ہے) بلکہ کسی بزرگ کے جذبات۔ تاثیرات۔ ہدایات اور عمل زندگی پر غور کرنے سے ولایت کا صحیح مفہوم معلوم ہوجائیگا آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ مگر پھر بھی کرامات کے وجود سے انکار کرنا تاریخی واقعات سے علانیہ چشم پوشی کرنا ہے۔ آجکل بعض متشکک اور مادہ پرست نفوس کرامات کے وجود ہی سے اس بنا پر کہ قوانین قدرت بدل نہیں سکتے۔ انکار کر دیتے ہیں۔ اس سطحی خیال پر جس قدر افسوس کیا جائے وہ بجا ہے۔ میرے خیالات کی ترجمانی مولوی عبداللہ منہاس صاحب ایڈیٹر وکیل امرتسر کی مندرجہ ذیل تحریر[1] سے ہوتی ہے "دیکھنا یہ ہے کہ اس نہایت مناسب ترتیب سا اس غیر متبدل روش اور دیگر اصول و قوانین قدرت پر ہم پورے طور سے حاوی ہو چکے ہیں۔ کیا مشرق و مغرب کے فلاسفر اور ماہران قدرت لاف مارنے کے قابل ہوگئے کہ انہوں نے قدرت کے تمام اسرار و قانونوں اور اصولوں کا کامل علم حاصل کر لیا ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیونکہ سائنس اور فلسفہ کی تحقیقات کا دائرہ نت نئے مرکز پر قائم ہوتا ہے اور نت نئی تھیوریاں سننے میں آتی ہیں اگر کل ایٹم "Atom" کو مادہ کی اصلیت پیدا کیا جاتا تھا تو آج الکٹرن "Electron" کو اس کی جگہ دی جاتی ہے اگر کل یہ اصول مانا جاتا تھا کہ روشنی اجسام کثیفہ سے پار نہیں ہوسکتی تو آج ایکس شعاعیں "X-Rays" اس اصول کے ماننے والوں کی تاریکیٔ دماغ کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ علوم و فلسفہ کی رفتار ترقی کے ساتھ مسلّمہ مسائل تک تبدیل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور قدرت کے حیرت انگیز کرشمے جنہیں ہم اپنی کوتاہ اندیشی سے خلاف قانون کہنے پر مجبور تھے سلسلہ علت و معلول پر نظر آنے لگے ہیں لہذا یہ کہدینا کہ جو معجزات اکثر انبیاء عظام اور اولیاء کرام سے سرزد ہوئے وہ خلاف قانون قدرت ہیں محض غلط ہے۔ ان معجزات و کرامات کے ضرور اسباب ہیں البتہ وہ اسباب ہمارے فہم سے بالاتر یعنے ان اسباب کے علاوہ ہیں جن کو انسان اپنے احاطہ علوم میں لاچکا ہے۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہست بر اسباب اسباب دگر	در سبب مست گر بیداں افگن نظر
آں سببہا انبیاء را رہبر است	آں سببہا زیں سببہا برتر است
ایں سبب را محرم آمد عقلہا	واں سببہا راست محرم انبیاء

(مثنوی)

[1] دیکھو کتاب "اگریمنٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس کا اردو ترجمہ" صفحہ ۲۶ ✣

مثلاً روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کا سب سے بڑا معجزہ کر دکھایا یعنی مُردوں کو زندہ کر دیا۔ اور وارث علی شاہ (قدس اللہ سرہٗ) جنکی حال میں ہندوستان میں وفات ہوئی ہے وہ بھی حضرت شمس تبریز سے روحانی قدرت میں کچھ کم بہرہ مند نہ تھے"۔

مولوی شاہ حسن جامی صاحب سہسرامی نے بیان کیا کہ جس روز حضرت اقدس نے دنیا سے سفر کیا انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ اولیاء اللہ ایک متبرک مجلس میں یکجا ہیں اور جب اس مجمع کی وجہ دریافت کی تو ان سے کہا گیا کہ آج حضرت کا محبوب حقیقی سے آخری وصال کا دن ہے۔ اس مجمع میں سے ایک بزرگ نے یہ پڑھا[۱] "سرمست مئے الست حاجی" جس سے وفات کی تاریخ ابجد کے قاعدہ سے پیدا ہوتی ہے ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء۔

---

[۱] پوری تاریخ معہ واقعہ خواب نظم کی صورت میں یہ ہے جس کو حضرت مصنف نے لکھا تھا جو کہ رسالہ صوفی ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا۔ یہاں اسی سے اقتباس کیا جاتا ہے جو ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ (المترجم)

اے ساقی بادہ الستم — دہ ساغر ہمچنیں بدستم
چوں نوش کنم بشوق مستی — گمراہ شوم زراہ ہستی
مست مئے عشق پیر مانم — ہاں بندہ دستگیر مانم
آں پیر کہ پیر بے مثالے — آں پیر کہ پیر باکمالے
وارث علی شاہ نام ذیشاں — اے شاہ بنام پاک قرباں
دیوا است قریب بارہ بنکی — آنجاست بارگاہ عالی
یک مصرعہ درسن وصالش — خواہم کہ رقم کنم بحالش
آں مصرعہ طرفہ حالست — بر کلمئے جناب وال است
یک بلدہ پاک سہسرام است — مشہور بہند آں مقام است
انجاست مولوی حسن جاں — درویش صفت فقیر دوراں
گو دید خواب طرفہ ناگاہ — چوں بود شب وصال آں شاہ
جمع اند ہمہ بسے بزرگاں۔ — گویند حکایت فقیراں
ایں دیدہ بگفت ہم حسن جاں — ذکر شہ وارث علی شاہ
گفتند عجب کہ تو ندانی — اے شیخ بگو کئے بمانی
اے حیف بیا کہ شد وصالش — ما ایم ہمیں دریں ملالش

چند اقوال

(۱) علم اور عقل ایک چیز ہیں لیکن محبّت ایک دوسری شئے ہے۔ جہاں محبت داخل ہوئی وہاں سے علم اور عقل وداع ہو جاتے ہیں +

(۲) معشوق جس چیز کے لئے عاشق سے حکم کرے عاشق کو اُسی خوشی کیساتھ پورا کرنا چاہیئے اور قانع رہکر اپنے آپ کو بالکل اُسی کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیئے +

(۳) عشق کا تقاضا ہے کہ اس دُنیا کو ترک کرو اور آخرت کو بھی ترک کرو اور ترک کے خیال تک کی بھی نفی کر دو +

(۴) اپنے محبوب کے عشق میں محو ہو جاؤ نہ کسی کو دعا اور نہ کسی کو بد دعا دو +

(۵) عشق دارین کی ملامت ہے یہ ایسی جستجو ہے جو معشوق کے طلب میں موت تک پہنچانیوالی ہے۔ اور اس میں اسکی لذت مضمر ہے معشوق کی نفرت۔ کشیدگی۔ غمزہ۔ اور عتاب لایزالی رحمت اور برکت ہے محض ریاضت سے معرفت نہیں حاصل ہو سکتی یہ ایک وہبی نعمت ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے معرفت بخشتا ہے۔ انسانی کوشش کا اس میں دخل نہیں +

(۷) عشق کے طریقے نرالے ہیں وہ اُسے جلاتا ہے جسے وہ چاہتا ہے لیکن اسکی لگام ڈھیلی کر دیتا ہے جس سے اس کو محبّت نہیں +

(۸) عشاق کے پاس شیطان کا گذر نہیں +

[illegible]

افسوس کہ آں ولی ذیشاں — آں غوث چہ غوث غوثِ دوراں
از اسفل ایں کہ بود اسعلے — از ذات وجود شان والا
اسفل شدہ باز اسفل آخر — چوں رفت با علے اعلیٰ خاطر
آخر بہمیں ملال گفتند — مصرعہ بن وصال گفتند

کہ شیخ سن وصال شنوی
سرمست مئے الست حاجی
۲۳ ۱۳ھ

(۹) وہ سچا عاشق نہیں جو اپنی جان قربان نہیں کرتا اگرچہ لیلیٰ کے ہزاروں اور حضرت یوسفؑ کے لاکھوں دم بھرنے والے تھے لیکن جان نثاری وہ مجنوں اور زلیخا ہی کے حصہ میں آئی تھی۔ یونہیں جس کی قسمت میں جو حصے ہوتے ہیں وہ اس کو پہنچ جاتے ہیں +

(۱۰) عاشق کا ارادتمند بلا ایمان کے نہیں مرتا +

(۱۱) عاشق دنیا اور عقبیٰ کو خیرباد کہہ دیتا ہے +

(۱۲) عشق میں ذات صفات ہو جاتی ہے اور صفات ذات +

(۱۳) طالب کو تصور کے ذریعہ سے معشوق کی برزخ کو اپنے دل میں قائم کرنا چاہیئے۔ برزخ جب صفحہ دل پر منقش ہو گیا تو موت کے بعد بھی قائم رہتا اور قیامت میں بھی ساتھ ہوتا ہے +

(۱۴) تمام نفوس کے لئے موت ہے سوائے ارواح کے +

(۱۵) مشائخ بہت ہیں مگر عشاق کمیاب ہیں کیونکہ عشق کا راستہ مشکلات سے پر ہے۔ اور اس میں سالک کم ہیں +

(۱۶) عاشق کو کسی کی ناراضگی اپنے اوپر نہ لینا چاہیئے اور نہ اس کو کسی کی راحت یا تکلیف کا خیال کرنا چاہیئے +

(۱۷) عشق کی مملکت میں علم ظاہر ایک حجاب عظیم ہے ایک چیز ظاہری علم رکھنے والے کیلئے شہد ہو سکتی ہے مگر عاشق کیلئے زہر۔ ایک ظاہر بیں کے لئے جو چیز موجب تعریف ہوتی ہے وہی عاشق کیلئے باعث خدمت +

(۱۸) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ زبانی کہنا اور ضرب لگانا اور کسب کرنا یہ اور بات ہے۔ بے دیکھے کسی چیز کا خیال مشکل ہے۔ دیکھکر کے عاشق ہونا ممکن ہے اور جب کوئی کسی کا عاشق ہوتا ہے تو اس کی ہر سانس معشوق کی یاد سے خالی نہیں جاتی۔ عاشق کے سانس بلا کسب و ذکر عبادت ہے۔ عاشق غافل نہیں سمجھا جا سکتا۔ عاشق کی یہی عبادت ہے +

ضمیمہ الف

خط کونٹ گلرزا بنام مسٹر احتشام علی خاں بیرسٹر شہسرامی
پی - او - کمپنی کا اسٹیمر بندر عدن
مارچ ۱۹۰۴ء

مائی ڈیر مسٹر احتشام!
میرے پیارے "زندہ کعبہ" شاہ وارث علی سے ملنے کے بعد میرا حج ختم ہوگیا اس وجہ سے میں مصر واپس جاتا ہوں۔

آپکا مخلص
کونٹ گلرزا آف سنیکلرا

خط کاؤنٹ گلرزا کا لوگھسٹ شاہ صاحب متوطن بچھراؤں ضلع مرادآباد کے نام حضرت اقدس کے وصال کے چند دنوں بعد۔

بھائی لوگھسٹ شاہ! اسلام علیکم
میں تم سے اپنے والی (مرشدی حضرت حاجی وارث علی) کی موجودگی میں بیان کررہا ہوں جبکہ آپ رحلت کررہے تھے۔ میں نے آپ کو بہت ہی اچھی حالت میں دیکھا اور اُس وقت آپ نے اپنا وعدہ اور میرا حوصلہ پورا فرمایا۔ آپ نے میری ہستی کو مجھ سے مٹادیا۔

احمد
(اپنی ارادت کے بعد کلوئنٹ نے احمد کا نام اختیار کرلیا تھا)
کونٹ گلرزا
ہوٹل کانٹی ننٹل - پیرس - فرانس ۵ مئی ۱۹۰۵ء

(خط اوگھٹ شاہ صاحب کے نام)

میرے دوست اور رفیق! اسلام علیکم

مندرجہ ذیل وہ تعلیمات ہیں جنکو میرے مرشد قدس سرہٗ نے ازراہ خیر و برکت مجھکو عطا فرمائیں اور جن کو علم روحانی کی مدد سے میں نے عربی میں لکھا۔ آپ کی واقفیت کیلئے ان کے چند اقتباس اردو ترجمہ آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا پاک دل جو میں لکھ رہا ہوں اسکو مان لیگا۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ حضرت کی محبت سے میں نہایت درجہ فرط مسرت میں ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے حضرت کس طرح میرے ساتھ راہِ الٰہی میں شروع سے آخر تک برابر رہے ہیں +

"تم میرے قیام کی جگہ تک آئے"

"تمہاری آرزو میری توجہ ہے"

"تم آگئے اور مجھ سے مل گئے"

"مبارک ہو تمہارا آنا"

"تم اور میں ساتھ ہوں گے"

نوٹ۔ کلمات مذکورہ بالا اس وقت کہے گئے تھے جبکہ کاؤنٹ موصوف دیوہ میں آئے تھے +

"تم نے اپنے خواہش کے راز کو چھپا رکھا ہے"

"خدا تمہارے رازوں کو جاننے والا ہے"

"تمہارا مقصد میرا حاصل کرنا ہے"

"میری روح تمہاری حفاظت کرے گی"

"میری رحلت کا وقت آگیا ہے"

"ایک صورت تمہارے ساتھ ہوگی جو تمہاری رہنمائی کریگی"

"ایک محبوب کا ساتھ تم کو نجات دے گا"

"نجات خدا کے ساتھ ایک ہو جانے میں ہے"

کونٹ گلرزا

پیرس۔ فرانس ستمبر ۱۹۰۵ء

خط کونٹ کا شاہ صاحب موصوف کے نام

"پیارے دوست!

میرا مترجم چلا گیا ہے۔ اور اس وجہ سے میں اس خط کو عربی میں لکھتا ہوں میں (ظاہری) علم کے ہنگامہ سے آزاد کر دیا گیا ہوں اور وحدت کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مغربی ملکوں میں ایسے لوگ شاذ ہیں جو خدا کی طرف بلا اپنے آپ کو شریک بنائے ہوئے رخ کرتے ہوں۔ تم دنیائے ظاہر میں چھوٹ گئے۔ بلانے پر دلی دوست کی طرح جواب دینا" (ان کلمات سے قیاس ہوتا ہے کہ اس پاک نفس کے اس عالم مثال سے رحلت کرنیکی طرف اشارہ ہے) ؎

شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور کا بیان کاؤنٹ گلرزا کی نسبت مصنف کے استفسار کے جواب میں۔

"کاونٹ گلرزا جو اسپین کے امرا میں سے تھے لندن میں اپنے قیام کے زمانہ میں مسٹر حبیب احمدؒ سے اتفاقاً ملے اور اسلام کی صداقتوں کو پسند کرنے لگے۔ کاؤنٹ نے مسٹر حبیب احمدؒ سے حضرت حاجی وارث علی شاہ کا ذکر سنا اور آپ پر انکا اعتقاد ہو گیا اس لئے حضرت شاہ صاحب سے فیضیاب ہونے کی خاص غرض سے وہ ہندوستان آئے اور اس غرض کے پورے ہونیکے بعد وہ لوٹ گئے۔ میں نے اس خط کو دیکھا جو کاؤنٹ نے اپنے ہندوستان سے واپس ہونے پر مسٹر حبیب احمدؒ کو لکھا تھا۔ اس خط میں کاؤنٹ نے لکھا ہے کہ وہ بہت خوش نصیب تھے کہ انکو ایک موقع حضرت جیسی عظمت والے شخص سے ملنے کا ہوا

اور تسلیم کیا کہ حضرت شاہ صاحب کے مریدوں میں سے بھی چند ایسے لوگ ہیں جنہوں نے قرب الٰہی حاصل کر لیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ درویش منش امیر کو ایسی قابلیتیں حاصل ہو گئیں تھیں جنہوں نے اس قابل کر دیا کہ یہ اہل اللہ کو پہچان لیتے تھے :۔

(لاہور۔ ۱۵ امئی سنہ ۱۹۱۰ء)

ضمیمہ ب

نسب نامہ حضرت اقدس علیہ الرحمۃ

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

حضرت امام محمد جعفر صادق علیہ السلام

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

جناب سید قاسم حمزہ

جناب سید علی رضا

جناب سید محمد مھدی

جناب سید محمد جعفر

جناب سید ابو محمد

جناب سید علی عسکری

جناب سید ابو القاسم

جناب سیّد محمد محروق
جناب سیّد اشرف
جناب سیّد عزالدین
حضرت سیّد مخدوم علاؤالدین
جناب سیّد عبدالاد
جناب سیّد عبدالواحد
جناب سیّد عمر شاہ
جناب سیّد زین العابدین
جناب سیّد عمر انور
جناب سیّد عبدالاحد
جناب سیّد احمدؒ
جناب سیّد اکرم اللہ
جناب سیّد سلامت علی
حضرت سیّد قربان علی
حضرت امام العاشقین محبوب یزدانی حاجی حافظ
سیّد وارث علی شاہ

ضمیمہ ت

شجرہ سلسلہ قادریہ رزاقیہ
(۱) محبوب یزدانی حضرت حاجی حافظ سیّد وارث علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ خلیفہ
(۲) حضرت سیّد خادم علی شاہ لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ

(۳) حضرت شاہ نجات اللہ کرسوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۴) حضرت شاہ شاکر اللہ قدس سرہٗ کے وہ خلیفہ
(۵) حضرت محمد اسمٰعیل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۶) قطب الاقطاب حضرت سید عبدالرزاق شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۷) حضرت شاہ عبدالصمد خدانما رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۸) حضرت شاہ ہدایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۹) حضرت شاہ حسین خدانما رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۰) حضرت شاہ امان اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۱) حضرت شاہ ابراہیم بھکری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۲) حضرت شاہ ابراہیم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۳) حضرت شاہ میراں سید فرید بھکری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۴) حضرت شاہ جلال قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۵) حضرت شاہ سید محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۶) حضرت شاہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۷) حضرت شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۸) حضرت میر سید حسن رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۱۹) حضرت شاہ موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۰) حضرت سید علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۱) حضرت سید احمد برادر حضرت سید محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۲) حضرت سید محمد بن ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۳) حضرت سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ

(۲۴) حضرت غوث الاعظم سید محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۵) حضرت ابو سعید مبارک مخرومی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۶) حضرت ابوالحسن علی ہنکاری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۷) حضرت خواجہ ابوالفرح یوسف طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۸) حضرت عبد الواحد بن حضرت عبدالعزیز یمنی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۲۹) حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۳۰) حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۳۱) حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خلیفہ
(۳۲) حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ کے وہ خلیفہ
(۳۳) حضرت امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام کے وہ خلیفہ
(۳۴) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے وہ خلیفہ
(۳۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے وہ خلیفہ
(۳۶) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے وہ خلیفہ
(۳۷) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے وہ خلیفہ
(۳۸) حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے وہ خلیفہ
(۳۹) حضرت امیر المومنین جناب مولا علی مرتضیٰ علیہ السلام کے وہ خلیفہ
(۴۰) حضرت سرور کائنات سید المرسلین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ضمیمہ ث

شجرہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ

(۱) سلطان العارفین حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ قدس سرہ

(۲) حضرت حاجی سید خادم علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

(۳) حضرت بلند شاہ قدس اللہ سرہ

(۴) حضرت عباد اللہ شاہ قدس سرہ

(۵) حضرت حافظ جمال قدس سرہ

(۶) حضرت قطب الدین شاہ قدس سرہ

(۷) حضرت مولانا فخر الدین قدس سرہ

(۸) حضرت شاہ نظام الدین قدس سرہ

(۹) حضرت کلیم اللہ قدس اللہ سرہ

(۱۰) حضرت یحییٰ شاہ قدس سرہ

(۱۱) حضرت خواجہ محمد شاہ قدس سرہ

(۱۲) حضرت شیخ محمود حسن قدس سرہ

(۱۳) حضرت جمال اللہ شاہ قدس سرہ

(۱۴) حضرت محمود راجن شاہ قدس سرہ

(۱۵) حضرت علیم الدین شاہ قدس سرہ

(۱۶) حضرت سراج الدین قدس سرہ

(۱۷) حضرت کمال الدین قدس سرہ

(۱۸) حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ

(۱۹) حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہٗ

(۲۰) حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج قدس سرہٗ

(۲۱) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ

(۲۲) سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ

(۲۳) حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ

(۲۴) حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ

(۲۵) حضرت خواجہ قطب الدین شاہ مودود یوسف قدس اللہ سرہٗ

(۲۶) حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف قدس اللہ سرہٗ

(۲۷) حضرت خواجہ ناصر محمد شاہ ابی احمد قدس اللہ سرہٗ

(۲۸) حضرت ابی احمد شاہ قدس سرہٗ

(۲۹) حضرت خواجہ ابو الاسحاق شاہ شامی قدس سرہٗ

(۳۰) حضرت خواجہ فیض بخش شاہ علوی دینوری قدس سرہٗ

(۳۱) حضرت خواجہ سدید الدین شاہ حذیفہ مرعشی قدس سرہٗ

(۳۲) حضرت خواجہ ابراہیم ادہم شاہ بلخ قدس سرہٗ

(۳۳) حضرت خواجہ فضیل بن عیاض قدس سرہٗ

(۳۴) حضرت خواجہ عبد الواحد شا قدس سرہٗ

(۳۵) حضرت خواجہ حسن بصری قدس اللہ سرہٗ

(۳۶) حضرت امیر المومنین جناب علی علیہ السلام

(۳۷) حضرت خاتم النبیین محبوب خدا احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم

ملک کے نامور اہل قلم اور جرائد و رسائل کی رائیں

جو مرشدی حضرت حسامی کی لکھی ہوئی سوانح عمری (امام العاشقین حضرت حاجی وارث علی شاہ قدس سرہٗ) کے متعلق وقتاً فوقتاً ظاہر کی گئیں:۔

اخبار نیر اعظم۔ مراد آباد مطبوعہ ۱۳ ستمبر ۱۹۱۲ء

"ہمارے پاس اسلامی بزرگان کے سلسلہ سوانح عمری میں سے پہلی دو کتابیں جو ابھی شائع ہوئی ہیں بغرض ریویو آئی ہیں۔ پہلی کتاب اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر اور نہایت عمدہ ٹائپ میں (جس کا حجم ۱۵ صفحہ ہے) حاجی حافظ سید وارث علی شاہ صاحب مدظلہٗ کی زندگی پر مختصر ریویو ہے۔ دوسرا رسالہ حضرت ابراہیم بن ادہم کے ذکر میں ہے۔ بجائے خود یہ دونوں رسالے نہایت مفید اور مخلصانہ محنت کا نتیجہ ہیں۔ محترم مصنف یعنی حضرت حاجی سید غفور شاہ نے درحقیقت ایک مفید اور ضروری سلسلہ رسائل کی ابتدا کی ہے جو ملک میں ضرور مقبول ہونا چاہیے۔ خصوصاً انگریزی ان نوجوانوں کے لئے جو اردو کے نام سے چڑتے ہیں۔ یہ ایک خوان برکت ہے جس سے متمتع نہ ہونا ضرور قابل افسوس ہے۔ امید ہے آئندہ سلسلہ جاری رہیگا تاکہ ایک وقت میں ہندوستان کے تمام بزرگان دین کے مختصر سوانح اور ملفوظات کا ایک اچھا مجموعہ ہو جائے جو درحقیقت قومی لٹریچر میں ایک قیمتی اضافہ ہوگا۔"

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب (پی۔ ایچ۔ ڈی) بیرسٹر لاہور

یہ سلسلہ سوانح اولیائے اسلام اُن نوجوانوں نسلوں کے حق میں بہت ہی سودمند ہوگا جو مادیت اور تشکیک کی آب و ہوا میں نشو و نما پا رہے ہیں۔ آپ کی محنت پر میں مبارکباد دیتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے حلقہ کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں ◆

اخبار انگلشمین ۔ کلکتہ ۔ مطبوعہ ۲۸ اگست ۱۹۱۲ء

"جو لوگ اس مذاق کے ہیں ان کے لئے یہ رسالے دلچسپی کے باعث ہوں گے"۔

اخبار بہار ایڈوکیٹ ۔ گیا ۔ مطبوعہ ۲ ستمبر ۱۹۱۲ء

"اس رسالہ میں بہت ہی دلچسپ اور غیر معمولی حکایات محترم مصنف نے درج کئے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کس طرح حضرت حافظ سید وارث علی شاہ "نور ہندوستان" تسلیم کئے گئے المختصر یہ رسالہ ان لوگوں کے پڑھنے کے لایق ہے جن کا میلان روحانیت کی طرف ہے اور جن کو یہ کتاب عالم راز کی ایک جھلک کا مشاہدہ کرائے بغیر نہیں رہ سکتی"۔

اخبار مشرق گورکھپور مطبوعہ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۲ء و ۱۰ مارچ ۱۹۱۴ء

"حضرت حاجی سید غفور شاہ صاحب حسامی الوارثی (مقیم کریم چک ۔ چھپرہ) کے خیال اور ان کے خیالات کی گردش تصوف اور تصوف کے دائرہ کے جواہر الماس سے مالامال ہوتی ہے ۔ جو ودیعت شدہ مذاق اور جو وہی میلان پہاڑوں اور بیابانوں کی سیر سے نہیں بلکہ قدرت کے موجزن اور خود رواں کردہ چشموں سے انکی طبیعت میں پیدا ہے ۔ وہ انہیں نچلا نہیں بیٹھنے دیتا ۔ ہم نے اس کی کبھی تعریف نہیں کی کہ ان کے معتقدین اور حلقہ بگوشوں کی تعداد مشرقی بنگال میں تعلیم یافتہ اور فلسفہ جدید اور الٰہیات قدیم کے شناوروں پر مشتمل ہے ۔ مگر ہم نے اس کو خاص طور سے دیکھ لیا اور پہچان لیا کہ ان کی باتوں میں انکے خطوں میں ایک صوفیانہ و عارفانہ اور غیر مادی مناسبت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک معنوی تارک الدنیا ۔ سالہا سال کی ریاضت اور دشت نوردی کے آثار اور قرائن سے اس درجہ مغلوب الجذبات اور اس درجہ سے سرشار روحانیت ہے کہ جب وہ بولتا ہے تو اسکی زبان کی قادریت اور اسکی خاص کشش اسکو اوروں سے جدا کر دیتی ہے یعنے جب وہ لکھتا ہے بولتا ہے اور کچھ کہتا ہے تو اس میں وہ شان آجاتی ہے جو دل کے عالم گوناگوں کی زبان میں ہو سکتی ہے یا روح کے میدان ملکوتی میں پہنچکر جس طرح کوئی انسان

بول سکتا ہے۔ اور لکھ سکتا ہے حضرت حسامی نے چار انگریزی کتابیں اسی رنگ میں غرقاب کر کے ہمارے یہاں بھیجی ہیں"۔

یہ سوانح عمری حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ قدس سرہٗ کی ہے۔ یہ رسالہ ۱۵ صفحوں پر ہے۔ اسکا کاغذ چھپائی اور رکھ رکھاؤ بلا مبالغہ لندن کے اعلیٰ دار الاشاعت کا نمونہ اعلیٰ ہے۔ بے ساختہ جی چاہتا ہے اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھیں اس کتاب کی زبان میں وہ لطف آتا ہے جو مسٹر امیر علی کی انگریزی اسلامی کتابوں میں آتا ہے آجکل دنیائے یورپ میں خصوصیت کے ساتھ "صوفیزم" یا تصوّف کے ساتھ ایک ذوق پایا جاتا ہے۔ لیوزک اینڈ کمپنی کے تالیفات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اہل یورپ ایسی کتابوں کو کس رغبت سے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ ہندوستان میں لاکھوں شخص حضرت حاجی صاحب کے نام نامی سے واقف ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جو حضرت کیحالات سے کماحقہ واقف ہوں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں رٹنے والے بلا تفریق مذہب و ملت ہر متلاشی ابدیت کی رہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ حاجی صاحب کے ہندو معتقدین میں ٹھاکر پنچم سنگھ زمیندار ضلع مین پوری راجہ اودت نرائن سنگھ صورت گنج (اودھ) بابو موتی مصر وکیل بھاگلپور اور ٹھاکر گرو موہن رئیس بھاگلپور قابل ذکر ہیں۔ ایک یہوں رفقہ نامی کولوٹولہ شہر کلکتہ کی آپ کی معتقد ہے۔ اور مسیحی مذہب والوں میں مسٹر براؤن سپرنٹنڈنٹ ڈپٹی کمشنر آفس بھرائچ۔ مسٹر جانسٹن سپرنٹنڈنٹ پولیس صوبہ متحدہ قابل ذکر ہیں۔ کونٹ گیلزا بھی حضرت کے ہاتھوں پر بیعت کر چکے ہیں جن کا نام احمد ہے اور جن کے خطوط کتاب کے آخری حصہ میں نقل کئے گئے ہیں ان خطوں کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک جلیل القدر اپنی عالم نے روحانی فیوض کس طرح حاصل کئے اور وہ حاجی صاحب کو کس غلو اور فرط عقیدت سے یاد کرتا ہے کیونکہ جابجا حضرت کو "زندہ کعبہ" لکھا ہے یہ سوانح عمری نہایت دلچسپ ہے۔

اس سے روحانی مدارج کے طے کرنے والوں کے روبرو ایک بڑے رہنما کی مثال موجود رہے گی اور تصدیق ہوجائیگی کہ حافظ علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے ؎

دولتے را کہ نباشد غم از آسیب زوال
بے تکلف بشنو دولت درویشان است
روئے مقصود کہ شاہاں جہاں مے طلبند
مظہرش آئینہ طلعت درویشان است

ہم کو امید ہے کہ یہ کتاب بھی اردو اور ہندی میں شائع کیجائے گی *

حضرت سیدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب رضؓ کا معرکۃ الآرا مضمون

"وارثی خانقاہ"

ہم نے نظام المشائخ کے نام سے جو حلقہ قائم کیا ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ تصوف اور اہل تصوف کی عالمگیر حفاظت و اشاعت کی جائے۔ لہٰذا یہ سلسلہ شروع کیا جاتا ہے کہ بالفعل ہندوستان کی نامی خانقاہوں اور ان کے متولیوں کے سچے حالات نہایت آزادی سے شائع کئے جائیں۔ کسی کی رعایت نہ ہو۔ وارثی خانقاہ کی کیفیت میں انشاءاللہ تعالےٰ ہر پہلو روشنی ڈالی جائیگی اور جو کچھ ہم کو ذاتی واقفیت ہے اسکو بلاتامل ظاہر کیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ اس تذکرہ میں وہ واقفیتیں بھی ظاہر ہوں جن کا ظاہر کرنا بلحاظ حمایت اہل تصوف ہم پر لازم ہے۔ اس لئے حاجی صاحب کے وہ مرید جو ذاتی نادانیوں سے ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں جو اُن کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے اور جس کے سبب اُن کے شیخ کا طریقہ بدنام ہوتا ہے۔ نہایت ٹھنڈے دل سے ازراہ انصاف اس کو پڑھیں اور اپنی حالت درست کرنے کی کوشش کریں۔ ہم موجود سجادہ نشین

سید ابراہیم صاحب کی قابلیت اور سجادہ نشینی کے استحقاق پر اسی نظر سے رائے لکھیں گے جس طریق سے اپنے سلسلہ کے مشائخ پر رائے زنی کرنی چاہئے امید ہے کہ سید صاحب بھی ہماری آزادانہ رائے کو مخالفت پر محمول نہ فرمائیں گے +

اب ہندوستان میں بہت کم ایسے آدمی ہیں جو حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحب کے نام کو نہ جانتے ہوں۔ حاجی صاحب ہمارے زمانہ کے اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جن پر صوفیہ کرام کو فخر اور ناز ہو سکتا ہے۔ اور حقیقت میں جو بزرگان سلف کا نمونہ تھے +

صوبہ اودھ بارہ بنکی کے ضلع میں دیوہ نامی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ وہاں حاجی صاحب کی سکونت تھی اور اب وہیں ان کا مزار بنا ہے۔ دیوہ کوئی مشہور و معروف مقام نہیں ہے مگر حضرت حاجی صاحب کی خانقاہ کے سبب اس کا نام بڑے بڑے شہروں کی طرح مشہور ہے حاجی صاحب بڑے صاحب تاثیر بزرگ تھے۔ انہوں نے ہزاروں آدمیوں کو خدا کا رستہ دکھا دیا۔ کہتے ہیں وہ بڑے سیاح تھے۔ تمام دنیا کی سیر کر چکے تھے۔ عرب کے سفر کے بعد انہوں نے اپنا احرام نہیں اُتارا اور یہ خدائی کفن ہمیشہ کیلئے پہن لیا۔ درویشی کے واسطے اس لباس سے بڑھ کر اور کوئی لباس نہیں ہو سکتا جو خود خدا نے اپنی حضوری کے لئے مقرر کیا ہو۔ احرام ایک ایسا لباس ہے جو الٰہی دربار میں شاہ و گدا کو یکساں پہننا پڑتا ہے اور جو امیری و غریبی کے فرق کو مٹا کر رنگ وحدت قائم کر دیتا ہے جس طرح دنیاوی حکام کی وردیوں کے آداب اور طریقے مقرر ہیں خدائی وردی کے بھی آداب اور قواعد ہیں۔ پولیس کی وردی پہن کر کوئی شخص فرائض پولیس کے خلاف کام نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خدا کی وردی بھی انہی کو ملتی ہے جو سب کو ترک کر کے خدا کے بن جائیں +

حاجی صاحب نے قاعدہ رکھا تھا کہ مرید دو قسم کے ہونے چاہئیں ایک تو وہ جو تعلقات دنیا میں مصروف ہیں مگر خدا کا راستہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں یا باطنی تسکین کے لئے ایک

بزرگ کی دستگیری کے طلبگار ہیں۔ ان کو یونہی مرید کر لیا جاتا تھا۔ اور دوسرے وہ لوگ تھے جو دنیاوی جھگڑوں سے آزاد ہو کر کامل طور خدا پرستی کرنی چاہتے تھے۔ ان کو حاجی صاحب احرام باندھ دیتے تھے۔ پھر اُن پر وہی قیود اور پابندیاں لازم ہو جاتی تھیں جو حج کے وقت حاجیوں پر خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر رہبانیت کا اعتراض ہو سکے۔ حاجی صاحب کے ایسے ہزاروں مرید ہیں جن کو درویشی کی وردی (احرام) حاجی صاحب نے خود عطا فرمائی ہے۔ یہ لوگ رنگ برنگ کے احرام باندھے ہوئے تمام ملک میں دورے کرتے رہتے ہیں۔ ان پر فرض ہے کہ سیا ہوا کپڑا نہ پہنیں۔ سر کو نہ ڈھکیں حتی الوسع برہنہ پا اور پیدل چلیں۔ شادی اور تعلقات خانہ داری سے علیحدہ رہیں خود حاجی صاحب بھی ان قواعد کی پابندی کرتے تھے۔ وہ مجرد تھے۔ اور سنا ہے کہ آپ نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ احرام کے سوا دوسرا لباس نہ پہنتے تھے۔ ابتدا میں ہمیشہ پیدل سفر کرتے تھے۔ اب آخر زمانہ میں بھی ریل اور پالکی کے سوا کسی اور سواری میں ان کو سوار نہیں دیکھا گیا۔ عموماً برہنہ پا رہنا حاجی صاحب کا شعار تھا۔ ان کے مریدین حُسن عقیدت سے بیان کرتے ہیں کہ حاجی صاحب اکثر اوقات کیچڑ اور تر زمین پر ننگے پاؤں چل کر جب فرش پر جاتے تو دھبہ نہ پڑتا تھا بلکہ کہا جاتا ہے کہ بعض شکی لوگوں نے محض امتحان کے طور پر سفید چاندنی کا فرش کرا کے حاجی صاحب کو بلایا اور راستہ میں چھڑکاؤ کرا دیا تاکہ گیلی مٹی پیروں میں چمٹ جائے مگر جب حاجی صاحب اُس پر سے گزرے اور چاندنی کے فرش پر آئے تو فرش پر مطلق نشان نہ پڑا اور حاجی صاحب کے پیر بھی آلودگی سے پاک رہے اس واقعہ کو اگرچہ نئے زمانہ کے نئے آدمی مشکل سے باور کریں گے مگر اہل سائنس اس بات کو کچھ زیادہ عجیب نہیں جانتے ان کا خیال ہے کہ بعض اجسام میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ ان پر کیچڑ مٹی بالکل نہیں جمتی اور کھال کے غیر معمولی مسامات ہر چیز کو دفع کرتے رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے حاجی صاحب کی نسبت یہ واقعہ مان لینے کے قابل ہے گو انکے

مرید و معتقد اس کو کرامت سمجھیں لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا نے اس سے زیادہ ان کو بزرگی اور کرامت عنایت کی تھی۔

حاجی صاحب نے احرام ہزاروں آدمیوں کو دیا اور اپنا جیسا فقیر (باعتبار ظاہر) بنا دیا مگر خلیفہ کسی کو نہیں کیا۔ یعنی یہ اختیار کسی کو نہیں دیا کہ وہ بھی لوگوں سے بیعت لے اور فقیر بنائے نہ آخر وقت تک اپنا جانشین نامزد فرمایا۔

اگلے زمانہ میں مسلمان فقیروں کے ساتھ ہندوؤں کو بڑی عقیدت ہوتی تھی۔ اور ہندو مسلمان فقرا کو اپنے درویشوں سے زیادہ ادب کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر حاجی صاحب کے زمانہ میں ہندوؤں کا عقیدہ کم ہو گیا تھا اور ایسا کوئی فقیر ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ تھا جس پر عام گرویدگی ہندوؤں کو ہو حاجی صاحب نے اپنے برتاؤ اور باطنی اثر سے اس کمی کو پورا کر دیا۔ اور تمام ملک کے ہندوؤں کی رجوعات حاجی صاحب کی طرف ہو گئی۔ ہزاروں ہندو آپ کے مرید ہوئے بعض نے مسلمان ہو کر احرام حاصل کیا اور بعض نے اپنے دھرم کو نہ چھوڑا مگر وارثی وردی پہن لی حاجی صاحب نے عرس بھی قمری حساب کو چھوڑ کر شمسی طریق پر مقرر کیا تھا (شاید) کاتک کے مہینے میں ان کے ہاں عرس ہوتا تھا۔ جس کی وجہ غالباً یہی ہو گی کہ ہندو عقیدت مندوں کو آسانی ہو۔ عرس میں اس قدر عظیم الشان مجمع ہوتا تھا اور ایسے مختلف الحال و مختلف العقائد جمع ہوتے تھے کہ تعجب آتا تھا۔ ہزاروں ہندو عورت مرد یا وارث کا نعرہ لگاتے دیوانہ وار دیوہ کی گلیوں میں پھرتے تھے۔ خدائی وردی احرام کا جلوس نکلتا تھا۔ احرام کو ایک مکلف خوان میں لگایا جاتا اور منت ادا کرنے والا اسکو اپنے سر پر رکھتا اس کے بعد باجے بجاتے ہوئے یا وارث کے نعرے لگاتے ہوئے سب آدمی حاجی صاحب کی خدمت میں اس احرام کو لیجاتے تھے۔ حاجی صاحب اس نئے احرام کو پہن لیتے اور پرانا اُن لوگوں کو دیدیتے تھے پُرانے احرام کو تبرک کے طور پر دھجیاں کر کے تقسیم کر لیا جاتا تھا۔ اس وقت کا جوش

اسوقت کا خلوص - اسوقت کی یگانگت - اسوقت کی وحدت قلبی الفاظ کے ذریعہ سے ادا ہونی ناممکن ہے - ہندو مسلمان عورت مرد چھوٹے بڑے سب ایک خیال ایک حال اور ایک رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے تھے ؀

حاجی صاحب بازاری عورتوں کو آزادی سے مرید کر لیتے تھے - اور حساب کیا جائے تو ہندوستان میں آوارہ عورتیں زیادہ حاجی صاحب کی مرید پائی جائینگی یہ بات ہمارے نیز تمام اُن لوگوں کے اعتراض کے قابل ہے جو صوفیوں کو پابند ظاہر اور حلقہ بگوش شریعت بیان کرتے ہیں - ایک درویش کا فرض ہے کہ اگر وہ کسی ایسے گنہگار کو مرید کرے جو دوسروں کی گنہگاری کا باعث ہوتا ہے یا جسکے علانیہ بدکار ہونے سے لوگوں میں بدکاری کا رواج بڑھتا ہو تو وہ مرید سے ان تمام گناہوں کے ترک کا عہد لے ورنہ ہرگز مرید نہ کرے - مریدی نام ہے اپنے ارادے سے پیر کے ہاتھ بک جانے کا اور پیر کے ارادے کے سامنے اپنے تمام ارادوں کو مغلوب کر دینے کا - پیری نام ہے مرید کے جذبات کو نیک طریق پر لگانے کا - اور مرید کی نیکی بدی کی نگرانی کرنے کا لیکن حاجی صاحب ایسا نہ کرتے تھے وہ علانیہ طوائفوں کو مرید کرتے ان کے احرام قبول کرتے اور پہنتے تھے - مرید کرتے وقت (جہانتک ہم کو علم ہے) وہ کسی رنڈی کو اس کے افعال کی بابت کچھ نصیحت نہ کرتے تھے ؀

اس کا جواب ممکن ہے کہ حاجی صاحب کے مرید کچھ اور بھی دیتے ہوں مگر ہماری رائے میں وہ سالک مجذوب درویش تھے - مجذوبی اور استغراقی حالت اُنپر زیادہ طاری رہتی تھی - محویت کے عالم میں نیک و بد کا احساس نہیں رہتا - ہر چیز یکساں نظر آتی ہے حاجی صاحب کی مریدی اور پیری اُن مشائخ کے دستور کے موافق نہ تھی جو سالکانہ طریق سے یہ سلسلہ جاری رکھتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے مریدوں کو بیعت لینے کی اجازت نہ دیتے تھے - اُن کے سامنے جو آیا اور دستگیری کا طالب ہوا - انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا

باضابطہ تعلیم و تلقین کی پروا نہ تھی۔ البتہ جو تاثیر خدا تعالےٰ نے انکو عطا فرمائی تھی اس سے کوئی محروم نہ رہتا تھا۔ تقدیر اور نصیب کے موافق کچھ نہ کچھ ہر شخص کو مل جاتا تھا بعض طوائفوں کی نسبت سنا ہے کہ وہ حاجی صاحب کی مریدی کے بعد پیشہ سے تائب ہوگئیں بعض میں ایک قسم کی حیا پیدا ہو گئی اور وہ عامیانہ آوارگی و بدچلنی سے کنارہ کش ہوگئیں بعض میں دینی حمیت اور بزرگان دین کے احترام کا جذبہ زیادہ بڑھ گیا۔ ہم نے خود اکثر ہندوؤں کو دیکھا ہے کہ وہ حاجی صاحب کی مریدی کے سبب اسلام اور طریق اسلام کے شیدائی بن گئے تھے اور بعض درپردہ مسلمان تھے۔ بعض درود شریف اور آیات قرآن کو نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے اور مزے لیتے تھے یہ تمام کیفیات دیکھکر اور حاجی صاحب کے استغراق کو مشاہدہ کر کے کوئی اعتراض ان کی ذات پر باقی نہیں رہ سکتا اور ہم ان کو واقعی کامل مکمل بزرگ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں ✣

حاجی صاحب کی نسبت عوام میں مشہور ہے کہ وہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ اور اس خبر نے یہاں تک وثوق حاصل کیا ہے کہ بعض وارثی درویش بھی علانیہ نماز ترک کرتے ہیں۔ اور اس ترک عمد کو سنت شیخ تصور کرتے ہیں ✣

ہم نے اس معاملہ کی کامل تحقیقات کی اور ہر ایسے شخص سے جس کو حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر رہنے کا موقع ملا ہے دریافت کیا۔ لوگوں کے بیانات مختلف پائے گئے مگر کثرت رائے اس طرف ہے کہ حاجی صاحب نماز تو پڑھتے تھے مگر جماعت کے پابند نہ تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہم نے کئی وقت متواتر حاجی صاحب کو دیکھا کہ انہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ بعض بتاتے ہیں کہ انہوں نے خود انہیں نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر نوع اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حاجی صاحب نماز کے بالکل تارک نہ تھے۔ اور اکثر اوقات ادا کرتے رہتے تھے۔ لیکن بعض اوقات محویت و استغراق یا سکر و جذب کے عالم میں ان کو نماز کی خبر نہ رہتی تھی۔ سو یہ کوئی ایسی قابل گرفت بات نہیں ہے۔ ایسے موقع پر۔

انسان مجبور ہے اور تمام تکلیفات شرعی سے آزاد ہے۔ کسی قسم کا مواخذہ ظاہری ہو یا باطنی۔ دینی ہو یا دنیاوی اُس پر نہیں ہو سکتا افسوس ان وارثی درویشوں پر ہے جو رنگین احرام تو باندھ لیتے ہیں مگر طریق درویشی سے بالکل نابلد ہوتے ہیں۔ جو بات آسان نظر آتی ہے۔ اُس کو تو سنت شیخ کے حیلہ سے اختیار کر لیتے ہیں اور جس میں دشواری معلوم ہوتی ہے اُسے یہ کہکر ترک کر دیتے ہیں کہ یہ بزرگوں کے ظرف ہیں بھلا ہم گنہگار اس کی تقلید کیونکر کر سکتے ہیں۔ ایسے مطلب شناس شکم پرست لوگ تمام حلقۂ صوفیہ کی لعنت اور پھٹکار کے سزاوار ہیں۔ کیونکہ انھی کے سبب طریق درویشی بدنام ہوتا ہے۔ یہی وہ افراد ہیں جن کے تاریک وجود سے اہل تصوف کے نورانی چہرے دنیا کو تاریک نظر آتے ہیں۔ ہم حاجی صاحب کی بیعت کا دعوے کرنے والے ایسے بہت سے درویشوں کو ہم جانتے ہیں جن کے اعمال خلاف شریعت وطریقت کے باعث وارثیہ خاندان بدنام ہوتا ہے ورنہ حاجی صاحب کی ذات میں ہرگز کوئی بات خلاف شریعت وطریقت نہ تھی۔ اُن کی نسبت ترک نماز کا چرچا بھی جسقدر رہے وہ صرف چند وارثی درویشوں کے باعث ہے جو تمام ہندوستان میں چکر لگاتے پھرتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے۔ پوچھو تو کہدیتے ہیں کہ ہمارے شیخ کا یہی طریقہ ہے حالانکہ وہ بالکل کذاب ہیں۔ خدا ایسے ہی جھوٹوں پر اپنی قہر امیز لعنت بھیجتا ہے حاجی صاحب کی نماز کے دیکھنے والے لاکھوں آدمی موجود ہیں بلکہ نماز باجماعت (جو اکثر کم ہوتی تھی) کے دیکھنے والے بھی ہزاروں ہوں گے۔ عیدین کی جماعت میں بھی اکثر ان کو دیکھا گیا ہے چنانچہ ایک دفعہ عید الضحےٰ کی جماعت کا امام اپنے موجودہ جانشین سید ابراہیم صاحب کو (جو اس زمانہ میں کاربار دنیا میں مصروف تھے) بنایا اور خود اُن کے پیچھے نماز پڑھی ❖

اسقدر لکھنے کے بعد برادرم جناب سید ابراہیم صاحب سجادہ نشین خانقاہ وارثی کا

خط ملا۔ جس میں کچھ یادداشتیں درج ہیں۔ ہم اُن کا خلاصہ ذیل میں کئے دیتے ہیں:۔

پہلے طوائفوں کی مریدی کی نسبت لکھا گیا تھا کہ اُن سے توبہ و استغفار نہ کرائی جاتی تھی مگر سید صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرید کو توبہ و استغفار بیعت کے وقت کرنی لازمی تھی۔ چنانچہ طوائفوں کو بھی استغفار و توبہ کرنی ہوتی تھی اور ہندوؤں کو بھی +

عام نصیحت کا لفظ یہ تھا "مردار نہ کھانا"۔ اور کبھی یہ فرماتے "برا کام نہ کرنا"۔ عورتوں کو دامن پکڑوا کر بیعت کرتے تھے۔ اور مردوں کو ہاتھ پکڑ کر۔ جب میلہ ہوتا تھا تو ہزاروں آدمی بیعت کے طلبگار ہوتے تھے۔ اسوقت تہ بند پھیلا دیا جاتا تھا اور لوگ اسکو پکڑ کر مرید ہو جاتے تھے +

حاجی صاحب حالت سلوک میں کم رہتے تھے اکثر ان پر استغراق و محویت کا عالم طاری رہتا تھا مگر ہر حال میں عقد انامل جاری رہتا تھا (اسی سے اُن کے ذکر شغل اور مشغولی تام کا پتہ چلتا ہے) انگریزی پڑھنے کے مخالف نہ تھے۔ فرماتے تھے جو چاہو پڑھو مگر دل کی تصدیق کو کامل رکھو۔ سر سید کی تعریف کرتے تھے۔ ایکدفعہ علیگڈھ تشریف لائے تو سر سید بھی خدمت میں حاضر ہوئے حاجی صاحب نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے۔ سر سید نے کہا لوگ مجھکو کافر کہتے ہیں۔ فرمایا غلط کہتے ہیں سید کافر نہیں ہوا کرتا۔ جب سر سید کے انتقال کی خبر پہنچی تو عمدہ الفاظ میں انکو یاد کیا اور اُن کے خلوص کی تعریف کی +

انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کو حاجی صاحب کی طرف بڑا میلان تھا۔ ملک کے ہزاروں ہندو مسلمان گریجوایٹ بیسویں بیرسٹر وکیل اور عہدہ داران حکومت آپ کے مرید ہوئے۔ آنریبل جسٹس سید شرف الدین جج ہائی کورٹ کلکتہ آپ کے مخلص مرید ہیں۔ اور اب تک اُسی عقیدت سے مزار پر جاتے ہیں جس عقیدت سے

حاجی صاحب کی زندگی میں حاضر ہوا کرتے تھے +

سُنا ہے جب اُن کو ججی کا عہدہ عطا ہُوا تو سیدھے دیوہ میں حاجی صاحب کے مزار پر آئے اور ججی کی گون مزار کے پائیں ڈالدی اور عرض کیا کہ آپ کے طفیل یہ اعزاز ظاہری بادشاہت نے دیا ہے اب اس گون کو جب پہنونگا کہ باطنی حکومت بھی منظور کرلے اور کوئی امر انصاف کے خلاف مجھ سے سرزد نہ ہو۔ سید ابراہیم صاحب نے گون اُٹھایا اور جج صاحب کو پہنا دیا یہ واقعہ ان لوگونکی نگاہ میں جو مذہبی خیالات اور عقائد کو حماقت تصوّر کرتے ہیں عجب ٹھہرے گا۔ اور شاید وہ آنریبل جج کی عالی دماغی پر حرف زن ہوں مگر ہمارے خیال میں خود وہ لوگ جو اُن واقعات پر خلاف رائے دیتے ہیں عقل سے خارج ہیں۔ جج صاحب نے جو کچھ کیا بلحاظ مذہبی جذبات کے قرین عقل تھا۔ اور کسی قسم کا اعتراض اُنپر نہیں ہو سکتا +

حاجی صاحب مغفور کو نہ صرف ہندوستان کے ہندو مسلمان بزرگ سمجھتے اور عقیدت رکھتے تھے بلکہ یورپ کے باشندوں میں بھی آپ کی بزرگی کا چرچا تھا۔ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے ایک صاحب مسٹر حبیب احمد نامی آجکل انگلستان میں ہیں۔ اُنہوں نے حاجی صاحب سے فیض حاصل کیا تھا۔ یہ صاحب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اور عموماً انگریزی طرز معاشرت برتتے ہیں۔ جب دہلی میں روزانہ اخبار جاری تھا۔ تو یہ مسٹر حبیب احمد صاحب شاید اس کے چیف ایڈیٹر تھے۔ مگر کچھ عرصہ بعد یہ اخبار کو چھوڑکر مصر اور وہاں سے ولایت چلے گئے۔ دوران قیام انگلستان میں اُن کے غیبی بیانات کا شہرہ ہو گیا۔ کشف تصوّف کے طالب علم کو ابتدائی حالت ہی میں ہونے لگتا ہے۔ مسٹر حبیب احمد اپنی کشفی طاقت سے انگریزوں کے سامنے بعض ایسی باتیں کہدیتے تھے جن سے اُن کو بیحد تعجب ہوتا تھا۔ کیونکہ انگریزوں کیواسطے یہ بالکل نئی بات تھی کہ گذشتہ یا آئندہ حالت کو ایک اجنبی آدمی اس طرح بیان کردے

گویا اس واقعہ کا پورا علم اس کو حاصل ہے۔ رفتہ رفتہ مسٹر حبیب احمد کا چرچا زیادہ ہو گیا۔ اور ہندوستانی طلبار بھی اُن کے کمالات کے معتقد ہونے لگے۔ ہمارے دوست شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر دہلی کو بھی زمانہ قیام انگلستان میں وقتاً فوقتاً اُن سے ملاقات کرنے کا موقع ملا تھا۔ اور انہوں نے مسٹر حبیب احمد کے عجیب و غریب بیانات کو بطور خود آزمایا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ مسٹر حبیب احمد واقعی باطنی احساس میں غیر معمولی قابلیت کے آدمی ہیں۔ آنے والے واقعات کی نسبت وہ جو کچھ حکم لگا دیتے تھے عموماً ویسا ہی ہوتا تھا چنانچہ ہم نے شیخ عبدالقادر صاحب کے پاس ایک کتاب میں مسٹر حبیب احمد کے قلم سے یہ لکھا ہوا دیکھا کہ سید کرامت حسین جج ہو جائیں گے حالانکہ یہ تحریر دو برس پہلے لکھی گئی تھی جبکہ کسی طرح وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ مولوی سید کرامت حسین صاحب ہائی کورٹ کے جج بن سکتے ہیں۔ اس قسم کے صدہا واقعات ہیں جس میں مسٹر حبیب احمد کا قول پورا اُترا۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ غیبی باتوں کا بتا دینا اہل تصوف کے سامنے کوئی کمال نہیں ہے۔ اور وہ اُسکو نہایت ہیچ اور ادنے فعل خیال کرتے ہیں۔ مگر آج کل کے زمانہ میں مشائخ کی پستی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ان میں کشفی حالات کے آدمی بھی ناپید ہیں۔ زیادہ کمالات تو شئے دیگر ہیں۔ اس اعتبار سے مسٹر حبیب احمد کی قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ ایسے زمانہ میں اور ایسے ملک میں صوفیوں کے کمالات کا ایک جزو دنیا کو دکھا سکتے ہیں۔ اور یہ سب نعمت اُن کو حاجی صاحب سے حاصل ہوئی ہے حاجی صاحب کے ہزاروں نام احرام بند درویشوں میں بھی یہ بات مشکل سے ملیگی +

اسپین کے ایک امیر زادے نے جو لنڈن میں آیا تھا اور مسلمانوں کے کمالات کا متلاشی تھا مسٹر حبیب احمد کے کمالات کی تعریف سنی اور وہ اُن سے ملنے آیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ واقعی یہ آدمی ویسا ہی ہے جیسا سُنا تھا تو مسٹر حبیب احمد کی

خدمت میں رہنے لگا۔ اور نہایت عقیدت مندانہ طریقے پر ان کی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی۔ اس نے اپنا نام بھی بدل لیا اور طریق مذہب بھی پہلا سا نہ رکھا۔ یہانتک کہ وہ مریدوں کی مثل بن گیا۔ اس اثنا میں ہزار ہا روپے اُس نے مسٹر حبیب احمد کو دیئے اور انہوں نے وہ روپے نہایت بے پروائی و بے توجہی سے خرچ کر ڈالے لوگوں نے اسپینی امیر کو بہکایا کہ یہ شخص تمہارا روپیہ کس بیدردی سے اُڑاتا ہے تمہیں سوچنا چاہیئے۔ مگر وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہا۔ یہانتک کہ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ میرا پیر ایک ہندوستانی پیر کا مرید ہے اور وہ بزرگ ہنوز زندہ ہیں۔ تو ہندوستان میں آیا اور خاص دیوہ میں حاضر ہو کر حاجی صاحب کی زیارت کی جب وہ واپس گیا تو اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مینے وہاں ایک آنکھ دیکھی جس میں تمام عالم موجود تھا میں کیونکر کہوں کہ اُس آنکھ میں ایسی کیفیت تھی جس نے مجھ کو جنبش میں ڈالدیا۔ حالانکہ وہ آنکھ خود حاجی صاحب کی نہ تھی اُن کے ایک ادنےٰ مرید کی تھی جو حاجی صاحب کے پاس حاضر تھا۔ حاجی صاحب کی تعریف میں اُسنے اتنا کہا کہ تم اندازہ کرسکتے ہو کہ جس کے غلام ایسے ہیں تو وہ کیسا ہوگا +

یہ رائے ایک ایسے ملک کے باشندے کی ہی جو درویشی پر مضحکہ اُڑاتے ہیں۔ اور جن کی دیکھا دیکھی ہمارے ملک کے لوگ بھی فقیروں سے بدعقیدہ ہوتے جاتے ہیں یہ رائے ایک تہ بند باندھنے والے مجنونانہ صورت کے آدمی کی نسبت ہے جو تمدنی فیشن سے کوسوں دور تھا اور جسکی ظاہری حالت دائرہ تہذیب و شائستگی میں شمار کرنے کے قابل نہ تھی +

آہ وہ مستانہ دیوانہ جس کی شکل و صورت نے لاکھوں کو مستانہ دیوانہ بنا دیا۔ اب دیوہ کی خاک میں پڑا سوتا ہے وہ نورانی جسم جس کے پرتوہ نے لاتعداد ظلمانیوں کو منور کردیا آجکل زمین کی اندرونی تاریکیوں کو دور کر رہا ہے اور ہم سے دور رہے

حالانکہ ضرورت تھی کہ وہ نور مجسم ظاہری عالم میں اور زندہ رہتا۔ اور بیقرار و بیچین دلوں کو تسکین دیتا۔ اب اُس کے پسماندگان آپس میں فساد کرتے ہیں۔ اور اُس کے اطمینان بخش راستے سے بھٹکتے جاتے ہیں خدا کی مبارک وردی احرام کو شکم پُری کا ناجائز ذریعہ بناتے ہیں اور اپنے آقا کے توکل و استغنا کی کچھ پروا نہیں کرتے +

ہم نے حاجی صاحب کے بعض ایسے مریدوں کو دیکھا ہے جو جاہل لوگوں کو مرید کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ حاجی صاحب نے کسی کو بیعت کرنے کی اجازت نہیں دی بے اجازت مرید کرنا طریق فقرا میں ناجائز ہے۔ ان مریدوں میں بعض حضرات نے شریعت کی مخالفت کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اُن کے نزدیک فقیری یہ ہے کہ تمام شرعی پابندیوں کو توڑ ڈالا جائے۔ یہ لوگ نہایت بیباکی سے ایسے الفاظ زبان سے نکالتے ہیں جنکو ایک مسلمان سن نہیں سکتا +

حاجی صاحب کے وصال کے بعد گرد و نواح کے مشائخ اور حاجی صاحب کے محرم راز اور قابل اعتماد مریدوں نے سید ابراہیم صاحب کو سجادہ نشینی کے لئے منتخب کیا۔ جو حاجی صاحب کے نواسے اور پیرزادے ہیں اور جنکی ابتدائی زندگی ریاست رامپور وغیرہ میں نہایت عیش و عشرت سے گذری تھی۔ اور جنکی نسبت اُن کے مخالف بیان کرتے ہیں کہ وہ نہایت رند مشرب تھے۔ مگر حاجی صاحب کے اثر نے اُن کو ترک و تجرید پر مائل کر دیا۔ حاجی صاحب اپنی زندگی میں سید ابراہیم صاحب کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتے تھے اور ایسی گرویدگی ظاہر فرماتے تھے کہ اسی وقت لوگ سمجھ گئے تھے کہ یہی جانشینی کے لئے مقبول و منظور ہوتے نظر آتے ہیں۔ سید ابراہیم صاحب نے (غالباً) حاجی صاحب کی زندگی میں لباس تبدیل نہیں کیا تھا وصال کے بعد احرام باندھا +

ہماری سید ابراہیم صاحب سے پہلی ملاقات پیران کلیر شریف کے عرس میں ہوئی تھی جس کو چار برس کا عرصہ ہوا ہوگا۔ وہاں ہم نے نہایت تعجب سے دیکھا کہ وہ بادشاہوں

کی طرح راستہ چلتے ہیں۔ یعنی اُن کے آگے آگے فقرار کا غول ذکر جلی کرتا ہوا چلتا تھا۔
اور پیچھے وارثی درویشوں کے حلقہ میں سید صاحب کا نہایت مکلف احرام باندھے ہوئے
آہستہ آہستہ قدم رکھتے تھے۔ اور ہزاروں آدمی اُن کی زیارت و قدمبوسی کو ٹوٹے پڑتے
تھے۔ ہم کو اگرچہ یہ نمود کی بات بہت ناگوار گذری۔ مگر حلقۂ ذکر اور فقرار کے غول کا قلب
پر بڑا اثر پڑا۔ یہ بات سید صاحب نے نئی اختیار نہیں کی ہے۔ اکثر مقامات پر مشائخ میں
اس قسم کے جلوس کی رسمیں تھیں اور بعض جگہ اب بھی ہیں۔ یہ رسمیں دنیا کے بادشاہوں اور
امیروں کے جواب میں تھیں تاکہ لوگ دیکھیں کہ جو دنیا کو ترک کر دیتے ہیں۔ اُن کے لئے
بادشاہوں جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ شاندار جلوس ہر جگہ موجود رہتے ہیں جس میں نقیب
انسان کی بڑائی نہیں پکارتا بلکہ خدا کی بزرگی کو ظاہر کرتا ہے +

سید ابراہیم صاحب کا جلوس زیارت جب ختم ہو گیا تو ہم اُن کے پاس گئے اور
اصول تصوّف پر گفتگو شروع کی ہم نے امید کے خلاف ان کو تصوّف سے کچھ آشنا
پایا جس سے ہمیں بڑی مسرت ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے اکثر نامور مشائخ سے ملنے
اور بات چیت کرنے پر ہمیں اُنکی طرف سے مایوسی ہوئی تھی۔ اور اُنکی معلومات سُنکر
اُنکی طرف سے مایوسی ہوئی تھی۔ اور اُن کی معلومات اُن کی شان و شوکت کے مقابلہ کچھ بھی
نہ پائی گئی تھی۔ مگر سید صاحب باوجود اسکے کہ ان کی عمر کا بڑا حصہ دنیاوی مشاغل میں
صرف ہوا۔ حقایق و معارف سے ایک گونہ آگاہ نکلے +

اس ملاقات کے بعد ہم نے جب یہ تحریک شروع کی کہ خانقاہوں میں
طوائفوں کا ناچ گانا بند ہو جائے تو سید ابراہیم صاحب نے ہمارے خیالات کی
نہایت جوش سے تائید فرمائی۔ اور علانیہ اپنی تحریر اخبار میں شائع کرادی جس میں خانقاہوں
کے ناچ رنگ سے نفرت ظاہر کی گئی تھی +

وارثی خانقاہ کے سجادہ نشین کا طوائفوں کی ممانعت کے معاملہ میں ایسی

دلیری سے رائے دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بلکہ جن لوگوں کو وارثی خانقاہ کے تعلقات کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ کس کثرت سے بازاری عورتیں اس خانقاہ کی متوسل ہیں۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے سجادہ نشین کا مخالفانہ رویہ اُسکی اخلاقی جرأت و راستبازی کی اعلیٰ دلیل نہیں؟

ہمیں برابر ایسی اطلاعیں ملتی تھیں کہ سید ابراہیم صاحب کی مخالفت شروع ہوگئی ہے۔ اور وارثی درویشوں کا ایک گروہ اُن کے ساتھ نہایت مستعدی سے برسر پرخاش ہے۔ مگر خود دیوہ جا کر ان جھگڑوں کے معلوم کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ لیکن اگلے سال جب ہم ایک خاص قومی غرض سے مشہور خانقاہوں کا دورہ کر رہے تھے تو دیوہ میں بھی گئے۔ اور موافق و مخالف دونوں فریق سے علیحدہ علیحدہ ملکر وجوہ نزاع دریافت کیں +

سجادہ نشین صاحب کے ہمدرد کہتے تھے کہ ہم خانقاہ میں شریعت کی پابندی۔ نماز روزہ کا رواج۔ عرس میں تلاوت قرآنی و درود خوانی چاہتے ہیں۔ مگر مخالفین ان تمام امور کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک وارثیہ طریقہ کو شریعت سے کچھ سروکار نہیں۔ وہ ایک عشقیہ خاندان ہے اُسے مذہب و ملت سے کیا واسطہ؟ نماز روزہ سے کیا غرض؟ مگر سجادہ نشین صاحب کہتے ہیں کہ نہیں! ہم مسلمان ہیں طریقت شریعت سے جداگانہ چیز نہیں ہے۔ اس لئے ہم اپنی خانقاہ میں آداب شریعت کا ہر طرح لحاظ رکھیں گے اسپر جھگڑے نے اسقدر طول کھینچا کہ عدالت تک نوبت پہنچی +

خواجہ صاحب کے اعتراضوں کا جواب

سفر حجاز سے واپسی پر مجھکو بعض اپنے مشن کے اشخاص اور بعض دیگر اصحاب کی زبانی معلوم کہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اخبار وکیل کے چند نمبروں میں بسلسلہ عنوان ہندوستان کی مشہور خانقاہیں۔ خانقاہ وارثی کے حالات قلمبند فرمائے ہیں جس کے بعض حصہ مضامین پر میں اپنے مشن کے بعض ممبروں کو خواجہ صاحب کے خلاف طعن تشنیع کرتے ہوئے اور اُن کے ان مضامین کی نسبت جو سلسلہ وارثی کے متعلق اُن کے قلم سے نکلے تھے سر بسر اتہام اور سلسلہ کی بدی کا باعث کہتے ہوئے دیکھ کر مجھکو ایک گونہ رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ رنج اس لئے کہ کوئی محب اپنے محبوب و مولا کی شان میں ذرا خلاف واقعہ بات سننا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اور افسوس اسلئے کہ خواجہ صاحب ممدوح سے مجھ کو تعرف حاصل ہے اور ان کے اپنے علم و فضل اور متصوفانہ اخلاق سے ایسی بات خلاف توقع اور منافی شان معلوم ہوتی تھی اس لئے اس وقت سے برابر مجھکو اشتیاق تھا کہ وہ اصل اخبار کہیں سے ملیں تو مضامین مذکور ایک نظر دیکھ لئے جائیں چنانچہ حسن اتفاق سے آج پٹیالہ آنے پر ایک صاحب سے ہم کو وہ پرچہ ہائے وکیل بابت ماہ جنوری نمبر ۲ ۸ فروری نمبر ۸۸ مارچ نمبر ۹۷ سنہ ۱۹۰۹ء دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اور میں نے اُن مضامین کو ایک نظر انصاف سے بغور دیکھا۔ جس پر بلا مبالغہ وہ مثل صادق آئی۔ کہ

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

مجھکو نہایت خوشی ہے کہ جو حسن ظن ہم کو خواجہ صاحب کی نسبت تھا اُسمیں اور بھی اضافہ ہوا اس لئے بلا خوف لومتہ لائم میں آزادانہ اس امر کے اظہار پر مجبور ہوں کہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے ان مضامین کو باستثنار بعض حصص کے نہایت منصفانہ

طور پر لکھا ہے اور وہ مضامین وہی شان لئے ہوئے ہیں۔ جو ایک صوفی منش محقق آدمی
کے قلم سے متوقع ہو سکتے تھے۔ حضرت امام العاشقین محبوب یزدانی جناب حاجی حافظ سید
وارث علی شاہ قدس اللہ سرہ کے محامد اور کمالات کے اعتراف اور اُن کے جذب و تاثیرات
کے اظہار میں ہرگز ہرگز کوتاہ قلمی کو کام نہیں فرمایا گیا۔ بعض امور جو قابل اعتراض اور
خلاف شریعت اس سلسلہ میں ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی خواجہ صاحب نے اظہار
فرمائے ہیں۔ اُن سے حضرت سلطان العارفین حاجی صاحبؒ کی ذات مجمع صفات
پر کوئی حرف نہیں آسکتا گو یہ ممکن ہے کہ بعض امور کمی تحقیقات پر مبنی ہوں جس کا مختصر
ذکر آخر میں کیا جائے گا۔ باقی جو امور ایسے ہیں کہ وہ آپ کے نام لیوا افراد میں پائے جاتے
ہوں اُس کے ذمہ دار وہ لوگ خود ہیں کوئی فعل خواہ وہ برائے نام یا غلو محبت کی
بنا پر ہو۔ یا اُن کے لئے رکیک تاویلین بنائی جائیں کبھی فائز المرام نہیں ہو سکتے جب
شریعت غرہ اسلام کے صریح مخالف اور سلف صالحین کے اقوال افعال کے صریح متغائر
ہوں۔ بلکہ خود بانیٔ سلسلہ تک کا بھی اُن کی نسبت جو سلسلہ وارثی کے متعلق جو خواجہ
حسن نظامی صاحب نے اپنا چشم دید واقعہ درج فرمایا ہے ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے
کہ بلا کسی دلیل کے اس پر بدگمانی کی جائے اگرچہ مجھے خود دیوہ شریف جانے کے دنوں میں
کسی صاحب کو اُس کے بت پرستانہ رنگ میں پرستش یا پوجا کرتے ہوئے دیکھنے کا
اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن اگر فی الواقع ایسا ہوتا ہے کہ مثل ٹھاکر دوارہ کے بتوں کے
اُسکو دھوپ دی جاتی ہے اور اُس کے مشرکانہ رنگ میں پوجا پاٹ ہوتی ہے تو یہ ہرگز ہرگز
حضرتؒ کا منشا نہیں بلکہ اُس کا ذمہ دار وہ شخص ہے جو اس کا مرتکب ہو۔ خواجہ صاحب
کی تحریر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کسی غیر مسلم (انگریز) شخص کا ایک تصویر تیار کر دینا
اور بطور یادگار تاریخی کے اُسکا رکھ چھوڑنا جیسا مشاہیر کے لئے ایک فیلنگ ہے
دوسری بات ہے۔ اُسکو دھوپ دینا مذموم ہونا یا اور اس قسم کے خلاف شرح

حرکات کرنا حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ کا منشا کہاں سے پایا جا سکتا ہے۔
بلکہ جو نوٹ تصویر پر خود حضرتؒ کے حوالہ سے خواجہ صاحب نے دیکھا ہے کہ "اس مرقع
کا دوسرا مرقع ہو نہیں سکتا نہ ہونے دیتا" اس باتع کی دلیل ہے کہ صاحب ارشاد کا
منشا اس بدعت کی آئندہ ترقی کو روکنے اور اسکو اسی تصویر تک ایک تاریخی رنگ
میں محدود رکھنے کا تھا اُس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اسکو بت پرستی اور صنم پرستی
کا لبادہ پہنا کر معرض اعتراض اور مورد الزام بنایا جائے لیسے فعال کے جوابدہ وہی
لوگ ہیں جنہوں نے شریعت اسلام کا پاس کیا اور نہ اپنے پیشوا کے منشا کو ملحوظ رکھا
کوئی شک نہیں یہی لوگ بدنام کنندہ نکونامے چند ہیں اور آیت کریمہ اتخذوا
احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ کے مصداق۔ اسی طرح
بعض ہندو صاحبان کا حضرت کے سلسلہ میں بیعت میں شامل ہونیکے باوجود اپنے
اصل مذہب پر قائم رہنا اگرچہ ایک حد تک ایک مسلمان رہنما کے سلسلہ میں قابل
اعتراض ہو سکتا ہے لیکن جہانتک اس بارہ میں ہماری اپنی تحقیقات اس کی بنا
اس راز پر ہے کہ حضور علیہ الرحمۃ کے عاشقانہ جذب اور کاملانہ تصرف کا ایک ادنی کرشمہ
یہ تھا کہ بلاتمیز ملت و مذہب جس پر اُس برق نگاہی کا ایک پرتو پڑ جاتا تھا اُس کو
حسب قابلیت و استعداد ایک میلان طبع اور رحجان قلب ہو جاتا تھا اور حضور
کے اخلاق کی یہ ایک شان تھی باتباع آیت کریمہ ادع الی سبیل ربک
بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ بلا
کامل یا اصلی رغبت کے عامیانہ رنگ میں مولویانہ پند و نصائح کا دفتر نہیں کھول
بیٹھتے تھے۔ کیونکہ اوّل تو ایسے لوگوں میں بہت سے دنیاوی اعتراض یعنی دولت

ع ہمکو اس نوٹ پر یقین نہیں۔ حاجی صاحب قبلہ رحؒ کو ان فضولیات سے کیا تعلق تھا جس نے جو چاہا لکھدیا
اور جو چاہے لکھدے وہ جس حالت میں تھے اکی قدر ہی اسوقت تک کسی نے نہیں کی۔ (ایڈیٹر مشرق)

اور اولاد وغیرہ مطالب وغیرہ کے خواہشمند ہوتے ہیں ان سے ایسی تبلیغ کا کچھ سروکار ہی نہ تھا اُنکے سوا جو ذرا زیادہ تعلق قائم کر لیتے تھے اور خود کسی فیض اور نصیحت کے طالب ہوتے تھے انکو حسب استعداد اور مناسبت وقت کوئی خاص اُصول پر ماقل و دل کے مصداق آدھ مختصر مگر پُر مغز نصیحت کو چھوتے تھے۔ مثلاً اول استدعا پر فرماتے کہ بت پرستی مت کرنا حرام مت کھانا وغیرہ وغیرہ جب وہ اس پر استقامت دکھاتا تو بتدریج اُس کو نصائح سے مالامال فرماتے رہتے۔ یہانتک کہ ایسے مستقل تعلق پذیر لوگوں کا انجام یہ ہوتا تھا کہ وہ آخر مشرف باسلام ہو کر آپکے فیض سے اعلےٰ قدر مراتب فیضیاب ہو جاتے تھے۔ ایسے اشخاص کی متعدد زندہ شہادتیں موجود ہیں جسکو تحقیقات کا شوق ہو تو ہم اُنکی نشاندہی کیلئے تیار ہیں اور جو لوگ ضعیف اعتقادی کے رنگ میں اپنے اغراض کے تحت میں حضرت سے خوش اعتقاد ہو جاتے تھے وہ ہی لوگ تھے جنکے ہم فطرت لوگوں کو آپ صاحبان آج بھی باوجود ہندو مذہب ہونیکے تعزیہ داری کرتے انکو مساجد میں لیجاتے اولیاء اللہ کے قبور پر منتیں مانتے چڑھاوے چڑھاتے دیکھتے ہیں حضرتؒ کی تعلیم اور فیضان پر اس سے کیا حرف آسکتا ہے ؎

اسی طرح طوائف بازاری حلقہ بیعت میں شامل ہو کر بعض بدستور آوارگی کی حالت میں رہتی تھیں اسکا جواب اگرچہ خواجہ صاحب نے بوجہ احسن دیدیا ہے۔ لیکن اسقدر ہم اور بھی عرض کر دیں با خاطر ی خیال کرتے ہیں۔ کہ اس فرقہ کی خوش اعتقادی اور عجائب پرستی شہرۂ آفاق ہے جو عورات ان میں سے اپنے کردار سے دستکش ہو جاتی تھیں وہی سلسلہ بیعت و ارادت میں منسلک کہلائے جانیکے لائق تھیں۔ کیونکہ بیعت کے معنے بیع ہو جانا ہے۔ اور اپنے پیر طریقت کے رنگ میں حسب قابلیت رنگین ہو جاتا ہے۔ جس نے اپنے شیخ طریقت کا منشا اور اسکا طریقہ نہیں معلوم کیا وہ کاہیکا مرید ہے۔ ہاں اسمیں شک نہیں کہ ایک متشرع مولوی کے نزدیک ایسی قوم گردن زدنی اور اسکا محلہ سے گذرنا بھی گوارا نہ ہو مگر ایک صاحب حال و باخدا ہمہ رحم انسان تخلقو باخلاق اللہ رنگ سے رنگین اُنکو ہمیشہ اور بھی رحم کے قابل مخلوق خیال کر کے

اُن سے ظاہری تنفر اور بداخلاقی نہیں کرتا بلکہ ہر وقت اُنکے راہ راست پر آجانیکا خواہشمند رہتا ہے اور بتدریج اصلاح حال میں کوشاں رہتا ہے۔ اگرچہ ہدایت وہی پاتے ہیں جنکے مقدر میں بھی ہو اور جو خدا کیلئے دنیاوی آسائش آرام کو خیرباد کہنے کی قربانی پر آمادہ ہو جائیں۔ بہرحال ہمیں خواجہ حسن نظامی صاحب کا مشکور ہونا چاہیئے کہ انہوں نے باوجود بظاہر ایکدوسرے سلسلہ سے تعلق پذیر ہونے کے اور ضیق وقت کے باعث ہر ایک شائبہ پر مکمل تحقیقات کا موقع نہ مل سکنے کے انصاف کے رشتہ کو ہاتھ سے نہیں دیا اور جو کچھ حوالہ قلم کیا ہے وہ بھی ہمدردی اور راستبازی کا پہلو لئے ہوئے ہے

آخر میں ہم اپنے برادران طریقت کی خدمت میں بھی محض ہمدردی اور خلوص سے عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ اے اُس امام العاشقین کے نام لیوا۔ اور اے اس سلطان کشور عشق و محبت کے کفش بردار و عموماً اور بقول خواجہ صاحب خدائی وردی یعنی احرام کی زیب تن رکھنے والو خصوصاً اپنے افعال اور اپنے کردار اور اقوال سے ایسا مت ثابت ہونے دو جو شریعت اسلام کے خلاف اور تمہارے امام اور ہادی کی شان کے شایاں نہ ہو۔ تم کو چاہیئے کہ اس مقدس لباس کی لاج رکھو اور اُس مبارک نام کی شرم ہر وقت تمہارا نصب العین ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے نفس کی شامت سے اس متبرک لباس کو بٹہ لگے اور تمہاری خواہشات اُس متبرک نام پر حرف لانیوالی ثابت ہوں۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے جوش ہمدردی سے متاثر اور مجبور ہو کر لکھا ہے ورنہ ہمیں کسی سے حاشا کہ اللہ کچھ عناد نہیں ؎

شد است سینہ ظہوری پر از محبت یار
برائے کینہ اغیار در دلم جا نیست

تلخ گذرے جو کسی کو یہ صدا — حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

(سید غفور شاہ حسامی الوارثی محمدن تھیوسوفیکل مشنری)

تمت

(خاکسار محمد حسین کاتب امین آبادی)

کتب تصوّف کا عظیم الشان سلسلہ

مشاہیر اسلام و صوفیہ کرام کے حالات زندگی مرتب کرنے سے یہ فائدہ پیش نظر ہے کہ ہم لوگ بھی ان بزرگوں کے روحانی فیوض و برکات سے فیضیاب ہوں اور دیکھیں کہ اسلام نے اپنی سادہ اور پاک تعلیم سے قرون اولی میں کیسے کیسے حکما و مشائخ اور کس پائے کے اولیا اللہ پیدا ہوئے ہیں ان بزرگوں نے معرفت کے رموز باطنی کو طشت از بام کردیا اور انکی یہانتک اشاعت کی کہ آجتک ساری دنیا پر شیوخ باطن کی حکومت ہے، ان کے نقش قدم پر چلنے کے واسطے ان کے حالات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات پنجاب نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور اس غرض سے کہ ہر ایک شخص آسانی سے خرید کر مطالعہ کرسکے قیمت نہایت کم رکھی ہے۔ فی الحال نمبران ذیل تیار ہیں۔ شائقین خود پڑھیں اور اپنے بچوں اور مستورات کو پڑھائیں۔ اہل ثروت خرید کر غربا مسلمان طالب علموں میں تقسیم فرمادیں۔ اس میں رعایتی قیمتیں درج کیگئی ہیں +

(۱) حضرت منصور بن حلاج رح ۓ ر (۲) حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رح ۓ ر (۳) حضرت امام نجیب سہروردی رح ۓ ر
(۴) حضرت خواجہ شمس حافظ شیرازی رح ۱ر (۵) حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رح ۱ر (۶) حضرت امیر خسرو رح ۓ ر
(۷) حضرت غوث الاعظم جیلانی رح ۱ر (۸) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح ۱ر (۹) حضرت سلیمان فارسی رض ۓ ر
(۱۰) حضرت خواجہ حسن بصری رح ۱ر (۱۱) حضرت شیخ سنوسی ۱ر (۱۲) حضرت امام بخاری رح ۱ر (۱۳) حضرت سرمد شہید ۱ر
(۱۴) حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتی رح ۱ر (۱۵) حضرت بابا فرید گنجشکر رح ۱ر (۱۶) حضرت عبداللہ بن عمر رض ۱ر
(۱۷) حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رح ۓ ر (۱۸) حضرت عمر خیام رح ۱ر (۱۹) حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح ۱ر
(۲۰) حضرت شہباز رح ۲ر (۲۱) حضرت امام شافعی رح ۱ر (۲۲) حضرت خالد بن ولید رض ۲ر (۲۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز رح ۲ر
(۲۴) حضرت جنید بغدادی رح ۓ ر (۲۵) حضرت امام غزالی رح ۲ر (۲۶) حضرت امام حنبل رح ۱ر (۲۷) سلطان صلاح الدین غازی رح ۲ر
(۲۸) حضرت مخدوم علی علاؤ الدین احمد صابری کلیری رح ۓ ر (۲۹) حضرت شبلی رح ۓ ر (۳۰) حضرت کرشن معظم ۓ ر
(۳۱) شیخ ابو سعید ابو الخیری مہندی ۓ ر (۳۲) غازی عثمان پاشا شیر پلونا ۲ر (۳۳) شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب ۱ر
(۳۴) شمس العلما حافظ محمد حسین صاحب آزاد ۱ر (۳۵) خلیفہ حضرت سلطان عبد المجید خاں غازی ۲ر
(۳۶) آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم ۲ر (۳۷) نواب محسن الملک مہدی علیخاں صاحب ۱ر
(۳۸) رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب ۓ ر

اِن ساری کتابوں کے ایکجا خریدار سے بجائے ۱۲ کے صرف ۱۲ علاوہ محصول لئے جاوینگے +

المشتہر

منیجر دفتر صوفی پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات پنجاب

یثرب و بطحا کے نقشے

حرم شریف مکہ معظمہ کا سطحی خاکہ اور حجر اسود

رنگین نہایت خوبصورت روغنی معہ رول و کپڑا ہدیہ فی عدد صرف ایک روپیہ (عہ) مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ دونوں کے سطحی خاکوں کی خریداری پر خرچ ڈاک معاف سائز ۲۲ + ۲۹ - انچہ۔ سالم تقطیع حج جانے سے پہلے ایک نقشہ ضرور ہمراہ لے جاؤ ہر ایک مقام آسانی سے معلوم ہو جاویگا۔ بعض ایسے موز و نکات اس نقشہ میں ہیں جن کی بڑے بڑے علماء اور معلمان مکہ معظمہ کو بھی خبر نہیں۔ حرم شریف کے تمام مشہور دروازے۔ منارے صحن۔ صحن میں راستے۔ چاروں مصلے چاہ زمزم۔ مقام ابراہیم۔ منبر۔ قبۃ الفراشین۔ مطارف کن۔ ملتزم۔ مقام جبریل۔ حطیم۔ مستجار۔ غرضیکہ ہر ایک حصہ کو نہایت خوبصورتی سے پیمانہ کے ساتھ ٹھیک انکی اصلی جگہ پر دکھایا ہے۔ حجر اسود کا صحیح خاکہ اور اُسکی اصلی حالت علیحدہ نقشہ میں جو اسی خاکہ کے ساتھ ہے ظاہر کر دی ہے۔ بڑی بابرکت چیز ہے۔ ایک روپیہ (عہ) کو بالکل مفت سمجھئے +

حرم شریف مدینہ منورہ کا سطحی خاکہ

یہ نقشہ ایڈیٹر صاحب صوفی اپنے گذشتہ حج میں مدینہ منورہ سے ہمراہ لائے تھے۔ یہ ایک ترک انجینیر نے موقع کی پیمائش کر کے پیمانہ سے بنایا ہے۔ نہایت عمدہ متبرک اور عجیب چیز ہے۔ مسجد نبوی میں جہاں ستون ہیں نقشے میں وہاں ایک چھوٹا سا دائرہ بنا دیا ہے۔ حضرت سرور کائنات صلعم کے عہد مبارک میں مسجد کی جس قدر حد تھی اس کو سبز رنگ دیا گیا ہے حضرت عمرؓ حضرت عثمان بن عفان اور خلفاء نے اپنے اپنے عہد میں جسقدر ایزادیاں کی ہیں سب علیحدہ علیحدہ رنگ سے دکھائی گئی ہیں۔ ریاض جنت کا ٹکڑا جسکے ستون کا رنگ موقع پر تمیز کیلئے زرد رنگ ہے نقشہ میں بھی ستونوں پر یہی رنگ دیا گیا ہے۔ باب الرحمۃ۔ باب السلام۔ باب النساء۔ باب الجبریل۔ باب المجیدی وغیرہ سب عین مطابق موقع پیمانے سے بنائے گئے ہیں روضہ شریف جناب رسول مقبول صلعم اور حضرت ابا بکر صدیقؓ حضرت عمر خطابؓ کی اصلی جگہ موقع پر ظاہر کر دی گئی ہے سٹور (مخزن) اور کتب کھکر ادس بستان فاطمۃ الزہرا۔ بیر فاطمہؓ اور دیگر ضروری مقامات بھی دکھائے گئے ہیں۔ منبر محراب النبی صلعم محراب عثمانؓ جائے تکبیر سب دکھائے گئے ہیں +

یہ نقشہ پانچ رنگوں میں خاص اہتمام سے تیار کرایا گیا ہے معہ رول کپڑا اور روغنی نقشہ کی قیمت صرف ایک روپیہ عہ ہے جو اس خوبی کے مقابلہ میں کچھ بھی قیمت نہیں +

المشتہر

مینیجر دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب

۲۱ اکیس فوٹو

دیارِ حبیب صلعم کے قابلِ دید مناظر کی عکسی تصاویر

یہ فوٹو نہایت محنت سے تیار کرائے گئے ہیں۔ اب تک دس فوٹو تیار تھے اب اکیس فوٹو کا سٹ تیار ہے۔ قیمت فی عدد (۳ر) اکیس فوٹو کا سٹ مکمل (عہ) دس فوٹو (عہ) علاوہ محصول (۱) روضہ شریف حضرت سرور کائنات صلعم کا رنگین فوٹو (۲) کعبۃ اللہ بیت اللہ شریف کا فوٹو سیاہ ریشمی غلاف اور اس پر سنہری حروف جو فوٹو میں اچھی طرح پڑھے جاتے ہیں (۳) مدینہ منورہ کا نظارہ (۴) مکہ معظمہ میں نماز جمعہ کا دلچسپ نظارہ (۵) میدان عرفات میں لوگوں کے خیمے اور قاضی صاحب کا جبل رحمت پر خطبہ پڑھنا (۶) شیطان کو کنکر مارنے کا نظارہ یعنی رمی (۷) میدان منا میں حاجیوں کے کیمپ اور مسجد خیف کا سین (۸) جنت المعلّٰی واقعہ مکہ معظمہ جس میں حضرت خدیجہ حرم رسول کریم صلعم اور حضرت آمنہؓ والدہ حضرت سرور کائنات کے مزار کے فوٹو بھی ہیں (۹) جنت البقیع جس میں مزارات اہل بیت و امہات المومنین و بنات النبیؐ حضرت عثمان غنی و شہدائے بقیع وغیرہ (۱۰) کعبۃ اللہ کے گرد حاجی طواف کر رہے ہیں (۱۱) کوہ صفا و مروہ اور وہاں جو کلام مجید کی آیت کریمہ منقش ہے وہ فوٹو میں حرف بحرف پڑھی جاتی ہے (۱۲) روضہ شریف حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سادہ فوٹو (۱۳) مسجد حضرت عائشہ صدیقہ جہاں سے حاجی عمرہ باندھتے ہیں (۱۴) محمل شامی کا میدان عرفات میں قابل دید نظارہ (۱۵) محمل مصری کا شاندار سین (۱۶) پرانے مدینہ میں اسلام کی پہلی مسجد قبا جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے اوّل تیار کی اور کرائی (۱۷) سیدنا امیر حمزہ کا مزار جو جنگ احد میں شہید ہوئے (۱۸) بیت المقدس کی مسجد اقصےٰ (۱۹) حرم شریف بیت المقدس میں رحمت اور توبہ کے دروازے (۲۰) صخرہ یعنی وہ بہشتی پتھر جو مسجد اقصےٰ میں معلق تھا اس کا فوٹو اور مسجد کے اندر کا قابل دید نظارہ (۲۱) بیت المقدس میں مسجد سیدنا حضرت عمرؓ اور شہر کا عام دلچسپ سین ✣

یہ وہ نقشے نہیں جو بمبئی وغیرہ کے بازاروں میں عام طور پر فروخت ہوتے ہیں۔ یہ اصلی فوٹو ہیں۔ اس لئے آپ ان کو منگا کر اپنے مکانوں اور کمروں کو زینت بخشیں روضہ شریف کا رنگین فوٹو۔ قیمت فی عدد چھ آنے (۶ر) سائز ہر ایک فوٹو ۱۴ × ۱۱ انچ ہے لیکن مکمل سٹ کے ساتھ یہ رنگین فوٹو اسی قیمت یعنی (عہ) میں دیا جاتا ہے علٰحدہ چھ آنہ کو ملتا ہے ✣

المشتہر

مینیجر دفتر صوفی پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات پنجاب

مذاق العارفین اردو ترجمہ احیاء العلوم الدین

مصنفہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ عاشقان رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خاص بندگان خدا کیلئے یہ ایک غیر مترقبہ نعمت ہے احیاء العلوم الدین ایک مشہور کتاب ہے، خصوصًا پابندگان شریعت اسلام کیلئے اور عمومًا صوفیہ کرام کیلئے تصوف کی یہ کتاب لاجواب ہے + قیمت صرف ... ... لعہ ۹

دیوان حافظ

یہ کتاب نہایت نایاب اور بے نظیر نسخہ دیوان حافظ کا ہے جو بڑی آب و تاب سے طبع ہوا ہے کتابت اور چھپائی کا کمال اگر آپنے ملاحظ فرمانا ہو۔ تو ہماری خاطر سے ہی اس کی ایک جلد منگا کر دیکھو۔ اس کے ٹائیٹل پیج پر اسقدر سنہری کام کیا ہوا ہے کہ ایک ہی صفحہ کی لاگت کا اندازہ اگر آپ بطور خود کریں تو کم سے کم ڈیڑھ روپیہ سے کم نہ ہوگا اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر ایک صفحہ طلاکار رنگین بیل دار ہے۔ ہر صفحہ پانچ رنگوں سے مزین ہے ہر ایک غزل کے خاتمہ پر علیحدہ علیحدہ طرز کی بیل ہے۔ قدر دان اور نایاب کتابوں کے شوقین ضرور اسکا ایک نسخہ اپنی لائبریری کی شان بڑھانیکو خرید کریں۔ غزلوں کے مقطع میں جہاں جہاں حافظ صاحب کا نام آیا ہے وہاں اُن کا نام سُرخ سیاہی سے چھپا ہے ایسا ستھرا اور روشن چھپا ہوا ہے کہ قلمی ہونے کا شک پڑتا ہے اس پر جلد کے باہر دیوان حافظ نہایت خوشخط سنہری حرفوں سے لکھا ہوا ہے ایسا نایاب تحفہ پھر شاذ و نادر ہی دستیاب ہوگا۔ کاغذ نہایت مضبوط اور دبیز ہے۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف عـه/

مذاہب اسلام

مسلمانوں کے کل فرقوں کے تاریخی حالات و اعتقادات بڑی تحقیق و تدقیق سے مولوی محمد نجم الغنی صاحب رامپوری مصنف کتب متعددہ نے قلمبند کئے ہیں یہانتک کہ ابتدا سے لیکر مرزائی نیچری اور مہدی سوڈانی کے عقائد تک معہ حالات تاریخ وار لکھ دئیے ہیں طبع ثالث میں دو چند سے بھی بڑھ گیا ہے حجم ۸۲۵ صفحے قیمت صرف چار روپے ... ... للعہ ۴

ملنے کا پتہ :- مینجر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب

ہندوستان میں عرفان کی پہلی تجلی

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت خواجہ معین الدین چشتی

اجمیری رح کے حالاتِ زندگی

مؤلفہ

مولوی مقبول احمد صاحب نظامی سیوہاروی

قلم الفقراء ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی

ورنیداد پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات پنجاب

کیلئے

محمدی سٹیم پریس امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان میں عرفان کی پہلی تجلی

یعنے

حضرت خواجہ غریب نواز کے حالات

خواجہ غریب نواز کے حالات بہت سے بزرگوں نے لکھے ہیں اور حق یہ ہے کہ اپنی دسترس تک ہر ایک نے خوب تلاش کی ہے۔ حضرت کے حالات لکھنا انہیں چبائے ہوئے لقموں کو منہ میں پھرانا ہے۔ لیکن ضرورت کے وقت برکت کے حصول کیلئے بابرکت ادیش کام میں لائے جاتے ہیں +

دنیا میں جس قدر مشاہیر گذرے ہیں اُن کے حالات مافوق الفطرت لکھے جاتے ہیں اور یہ کچھ اسلامی ریفارمروں اور مصلحوں کیلئے ہی خصوصیت نہیں بلکہ ہر مذہب کے سربرآوردہ بزرگوں کیلئے اسی طرح کی روایات بنائی جاتی ہیں یا درحقیقت وہ ابتدا سے اپنے واقعات میں ایک خاص کیفیت رکھتے ہیں۔ اعتراض کرنے والوں کو اس کلیہ پر غور کر لینا چاہیئے اُس کے بعد زبان کھولنی مناسب ہوگی۔ ہندوستان میں تجلی عرفان کی پہلی جھلک حضرت کے دم سے ظاہر ہوئی۔ اور یہی مناسب بڑی شمع تھی جس سے ہزاروں چراغ روشن ہو گئے۔ حضرت ایک بجلی کے کارخانہ کے شمع تھے جس سے

تمام وجود برقی جگمگاہٹ سے چمک اُٹھے +

ہندوستان ایک سجی ہوئی محفل تھی۔ جس میں تمام لوازمات آرائش موجود تھے اور اس محفل کی خوبی محض ایک روشنی نہ ہونے سے پردہ عدم میں پنہاں تھی +

خدا نے جب اُس اندھیری محفل کے چمکانے کا قصد کیا تو ایسے موقع کا انتخاب کیا جو ہندوستان کا وسط تھا جہاں سے خورشید فیض کی مقدس شعاعیں تمام ہندوستان میں آسانی سے پہنچ سکتی تھیں +

قدرت کا ابتدا سے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب تاریکیاں بڑھ جاتی ہیں اور جہل و ظلمت کی گرماگرمی شروع ہوتی ہے تو ایک ایسے وجود کو ظاہر کیا جاتا ہے جس سے ساری کلفتیں عالم کی دور ہو جائیں +

حضرت کی پیدائش بھی اسی قانون کے مطابق ہوئی ہے ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء یعنی جناب کا سنہ ولادت وہ ہے جبکہ دولتِ سلجوقیہ کی یادگار سلطان سنجر کو جو اپنے حقوق وراثت سلطنت ہلوکی حیثیت سے ثابت کر رہا تھا، تاتاریوں سے ایک بھاری شکست ہوئی تھی سیستان کا حاکم جس کی بہادری کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور خود سنجر نہایت بے سروسامانی کے ساتھ بھاگ گیا تھا +

اسی سال حضرت ابوالفضائل عبداللہ عین القضاۃ ہمدانی خلیفہ امام غزالی نے سفر آخرت فرمایا ہے اور اسی سال حضرت مولانا احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا ہے +

حضرت امام غزالی کے انتقال کے اکتیس برس بعد اور شیخ ابوسعید مخزومی سے تیرہ سال بعد آپ پیدا ہوئے ہیں +

یہ صدی درحقیقت دنیائے اسلام کیلئے آزمائش گاہ تھی۔ ہندوستان میں دولتِ غزنویہ کا چراغ ٹمٹا رہا تھا اور ایک جھونکے کے انتظار میں خاموش ہونا چاہتا تھا۔ محمود غزنوی کے کارنامے طاق میں دھر دیئے گئے تھے۔ خاندان غور کی بنیادیں پڑ چکی تھیں

اور فقط ہندوستان کے لئے ہی مصیبتوں کا پہاڑ نہ ٹوٹا تھا بلکہ سیستان خراسان بھی حوادثات کا شکار ہو رہے تھے +

ایک طرف تاتاریوں نے ایک طوفان بچار کھا تھا دوسری طرف باطنین اور ملاحدہ خدا کے گلے کو بے دردی سے ذبح کر رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم ثواب کا کام کر رہے ہیں۔ اسلام کو جس قدر ان چمکتی ہوئی مورتوں اور سیاہ باطن لوگوں سے نقصان پہنچا ہے دوسری قوموں سے نہ پہنچا ہوگا اس لحاظ سے کہ اپنے کو مسلمان سمجھ کر ایسے افعال کا ارتکاب کرتے تھے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کو خراب اور کمزور کرنے میں ان سے زیادہ کوئی قوم پیدا نہیں ہوئی۔ ہزاروں علماء فضلاء ان کے خفیہ کارگذاروں کے ہاتھ سے جن کو فدائی کہا جاتا تھا شہید ہو چکے تھے یہ لوگ اسلام پر ڈاکے اور چھاپے مار رہے تھے اور ان کا اثر اس سرے سے اس سرے تک پھیل گیا تھا +

جان قربان کرنیوالے اور اپنے گمراہ کرنے والے امام کے ہاتھوں کا بنیظیر پر قوت آلہ جیسے یہ فدائی تھے ایسی کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کی فوج نہ ہوئی ہوگی +

شداد نے بہشت بنایا تھا لیکن اُس کے ذریعہ دھوکا دینے اور گمراہ کرنیکی نوبت نہ آئی تھی لیکن اُن لوگوں نے دُنیائے اسلام کو عالم حیات میں بہشت اگمراہ کرنیوالی بہشت کا مزہ چکھا کر ایسا برگشتہ کیا تھا جس کی کوئی حد نہ رہی تھی +

اس ہولناک اور پرخطر زمانے میں ہمارے خواجہ صاحب پیدا ہوئے آپکے والد ماجد کا نام خواجہ غیاث الدین حسن تھا جن کی دولت و ثروت ملک میں مسلم تھی اور جس طرح آپ دولتمند تھے اسی طرح آپ ورع زہد تقویٰ کے خزانے پر متصرف تھے حضرت خواجہ صاحب کے پیدا ہونے پر خواجہ غیاث الدین حسن خراسان تشریف لیگئے اور یہی وہ بابرکت مقام ہے جہاں ہمارے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے نشو و نما پائی ہے +

صاحب خزینۃ الاصفیاء و سیر الاقطاب نے جس طور پر سلسلہ نسب لکھا ہے اُس سے

ثابت ہوتا ہے کہ جناب کئی سلسلوں کے بعد حضرت مولا علی کرم اللہ وجہ سے ملجاتے ہیں
صاحب تاریخ آئینہ تصوف مظہرت نامہ اور مکتوب قطاب حدیث المعارف مصنفہ حضرت
خواجہ غریب نواز کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ کا سلسلہ مادری گیارہویں واسطہ پر
حضرت مولا سے ملجاتا ہے آپ اپنی والدہ ماجدہ کی جانب سے حسنی اور والد کی طرف سے
حسینی سید ہیں بعض تذکروں میں حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کو آپ کا ہمشیر زادہ
بتایا گیا ہے اگرچہ ہم اس کے متعلق بوجہ عدم تحقیق اتفاق نہیں کرتے لیکن جو نام
تذکروں میں آئے ہیں اُن کے دیکھنے سے بضرور سمجھ آتا ہے کہ حضرت پیران پیر دستگیر سے
کسی واسطہ پر پہنچکر قرابت داری ہو حضرت حسن مثنیٰ جن پر جناب کا مادری سلسلہ
ختم ہوتا ہے وہی جد تم نسب پدری جناب پیر دستگیر ہیں پس یہ بات تو اظہر من الشمس
ہے کہ جس طرح حضرت پیر دستگیر حسنی حسینی ہیں وہی فخر آپ کو حاصل ہے۔ اس
صورت میں یہ یقینی بات ہے کہ کسی درجہ پر نہایت مستحکم خاندانی واسطہ ہوگا۔
۵۴۹ ہجری کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے خواجہ غریب نواز کو
خراسان میں اطمینان نصیب ہوا ہوگا۔

سلطان سنجر خود بنفس نفیس تاتاریوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ خراسان کے
علاقوں میں ایسے وحشیانہ طریقے سے قتل عام ہوا جس سے تمام رعایا کے دل لرز گئے
نیشاپور شہر مقدس بیدردی اور ظالمانہ طریق سے لوٹ لیا گیا شہر کی تمام عمارتیں برباد
کردی گئیں۔ حتیٰ کہ خدا کے گھر پر بھی ناپاک ہاتھ دراز کئے گئے۔ نیشاپور میں جس قدر
قتل و خون ہوا۔ اس کو دیکھکر یہ گمان نہ ہوتا تھا کہ کوئی اسلامی فرد بچ رہا ہو۔ علماء
فضلاء نہایت بیدردی سے شہید کئے گئے جس طرف نگاہ جاتی تھی لاشوں کے ڈھیر
نظر آتے تھے۔ مسجدوں میں لوگ پناہ گزین ہوئے لیکن جو حق پناہ گزین خلق خدا پر رکھتے
تھے حملہ آوروں کا یہی تھا۔ اسی حق کی بنا پر مسجدوں کے دروازے توڑ ڈالے اور

اندر جا کر اُن خدا کے دامن میں پناہ لینے والوں کو خدا کی رحمت کے ابدی دامن میں پہنچا دیا۔

محمد بن یحییٰ فقیہ شافعی عبد الرحمن بن عبد الصمد ابوالبرکات فراوی حسن بن عبد المجید رازی جیسے اور صدہا علماء و فضلاء شہید کر دیئے گئے۔ نیشاپور کے بیش بہا اور قیمتی کتب خانے جلا دیئے گئے۔ مسلمانوں کے مایہ ناز افراد تاتاریوں کے ہاتھ سے جس بیدردی سے شہید ہوئے اور جس کثرت سے اُن کی تباہی کی گئی اس کو دیکھکر کس کے خیال میں یہ بات آسکتی تھی کہ اب کوئی زمانہ ایسا ہوگا جبکہ مسلمانوں کا وجود اور ان کی ترقی دنیا کی نظروں میں محسوس ہوگی لیکن قدرت کا زبردست ہاتھ اُس کا محافظ تھا اور امتحان میں ڈالنے کے بعد اس امر کا ثبوت دینا مقصود تھا کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ یہ دردناک واقعات تھے کہ جن کا نظارہ غریب نواز نے اپنی چھوٹی عمر میں کیا اور یہی پہلا سبق تھا جو آپ کے دل نے عالم اسلام کی درد انگیز کتاب سے حاصل کیا۔ لیکن ابھی قدرت آپ کو ایک اور زخم پہنچانے والی تھی اور جس رسولؐ کی اُمت میں ہونے کا آپ کو فخر تھا۔ اُس کی شریعت کے اتباع کیلئے یتیمی کا تمغہ دیا جانے والا تھا۔ پندرہ سال کی عمر تھی جبکہ آپ کے والد نے اپنی عاطفت کا سایہ سر پر سے اٹھا لیا۔

تاریخیں اس معاملہ میں خاموش ہیں کہ آپ کے بھائی بہن کوئی تھا یا نہیں لیکن آپ کے اُس ترکہ پر جو آپ کو ملا تھا (یعنی چکی اور ایک باغ) نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد کی بہت سی اولادیں ہوں گی کیونکہ دولتمند باپ کا ترکہ فقط چکی اور باغ پر تو محدود نہ تھا۔

تمام تذکرے اس معاملہ میں ہم زبان ہیں کہ آپ کو ایک چکی اور ایک باغ ترکے میں ملا تھا اور حضرت نے اسی باغ کو نہایت اطمینان اور دلی مسرت سے قبول کرنے کے بعد اُس کو ذریعہ معیشت قرار دیا تھا حضرت جس صبر اور توکل کے ساتھ اس ترکے پر قانع تھے۔ وہ ایک دولتمند باپ کے بیٹے کیلئے جس کی تمام عمر عیش و عشرت

اور فارغ البالی میں بسر ہوئی ہو مشکل ہے۔ کیونکہ خود ہی آپ باغ کی کیاریاں درست کرتے پانی دیتے خود ہی اس کی رکھوالی فرماتے۔

اس کے متعلق بھی تشریح نہیں پائی جاتی کہ کب تک آپ اس ظاہری دنیاوی مشغلے میں گرفتار رہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دو برس بعد جو روح فرسا واقعات نیشاپور میں ظہور پذیر ہوئے۔ وہ آپ کی عبرت اثر آنکھوں نے دیکھے اور انہیں کے اثر سے آپ کے دل نے دنیا کی محبت کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ زہد۔ اتقا۔ نفس کشی جیسی پاکیزہ صفتیں انہیں اسباب سے آپ میں پیدا ہوئیں۔ لیکن جو لوگ ان راہوں سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ سیستانی بچہ جب پیدا ہوا تھا ولی تھا اور خراسان آنے پر بھی عرفان کی ندیاں اس کے دل میں لہریں مار رہی تھیں وہاں ابھی مدّوجزر پیدا نہ ہوا تھا۔ دنیا اس کے فیضان سے بیخبر تھی۔ اور یہ خود اپنی حالت سے واقف نہ تھا۔ ایک جھٹکے کی ضرورت تھی سمندر کا بند ٹوٹنا تھا۔ دریا میں چڑھاؤ کی حاجت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم مجذوب کے کھلی کے ٹکڑے نے اثر کیا اور ساتوں طبق روشن ہو گئے۔ ہمارا تو انکا خیال ہے کھلی کیا تھی اور وہ کھلی والا کون تھا۔ قاصد تھا چھیڑنے کیلئے آیا تھا۔ عالم بے خبری سے چونکانا مقصود تھا۔ باغ میں پانی دیتے تھے لیکن ان کا باطنی باغ خشک پڑا تھا۔ تر و تازگی کی حاجت تھی ۔

نغمے بیتاب تھے تاروں سے نکلنے کیلئے
طور مضطر تھا اُسی آگ میں جلنے کیلئے

سازِ معرفت تشنۂ مضراب تھا اور ایک حرکت چاہتا تھا۔ وحدت کا سمندر ایک نئے جوش مار رہا تھا۔ ایک دن جبکہ آپ اپنے باطنی باغ سے بیخبر بیدی باغیچہ کی سیرابی میں مشغول تھے۔ ابراہیم قندوزی یعنی وہ قاصد مجذوب صفت انسان ٹہلتا ہوا آیا۔ باغ کے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا انکا بھی پھرتے پھراتے گذر ہوا۔ جھجکے۔ آنکھیں چار ہوئیں۔

قاصد کی خاطر کیا تھی۔ باغ کا تحفہ! دوڑے ایک انگور کا تازہ خوشہ لے آئے
اور ہاتھ باندھ کر تعظیم و تکریم سے پیش کیا۔ اللہ اللہ قاصد بھی کس قدر عزیز ہے جس کے
قاصد ہیں اُس کی خاطر سے دست بستہ خوشے لئے کھڑے ہیں۔ ابراہیم نے بلا انتظار
ایک بار پیام کے فرض کو پورا کیا اور بغل میں سے کھلی نکال دانتوں سے کاٹ منہ میں
دیدی یہ چھیڑ تھی پھر تاب کہاں! اشہو کی گھاٹیوں میں سے وہ پانی جو ایک عرصے سے بند سے
رُکا ہوا تھا جوش مار کر تمام عالم میں پھیل گیا۔ قاصد غایب اور حضور کے حواس و ہوش کا
فوراً آگ پر تیل پڑ گیا پلٹیں اُٹھنے لگیں۔ تعلقات ٹوٹے۔ ظاہری وابستگیاں خاک
ہوگئیں ترکہ پدری ہیچ باغ خدا کی راہ میں لٹا دیا اور حقیقت کی شاہراہوں میں قلم مارنے
لگے کبھی شمال کبھی جنوب کبھی مشرق کبھی مغرب غرضیکہ ؎

پھرے ہیں مشرق و مغرب سے تا جنوب و شمال
تلاش کی ہے صنم ہم نے چار سُو تیری

حال کیلئے قال ضرور ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو محی الدین ابن عربی اور شیخ شہاب الدین
سہروردی تصوف کو علم کی صورت میں مرتب کرتے اور فصوص کی جلدیں عوارف المعارف
کا ہدایت نامہ تدوین نہ ہوتا۔ فتوحات کی ترتیب نہ ہوتی۔ حضرت نے بھی علوم باطنی کی
تکمیل کے لئے علوم ظاہری کی ضرورت محسوس کی اور اُن ممالک میں حدیث و فقہ کی
سند حاصل کی جو ان دنوں علوم کا آماجگاہ بن رہے تھے۔ جب اس مرحلے سے فراغت
ہوئی تو علوم باطنی کی تکمیل کیلئے سفر شروع کیا ؛

حوالی نیشاپور کے موضع ہارون میں ان دنوں حضرت خواجہ عثمان ہارونی پر انوار
رسالت کا انعکاس کافی طور پر پڑ رہا تھا دریائے ہدایت و ارشاد لہریں لے رہا تھا۔
ایک ایک موج آسمان سے ہمسری کا دعویٰ کرتی تھی خواجہ غریب نواز نے اطراف عالم کو
دیکھا تھا۔ بڑے بڑے لوگ نگاہوں سے گذرے تھے۔ اس تجلی اکبر کی روشنی دیکھتے ہی

مقیم ہو گئے تھے۔ خواجہ عثمان نے بھی شہبازِ معرفت کے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ دُنیا اُس کے پروں کی آواز سے بیدار ہو گی ہاتھ پکڑا اور بتایا کہ اب تک جس منزل میں تھے وہ فائدہ مند نہ تھی۔ آؤ اور اب دوسرے عالم کی سیاحت کا لطف اُٹھاؤ اور سلسلۂ بیعت آپ کا پندرہویں واسطہ سے حضرت مولا سے ملتا ہے اور سولھواں واسطہ اُس نقطہ پر ختم ہوتا ہے جو حقیقت طریقت شریعت معرفت کا مرکز ہے یعنی اُس برگزیدہ عالم و عالمیان آفتابِ رسالت پہ ملتا ہے جس کی روشن اور پُرنور شعاعوں سے اب تک دُنیا میں سہانی اور ٹھنڈی روشنی چمک رہی ہے اور یہی وہ آفتاب حقیقت ہے جس کے چمکارے سے دُنیا کی موجودہ تاریکیاں دُور ہونگی۔ اسی کا انعکاس اکبر وہ مہدی موعود ہونگے جن کے انتظار میں اسلامی دنیا چشم براہ ہے ٭

"چشتی کہلانے کی وجہ" میں اکثر لوگوں کی غلط فہمی ہوئی ہے جو لوگ آپ کی سکونت قصبہ چشت سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کی غلط فہمی محض اس بنا پر ہے کہ آپ چشتی مشہور ہیں لیکن یہ لقب آپ کا ذاتی نہیں صفاتی ہے کیونکہ حضرت ابو اسحٰق شامی چشتی جن سے آپ کی بیعت ساتویں واسطہ پر پہنچتی ہے چشتی تھے اگرچہ ان کا اصل وطن شام تھا لیکن ہدایت و ارشاد کے لئے قصبہ چشت میں تمام عمر گذارنے کے سبب چشتی کہلانے لگے اور یہ اس قدر مقبول ہوا کہ تمام خاندان چشتی کہلایا عام لوگوں میں جس طرح اور بہت سی روایتیں مشہور ہو جاتی ہیں انہیں کے ضمن میں یہ ہے جس کی تصحیح کرنی ایک مضمون نگار کے لئے ضروری ہے ٭

حلقہ نظام المشائخ کی بنیاد کے دوسرے سال میں راقم کو پیران کلیر شریف میں عرس کے موقع پر اشتہار تقسیم کرنے کی خدمت سپرد کی گئی تھی جو صابری فقراء کے تمام سے شائع کئے گئے تھے۔ اس میں جہاں اور روایتیں نقیض تھاں ایک یہ بھی تھی کہ مُرید کسے کہتے ہیں کیسے ہوتے ہیں کس طور پر ان کو اپنی زندگی کی رفتار کے پیچھے حرکت دینی

چاہئے۔ کیا کام ان کے ذمہ رکھے گئے ہیں۔ مرید کے کیا معنی ہیں اس وقت اس صابری
فرمان کی مخالفت کی گئی تھی۔ لیکن آج جب ہم حضرت عثمان ہارونی اور حضرت خواجہ
خواجگان کے طریقۂ بیعت پر نظر کرتے ہیں تو مجبور ہو کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ
حلقہ نظام المشائخ نے فہمی فہم اور قابل تکریم بانی کی خواہش اور احساس سے وہ بالکل مناسب
اور ضروری ہے۔ آج ہمارے مشائخان عظام کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مرید کرنے سے کیا مقصود
ہے مرید کو کیا کام بتانے چاہئیں۔ ہم پر مرید کا کیا حق ہے اور اس کی تعلیم کا دینا اس شان
سے کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے کس قدر ضروری ہے بیچارہ مرید یا یوں کہئے کہ طالب
حق ایک ناداں بچہ کی سی حالت رکھتا ہے اب اچھے اور برے راستہ کی طرف مائل کرنا
ہمارے مشائخ عظام کا کام ہے۔ سلسلۂ بیعت یعنی پیر کے ہاتھ بک جانے کا سلسلہ
اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اس کی تعلیمات اس کی حالت نبھانے کا ذمہ دار
شیخ ہے پچھلے مشائخوں کی حالت اور ان کے مریدوں کی کیفیت دیکھنے کے بعد نہایت وثوق
سے کہا جاسکتا ہے کہ شاذ مثالیں ان کے گمراہ ہونیکی ہیں اور امکان کا پہلو زیر نظر نہ رکھا
جائے تو میں کہوں گا کہ کوئی مثال ایسی ہاتھ نہ آئے گی جس سے پچھلے زمانہ کے مریدوں کا
اپنے کاموں سے بیخبر ہونا ثابت کیا جاسکے۔ جہاں آرا بیگم اپنی بیش بہا کتاب مونس الارواح
میں جو حضرت خواجۂ خواجگان کے حالات میں بے مثل تذکرہ ہے حضرت خواجہ صاحب
ہی کی زبان سے یوں بیان فرماتی ہیں کہ میں ایک ایسی صحبت میں حاضر ہوا جس میں
بڑے بڑے مشائخ جمع تھے۔ میں نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سر نیاز جھکایا
ارشاد ہوا دو رکعت نماز ادا کر۔ میں نے فوراً تعمیل کی۔ حکم ہوا۔ روبقبلہ بیٹھ۔ ادب سے
روبقبلہ ہو گیا۔ پھر سورۂ بقر پڑھنے کے لئے ارشاد ہوا جس کی تعمیل خلوص عقیدت
سے کی گئی اس کے بعد فرمایا ساٹھ بار سبحان اللہ کہہ جس کے بعد حضرت قبلہ نے کھڑے
ہو کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا میں نے تجھے خدا تک پہنچایا

ان مدارج کے ختم ہونے پر ایک خاص وضع کی کُلاہ جس کو چہار مرہ کی کہتے ہیں اپنے دستِ مبارک سے میرے سر پر رکھی اس کے بعد بیٹھنے کا حکم ملا جب بیٹھ گیا تو ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھنے کیلئے بتائی گئی اس کے بعد ارشاد ہوا چونکہ ہمارے سلسلہ میں ایک رات دن کا مجاہدہ ضروری ہے اس لئے تم کو بھی رات دن مجاہدہ میں مشغول رہنا چاہئے اس حکم کی تعمیل کیلئے میں اُٹھ کھڑا ہوا اور دوسرے روز پھر حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر احکاماتِ جدید کا منتظر ہوا۔ حکم ہوا کہ بیٹھ حسب الحکم بیٹھ گیا۔ پھر فرمایا کھڑا ہو اور آسمان کی طرف دیکھ کر بتا کہ کہاں تک نظر آتا ہے دیکھنے کے بعد کہا کہ عرش معلٰی تک۔ ارشاد ہوا اب نیچے دیکھ کر زمین کی انتہائی حالت کے معائنہ کی خبر دو۔ عرض کیا تحت الثریٰ تک دیکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھنے کے بعد اوپر دیکھ اور بتا کہ کہاں تک نظر آتا ہے میں نے تعمیل کی اور عرض کیا۔ حجابِ عظمت تک روحانی آنکھ کا گذارا ہے۔ فرمایا آنکھیں بند کر۔ ایک لمحہ کے بعد فرمایا آنکھیں کھول۔ حضرت نے اپنی دو انگلیاں میرے سامنے کیں۔ پھر سوال کیا۔ کیا دیکھتا ہے اٹھارہ ہزار عالم کی حالت نظر آتی ہے۔ جب یہ سُنا۔ فرمایا کہ اب تیرا کام ہو گیا ایک اینٹ جو سامنے پڑی ہے اس کے نیچے سے دینار نکلے فرمایا ان کو فقیروں میں بانٹ دو۔

دوسری جگہ یوں تحریر ہے۔ میں نے شیخ الاعظم حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کو شہر بغداد میں پہنچ کر تلاش کیا معلوم ہوا کہ مسجد جنید میں تشریف رکھتے ہیں پہنچا۔ دیکھا بہت سے مشائخ کی جمعیت میں تشریف رکھتے ہیں میں زمین ادب چوم کر کھڑا ہو گیا۔ حکم دیا دو رکعت نماز پڑھو۔ اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ الٰہی میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں۔ بعدہٗ بغداد شریف سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ تشریف لیگئے اور خانہ کعبہ پر اس فقیر کیلئے دعا مانگی آواز آئی۔ ہم نے معین الدین حسن کو قبول کیا وہاں سے مدینہ منورہ میں روضۂ رسولِ اکرم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر پہنچ کر ارشاد

کیا۔سلام کرکے میں نے سلام کیا۔ اندر سے آواز آئی وعلیکم السلام یا قطب المشائخ۔ حضرت نے فرمایا اب تمہارا کام درجہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

اس کے بعد واپسی ہوئی اور شہر بدخشاں میں آکر ایک بزرگ سے جو حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے ملاقی ہوئے ان کا ایک پیر کٹا ہوا تھا دیکھکر سبب دریافت کیا۔ جواب دیا ایک مدت سے اس صومعہ میں معتکف ہوں۔ ایک دن طبیعت کی خواہش ہوئی کہ باہر چلنا چاہئے اور یہ خواہش نفسانی غرض پر وابستہ تھی جس پاؤں کو آپ کٹا ہوا دیکھتے ہیں آگے تھا اور دوسرا جو سالم ہے صومعہ کی حد میں۔ آواز آئی اے مدعی "ہمیں عہد بود کہ فراموش کردی" یہ سنکر عجیب حال ہوا اور چھری سے پیر کو کاٹ ڈالا۔ اب چالیس سال ہوگئے ہیں کہ اسی حالت میں یہاں پڑا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کس طرح درویشوں کے مجمع میں اس روئے سیاہ کو لیکر جا سکوں گا۔ یہ ہے درویشی اور اسکی سختیاں۔ یہاں سے پیر و مرشد کی ہمراہی میں بغداد پہنچے اور قیام کیا۔ حضرت الشیخ نے حکم دیا کہ روزانہ صبح کے وقت آیا کرو۔ چنانچہ اٹھائیس روز تک روزانہ آپ وقت مقررہ پر جاتے تھے اور جو کچھ شیخ کامل کی زبان سے نکلتا قلمبند فرما لیتے۔

اٹھائیس دن کے بعد فرمایا کہ یہ کچھ تمہاری تکمیل کیلئے تھا تم کو چاہیے کہ ان نصیحتوں پر عمل کرو تاکہ مجھے قیامت کے دن شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ پھر خرقہ تعلیق و دیگر تبرکات جو نسلاً بعد نسل آپ کو پہنچے تھے حوالہ فرما کر کہا انکو نہایت ادب و تعظیم سے رکھنا اور جس کو اس کا اہل پانا حوالہ کرنا۔ یہ ایک فرض ہے جو صاحب خرقہ کو ادا کرنا چاہیئے۔

صاحب ریاض العارفین لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت خواجہ اپنے پیر و مرشد سے رخصت ہوئے ہیں عمر آپ کی باون سال کی تھی وہ فرماتے ہیں کہ آپ بیس سال تک پیر و مرشد کی خدمت میں رہے۔ اس حساب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی بیعت ۵۶۲ھ میں ہوئی ہوگی حالانکہ دوسرے تذکرے ۵۶۵ھ لکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ سب سے بڑی دقت یہ واقع ہوتی ہے کہ اگر ان سنین کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اجمیر شریف کی تشریف آوری کا سنہ غلط ٹھیرتا ہے کیونکہ ۵۶۱ھ میں آپ اجمیر تشریف لائے ہیں۔ دوسرے سنہ ولادت اگر ۵۳۶ھ مانے جائیں اور یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت الشیخ سے رخصت ہونے وقت عمر شریف باون سال کی تھی تو چھتیس اور باون ملا کر اٹھاسی ہو جائینگے جو خاص سلطان شہاب الدین غوری کا اجمیر کے راجہ رائے پتھورا کو گرفتار کرنیکا سال ہے۔ حالانکہ یہ لڑائی آپ کے اجمیر شریف آنے پر ستائیس سال بعد ہوئی ہے اس حساب سے ۵۶۱ھ آپ کے اجمیر تشریف لانے کے قطعاً غلط ثابت ہونگے۔ اگر تسلیم کیا جائے کہ آپ حضرت الشیخ سے رخصت ہو کر فی الفور عازم ہندوستان ہوئے تب بھی یہ زمانہ اسلامی حکومت کی ابتدا کا تھا۔ اسلام کا منکر راجہ شکست کھا کر مسلم فاتح کے سامنے مردہ ہو کر آپڑا تھا اور اس کی عظمت و جبروت کا پتہ ہو بھی تو ٹوٹی کے ذروں اور اینٹ کے روڑوں میں تلاش کرنے سے ملسکتا ہوگا +

علاوہ ازیں اس کے ماننے پر تمام ان تذکروں سے جو متفق اللفظ حضرت کی کرامت رائے پتھورا کے مقابلہ پر ظاہر کر رہے ہیں روگردانی کرنی پڑیگی نیز اس پیشگوئی کو بھی غلط ماننا پڑیگا جو حضرت نے رائے پتھورا کے بادشاہ اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہونیکی بابت فرمائی تھی لہٰذا ہمیں اور ہمارے ساتھ موجودہ زمانے کے مؤرخوں کو اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ سنہ بیعت غلط لکھے گئے ہیں جس پر تمام مؤرخ عدم تحقیق کے ملزم ہیں +

اسی طور سے مولوی حافظ اللہ صاحب چشتی صابری متوطن قصبہ ورون ضلع اٹاوہ نے اپنے جمع کردہ رسالے بڑی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ حضرت کو جب دربار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اجمیر جانے کی ہدایت ہوئی تو یہ بھی ارشاد تھا کہ شہر اجمیر میں ہمارا فرزند سید حسین جہاد کی غرض سے گیا ہے اُس کو کفاروں نے قتل کیا ہے جس کے باعث بدستور شہر میں کفر رائج ہو گیا ہے تیرے سبب پھر وہاں شمع توحید روشن ہوگی۔ اب سمجھ میں نہیں آتا

کہ سید حسنؒ کون سے ہیں اگر یہ سید حسن مشہدی المشہور بہ خنگ سوار ہیں تو ان کا زمانہ اس وقت کہاں یہ شہاب الدین غوری کی طرف سے داروغہ شہر تھے جس کا ذکر صاحب تاریخ فرشتہ نے بھی کیا ہے۔ فرشتہ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب سے سید حسن صاحب کی اکثر صحبتیں رہی ہیں اور وہ آپ کے بڑے معتقد تھے اگر یہ خیال کیا جائے کہ اس نام کے کوئی دوسرے بزرگ ہونگے تو اس کا ثبوت نہیں۔ عام طور سے جن کو اجمیر میں خنگ سوار کہا جاتا ہے اُن کی نسبت یہ بھی مشہور ہے کہ خواجہ صاحب سے پہلے گذرے ہیں اور معرکۃ الآرا لڑائیوں میں لڑ کے شہید ہوئے ہیں اجمیر جا کر جب تاراگڈھ پہاڑ پر تم چڑھو گے تو ان کی اور ان کے گھوڑے کی عجیب و غریب داستانیں سننے میں آئیں گی چڑھتے وقت ایک بڑا عظیم الشان پتھر ملے گا جس کی نسبت بیان کیا جائیگا کہ حضرت خنگ سوار پر جادو سے رائے پتھورا نے پتھر پھینکا تھا آپ قلعہ فتح کرنے کیلئے تشریف لئے جاتے تھے گھوڑے نے گھٹنا ٹیک دیا اور آپ نے انگلی سے اشارہ کیا پتھر معلق رہگیا لیکن ان روائتوں کا استدلال سوائے خوش عقیدگی کے کچھ نہیں خدا بھلا کرے اندھے عقیدے کا جس نے بزرگوں کی نسبت خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں ایسے واقعات جمع کر دئیے ہیں جن کے دیکھنے سے دماغ میں گورکھ دھندے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس روایت کو مولوی صاحب موصوف نے سیر الاقطاب سے نقل کیا ہے۔

لیکن افسوس کہ سیر الاقطاب بھی اس روائت پر کوئی صحیح سند پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس تعارض کے رفع کرنے کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ کے سنہ بیعت بجائے سنہ ۵۶۵ھ کے سنہ ۵۵۵ھ لے لئے جائیں۔ گویا یوں حساب سمجھئے کہ پندرہ سال کی عمر میں آپ وطن سے نکلکر طلب حق کی راہ میں سرگرم ہوئے یعنی سنہ ۵۵۱ھ میں آپ نے سفر شروع کیا چار سال کی سیاحت کے بعد سنہ ۵۵۵ھ میں حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور معتبر تاریخوں کی بنیاد ڈھائی سال شیخ کی خدمت میں رہکر ۵۵۸ھ میں رخصت ہوئی۔

ایک سال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی سیاحت اور قیام کے بعد ۵۵۹ھ میں آپ کو اجمیر جانیکی دربار رسالتمآبؐ سے ہدایت ہوئی اور آپ سفر کرتے ہوئے بغداد شریف آئے اور یہاں حضرت غوث الثقلین پیرانِ پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز حاصل کیا +

مولینا عبد الحلیم شرر سوانح حضرت غریب نواز میں لکھتے ہیں :-

"بعض لوگوں نے لکھدیا ہے کہ آپ سے حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ مگر یہ غلط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ حضرت غوث الاعظم نے آپکے ورودِ بغداد سے دو سال پیشتر ۵۶۱ھ کے ماہ ربیع الآخر میں شربت وصال پیا تھا اور آپ ان کی بزرگی کے زمانے تک اپنے مرشد کے آستانۂ فیض کاشانہ سے باہر نہیں نکلتے تھے"!

لیکن آخر میں غالباً مولینا نے لکھنے والوں کے بیان کو سچ مان لیا ہوگا کیونکہ بیعت کے سال غلط ماننے پر جیسا کہ مولینا موصوف نے تسلیم کیا ہے ان دونوں بزرگوں کا باہم تبادلۂ فیضان کرنا امر دشوار نہیں رہتا +

ہم نے جس شان سے سنین ترتیب دئیے ہیں اُس سے تمام تعارض رفع ہو گئے ہیں آگے یوں سلسلہ سمجھئے کہ پیرانِ پیرؓ سے ملاقات فرمانے کے ایک سال بعد سنہ ۵۶۰ھ میں بغداد سے روانہ ہوکر غزنین۔ لاہور۔ دہلی ہوتے ہوئے ماہِ محرم ۵۶۱ھ میں اجمیر شریف پہنچ گئے + رہا آپ کا شیخ ابو النجیب سہروردی کے جنازہ میں شریک ہونا کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں جس پر ہمیں دوبارہ گذشتہ سنین کی تنقید کرنی پڑے۔ اس کے علاوہ بعض تذکرہ نویسوں نے حضرت غوث الاعظم کی وفات کا سال ۵۶۲ھ لکھا ہے جس سے ایک سال کا اور تفاوت ہو جائیگا غرضیکہ حضرت غوث الاعظم سے آپ کا ملنا ہر طرح ثابت ہے حضرت الشیخ سے رخصت ہوکر اول جناب شیخ وطن تشریف لیگئے ڈھائی ماہ قیام کے بعد مکہ معظمہ ہوتے ہوئے مدینہ طیبہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً میں قیام فرمایا۔ دوران قیام میں آپنے خواب دیکھا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجمیر جانیکی ہدایت فرماتے ہیں۔ آپنے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ جس پر رسالتمآب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہندوستان کا تمام نقشہ اور اجمیر کی تمام نشانیاں بتادیں۔ چنانچہ حسب ہدایت جناب نے ہندوستان کا عزم کیا۔ راستہ میں یادگار محمد حاکم سبزوار جو اصحاب کبار رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو برا کہتا تھا اور جس نے رفض کی انتہائی ڈگری پائی تھی۔ جناب کے کی کیمیا اثر سے اپنے عقائد قبیحہ سے تائب ہوا۔ وہاں سے بلخ تشریف لائے اور حکیم ضیاء الدین فلسفی کے شیرازۂ عقل کو منتشر فرمایا اور اُس کے علم فلسفہ کو حرف غلط کی طرح مٹاکر تصوف کے رنگین حروف سے منقوش فرمایا۔ حکیم تصوف کے نام سے جلتا تھا جس کے مدرسہ میں تصوف کے خلاف مناظرہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ وقائع نگار لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے سفروں میں مندرجہ ذیل بزرگوں سے تبادلۂ فیضان کیا :-

حضرت اوحدالدین کرمانی کو بغداد میں خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے بھی کسب فیضات کیا۔ ہمدان میں شیخ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی۔ تبریز میں شیخ ابوسعید تبریزی سے چندے صحبت رہی اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی سے ملاقات کی وہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بیعت ہوئے ہیں +

لیکن تعجب ہے کہ ہمیں معلی الذکر دو بزرگوں کے سوا کسی کا اس زمانہ میں موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ شیخ ابوسعید تبریزی تبریز میں اور شیخ محمود اصفہانی اصفہان میں۔ جہاں تک ہماری نظر رسی ہے اس زمانہ میں کوئی بزرگ نہ تھے۔ ہمارے سامنے اس وقت متعدد تذکرے تاریخیں سوانح عمریاں رکھی ہیں لیکن بدقسمتی سے ان بزرگوں کے نام نہیں ملتے۔ البتہ شیخ ابویعقوب یوسف ہمدانی کی بابت اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کے بزرگ ہمدان میں گذرے ہیں۔ جن کا وصال ۲۷ رجب ۵۳۵ھ میں خواجہ غریب نواز کی پیدائش سے ایک سال پہلے ہو چکا ہے +

دوسرے ہمدان میں کوئی اس نام کے بزرگ نہیں گذرے،

ممکن ہے کہ ہماری کوتاہ نظری کا باعث ہو لیکن جہانتک کتب سیر کی چھان بین کیگئی۔ ہمارے خیال کی تصدیق ہوئی اس لیئے اس کا فیصلہ ارباب نظر پر چھوڑا جاتا ہے۔ فَضَّلْنَا بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ جس طرح بہت سی فروگذاشتیں پچھلے وقائع نگاروں نے کی ہیں اُسی طرح ہم سے بھی بحیثیت انسان ہونیکے ممکن ہیں۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امراہ

مولنا عبد الحلیم شرر لکھتے ہیں کہ خرقۂ خلافت اور اجازت بیعت حضرت قطب صاحب کو خواجہ صاحب نے اصفہان میں عطا فرمائی۔ حالانکہ صحیح ہے کہ دہلی میں خرقہ سے آپ مستفیض ہوئے۔

آپ جس جگہ ٹھہرتے لوگ جوق جوق آپ کی زیارت کو آتے۔ آپ بھیڑ بھاڑ سے گھبراتے اور دوسری جگہ کا رُخ کرتے۔ اسی طور سے سفر فرماتے ہوئے غزنین اور غزنین سے لاہور ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے۔ کچھ مدت قیام کرنے کے بعد یہاں بھی وہی کثرت لوگوں کی دیکھی تو اجمیر کا رُخ فرمایا۔

لکھا ہے کہ جس وقت سمانا حوالی پٹیالہ میں آپ پہنچے۔ رائے پتھورا کے آدمیوں نے آپ کو فریب دیکر نقصان پہنچانا چاہا۔ لیکن آپ ان کے فریب میں نہ آئے۔ اجمیر شریف میں آپ کی تشریف آوری صحیح طور پر ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ رائے پتھورا کی ماں فن سحر (یا نجوم) میں کمال رکھتی تھی۔ اُس نے چند برس پہلے اپنے بیٹے سے کہدیا تھا کہ تیرے تخت کی تباہی اس صورت کے فقیر سے ہوگی۔ تو اس کی خاطر کرے تو بہتر ہے۔ بہرحال حضرت خواجہ خواجگان معہ چالیس خدام باتفاق روایات اجمیر شریف پہنچے۔ خاص عشرہ محرم کا روز تھا جبکہ آپ نے اس کفرستان میں قدم رکھا ابتداءً آپ نے شہر سے باہر ایک پیپل کے نیچے قیام فرمایا راجہ کے آدمیوں نے کہا یہاں اونٹ باندھے جاتے ہیں آپ کسی دوسری جگہ ٹھہریئے مولوی حافظ اللہ صاحب چشتی جنھوں نے سوانح لکھتے وقت غور سے کام نہیں لیا لکھتے ہیں کہ آپ وہاں سے

اُٹھکر آنا ساگر پر جہاں آپ کا مزار مبارک ہے تشریف لائے لیکن ان کو یہ معلوم نہیں کہ آنا ساگر کبھی اُس مقام پر تھا اب ہے نہ کسی تاریخ میں اس کا پتہ ہے۔ آنا ساگر حضرت کی درگاہ سے بہت فاصلہ پر شہر سے باہر جانب شمال واقع ہے ۰

حضور کے اُٹھنے کے بعد اونٹ آئے اور بیٹھے تو اس طرح جم گئے جیسے کوئی شے کسی میں جذب ہو جاتی ہے۔ ساربان اونٹوں کو اُٹھانا چاہتے ہیں لیکن وہ کس طرح اُٹھتے کھال زمین پر چمٹ گئی تھی جب کئی روز اس حالت کو گذرے تو راجہ کو اطلاع دی گئی۔ راجہ کی ہدایت سے ساربانوں نے حضرت سے عاجزی کے ساتھ عرض کیا ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے۔ رحم فرمائیے چنانچہ حضرت کی نظر کرم پر اونٹوں کو خلاصی ہوئی۔ اس خبر پر تمام کفار بلوے پر آمادہ ہو گئے اور راجہ سے جاکر کہا

"مسلمان درویشوں نے ہمارے دھرم کو خراب کر دیا اور پہلی جگہ سے اُٹھکر ہمارے بتوں کے پاس قیام کیا ہے"

اس یورش کو دیکھکر راجہ نے اپنے ملازموں کو حضرت کے اس مقام سے ہٹا دینے کا حکم دیا۔ وہ لوگ گئے اور آپ کو اُٹھانا چاہا۔ حضرت نے آیۃ الکرسی خاک پر پڑھ کر ان لوگوں کی طرف پھینکی جس کے اثر سے کچھ لوگ دیوانے ہو گئے اور بعض کے جسم خشک ہو گئے۔ اس واقعہ کی اطلاع پر راجہ نے دوسری جمعیت بھیجی لیکن وہ بھی حضرت کی یزدانی قوت کے سامنے نہ ہو سکے چونکہ یہ کمالات ظاہر پرستوں کی سمجھ میں آنیوالے نہ تھے اس لئے راجہ نے اپنی رعایا سے کہا

"اُن کے طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درویش جادوگر ہے ضرورت ہے کہ کسی جادوگر سے ان کا مقابلہ کرایا جائے"

عملداری کا تیار بنی اسرائیل عالم محسوسات میں جلوہ افگن ہونا چاہتا تھا۔ جادوگر آئے مقابلہ ہوا لیکن اس وقت کے سامنے جس کے بل پر خواجہ صاحب نے اجمیر کا رُخ کیا

تھا لیکن ٹھہر سکتا تھا شکستوں پر شکستیں ہوئیں۔ جیپال جادوگر نے طرح طرح کے شعبدے دکھلائے ایک نہ گئی۔ آخر ہار مانی و القی السحرۃ ساجدین قالوا آمنا برب العلمین کا سماں نظروں کے سامنے پھر گیا۔ اسلام نے اُس کو فتح کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔ آپنے عبداللہ نام رکھا اور بیابانی کا خطاب عطا فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ابتک زندہ ہے اور اجمیر کی پہاڑیوں میں رستہ بھولنے والوں کو نظر آجاتا ہے اور روضۂ مبارک تک گم گشتہ کو پہنچا دیتا ہے +

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں آپنے جس پُر امن اور خاموشانہ روش سے زندگی گذاری۔ اُس کو دیکھتے ہوئے تعجب آتا ہے کہ آپ کو ایسے فساد انگیز واقعات کیوں پیش آئے بات یہ ہے کہ آپ کی روحانی کشش اور نظر کیمیا اثر سے جو لاکھوں نفوس مرد اسلام کیطرف جھکنے لگے تو راجہ غضبناک ہوا۔ آپ کی شہرت ہندوستان کے چاروں کونوں میں پھیل رہی تھی اور اس بنا پر تھورا کا پولٹیکل اثر بھی کم ہوتا جاتا تھا یا یہ کہ اس کو اپنے اثر کے کم ہونے کا اندیشہ تھا۔ یہ اُس زمانہ کا اقتضا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو شاہانِ اسلام ہندوستان پر حملے کر رہے تھے اور حکومت اسلام کو عالمگیر بنانے میں سرگرم تھے دوسری طرف روحانی حکومت جہان میں اثر پھیلانا چاہتی تھی۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو نافرمان راجہ زیادہ قصوروار ٹھیگا وہ اس اثر کو پولٹیکل اثر سمجھ رہا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ پالٹیکس سے تعلق نہیں +

اسی ہمت یزدانی کا ادنی اسا چمکارا تھا جس نے تمام عالم کو مفتوح کر لیا اور اسی خورشید تاباں کی ایک شعاع ظاہر ہونیوالی ہے۔ جو دنیا کو اپنے روحانیت کے دائرہ میں لے آئیگی +

مخالفت کی ابتدا یہ ہوئی کہ ایک مسلمان حضرت خواجہ صاحب کا معتقد راجہ کے دربار سے واسطہ رکھتا تھا۔ اُس نے حضرت سے شکایت کی اور عرض کیا آپ میری سفارش کر دیں آپنے بلا تامل راے پتھورا سے سفارش کر دی جس کا اثر بجائے اس کے کہ آپ کا حلم عام برتاؤ اُس پر کوئی اچھا اثر ڈالتا۔ آشفتہ ہو کر اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"خواجہ صاحب کو کیا حق ہے کہ وہ میرے معاملات میں دخل انداز ہوں۔ کیوں سفارش کی لوگوں کو طرح طرح کے شعبدے دکھا کر اور غیب کی خبریں بیان کر کے وہ چاہتے ہیں کہ عالم لوگوں پر اثر ڈالنے کے بعد حکومت پر بھی اپنا سکہ جمائیں کیا دربار کو کھیل سمجھ رکھا ہے آخر بات کیا ہے"۔

اِدھر تو یہ کلمات راجہ کی زبان سے نکل رہے تھے اُدھر حضرت خواجہ صاحب نے قوت لدنی پر بھروسہ فرما کر حکم دیا کہ ہم اُس کو بادشاہ اسلام کے ہاتھوں میں گرفتار ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ یہ تھے مکاشفات اسرار جس کے سنتے ہی سنسنی پھیل گئی +

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نے پتھورا کیلئے میرے سامنے بددعا فرمائی ہے۔ حضرت روتے جاتے تھے جذبہ کی حالت میں فرماتے تھے یارب کوئی ہندی غیر اہل کتاب ہند میں بادشاہ نہ ہو۔ چنانچہ آج ہم اس پیشینگوئی کو دیکھ رہے ہیں اور تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۶۱ھ سے اب تک غیر اہل کتاب کی حکومت ہندوستان میں نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی +

۵۸۷ھ میں شہاب الدین غوری شکست کھا کر واپس چلا گیا تھا اور اُس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اِدھر لوگ خواجہ صاحب کی پیشینگوئی کے منتظر تھے + رائے پتھورا کی کامیابی اُس وقت ہوئی ہے جبکہ خواجہ غریب نواز سے بگڑی نہ اُلجھی تھی۔ اس لئے کہ اگر ۵۸۷ھ سے پہلے خواجہ صاحب کی پیشینگوئی مانی جائے اس سال شکست کا ہونا ناممکن ہے +

۵۸۸ھ کی ابتدا پہ ہندوستان کا مطلع خون آلودہ ہو رہا تھا۔ انتقام کے بادل دھواں دھار اُٹھ رہے تھے۔ تلواروں کی جھنکاریں ان بادلوں میں گرجتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور خونی بارش کی تیاری تھی آخر وہ وقت آیا کہ دینی شہاب کے چھینٹے پڑنے لگے اور شہاب الدین غوری اپنی خون آشام سپاہ لئے ہوئے ہندوستان کے شکم چاک کرنے کی فکر میں بڑھا +

ایسا غیور سلطان جس نے سال بھر سامانِ اخنت کو حرام سمجھا حتیٰ کہ زخمی شدہ حالت کے کپڑے بھی نہ اتارے جس جوش سے حملہ آور ہوا اُس کی نظیر مشکل ہے۔

رائے پتھورا پہلے ہی سے تیار تھا ہندوستان کے تمام راجہ اجمیری جھنڈے کے نیچے جمع تھے تین لاکھ سواروں اور تین ہزار ہاتھیوں کی حریف کے مقابلہ پر بڑھا۔ راجپوت جوش میں بھرے ہوئے تھے اور اپنے حریف شکست خوردہ کو محض بے حقیقت سمجھتے تھے اُنہیں کیا خبر تھی کہ ابکی مرتبہ وہ ایک معنی طاقت اپنے ساتھ لایا ہے ہاں! اے شہاب الدین یعنی شہاب کا خونی رنگ کسا! بڑھ تیرے ساتھ غیبی طاقت موجود ہے ہراساں نہ ہو اسلام کا دل بالا رہیگا دشمنوں کی جمعیت سے خوف زدہ نہ ہو کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔

خواجہ غریب نواز کا روحانی تصرف کام کر رہا تھا خونریز معرکہ ہوا جس پر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ غوریوں کے حق میں ہوگیا۔ خواجہ صاحب کی باطنی قوت کام کر رہی تھی ورنہ اتنی ٹڈی دل فوج کے مقابلہ پر بلا سہارے کمک کے فتح پانا ہنسی ٹھٹھا نہ تھا کھانڈے راؤ جس نے پہلے حملے میں سلطان کو بہت تکلیف پہنچائی تھی مع دیگر راجگان دہلی وغیرہ کے مارا گیا۔ رائے پتھورا شکست کھا کر بھاگا لیکن گنگا سے آگے بڑھنے نہ پایا تھا کہ گرفتار ہو کر سلطان کی خدمت میں پہنچا دیا گیا اور سلطان کی جوہر دار تلوار نے ہندوستان کی عظمت و آبرو کو خاک میں ملا دیا۔

اب حضور کو کافی اطمینان تھا ہندوستان کے ہر گوشہ میں آپ کی عزت ہو چکی تھی لوگ جوق جوق دائرہ اثر میں آنے لگے اور اسلام و سلطان ہند سے جلوہ افگن ہو کر ہندوستان کے چپہ چپہ میں اپنا اثر ڈالنے میں کامیاب ہوا۔

ادھر دہلی میں آپکے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اسلام کی خدمت کر رہے تھے اور اب گویا خورشید اسلام کی روشنی مغرب سے مشرق تک، جنوب سے

شمال تک پھیل گئی تھی۔

ہم مانتے ہیں کہ دنیاوی حکومت نے بھی اسلام کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا تھا لیکن سچ یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ انہیں داعیان خواجہ کی طفیل سے ہے جنہوں نے اپنے روحانی اثر اور جذبہ سے تاریک دلوں میں اسلام کی حقانیت پیوست کردی تھی باطنی اقلیم تاجداری کی بنیاد ہندوستان میں سب سے پہلے جس نے قائم کی وہ حضرت خواجہ غریب نواز تھے اور آپ ہی کا وہ بابرکت ہاتھ تھا جس نے اسلام کی روحانی شمع کو ہندوستان میں چمکایا۔

آپ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ قطب صاحب اور ان کے بعد حضرت بابا صاحب اور بابا صاحب کے بعد حضرت سلطان المشائخ سلطان الاولیار سیدی سندی خواجہ نظام الدین اولیار محبوب الٰہی دہلوی وہ قابل جانشین ہوئے جنہوں نے اس سرے سے لے کر اس سرے تک کوس لمن الملک بجادیا۔

ان بزرگوں کے حالات دیکھو حجاب کے پردے چاک ہوتے نظر آئیں گے اور تم پر ثابت ہو جائیگا کہ ہندوستان میں انکا وجود نہ ہوتا تو اسلام کی اشاعت بھی مشکل تھی۔

حضرت نے قریب قریب تمام عمر حالتِ تجرد میں گذاری وفات سے سات برس پہلے نکاح کیا تھا۔

آپ کا انتقال ۶۳۳ھ کو ہوا ہے اور اسی تاریخ پر آپ کا عرس اُن احسانات کی یاد دلاتا ہے جو آپ نے اسلام پر کئے ہیں۔ جناب کے تین لڑکے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ شیخ ابو سعید۔ شیخ فخر الدین۔ شیخ حسام الدین۔ صاحبزادی حافظہ جمال جن کا مزار حضرت کے مزار کے بائیں علیحدہ حجرہ میں واقع ہے۔

آپ نے اپنے شیخ کامل کے انتقال سے ۱۶ برس شیخ فریدالدین عطار کی شہادت سے سات سال شیخ شہاب الدین سہروردی سے یکسال بعد انتقال فرمایا ہے اسی سال شمس الدین التمش اور آپ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے

دنیا سے کنارہ فرمایا ہے۔

سنہ ۵۶۱ھ میں جب اجمیر شریف میں آپ نے قیام کی نیت سے پہلا قدم رکھا ہے تو حضرت محی الدین ابن عربی بغداد میں پیدا ہوئے ہیں اور آپ کے اس جہانِ فانی سے رحلت فرمانے کے چار سال بعد انتقال فرمایا۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمس الدین التمش آپ کا پیر بھائی تھا اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس کئی مرتبہ دہلی میں آئے لیکن یہ بیان قابل وثوق نہیں۔

آپ کے ہمعصر بزرگوں میں ذیل کے حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:-

حضرت شمس الدین تبریزی وفات سنہ ۶۴۷ھ شیخ شہاب الدین سہروردی وفات سنہ ۶۳۳ھ حضرت محی الدین ابن عربی مصنف فتوحات مکیہ وفات سنہ ۶۳۷ھ حضرت خواجہ فرید الدین عطار شہید وفات سنہ ۶۳۶ھ جنہوں نے نیشاپور میں تاتاریوں کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ شیخ نجم الدین کبرے وفات سنہ ۶۱۷ یا ۶۱۶ یا ۶۱۸ھ حضرت امام الدین فخر الدین رازی وفات سنہ ۶۰۷ یا ۶۰۸ھ حضرت نظام الدین گنجوی وفات سنہ ۵۹۲ھ حضرت خواجہ وجیہ الدین ابو حفص سہروردی وفات سنہ ۶۶۶ھ حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی وفات سنہ ۵۶۲ یا ۵۶۳ھ حضرت احمد کبیر رفاعی قادری وفات سنہ ۵۷۲ھ حضرت شیخ یاسر وفات سنہ ۵۸۲ھ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی وفات سنہ ۵۶۱ یا ۵۶۲ھ حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی وفات سنہ ۶۲۶ھ حضرت جلال الدین تبریزی وفات سنہ ۶۴۲ھ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی وفات سنہ ۶۶۱ھ۔

خلاصہ عادات و ارشادات

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت اکثر تین روز کے بعد روٹی کے خشک ٹکڑے پانی میں ترکر کے نوش فرماتے جس کی مقدار پانچ مثقال یعنے قریب دو تولہ کے ہوتی تھی۔ جامہ مقدس میں جس جگہ پیوند کی احتیاج ہوتی۔ پاک کپڑا

خواہ کیسا ہی ہو لگا لیتے۔ فرماتے ہیں کہ میں عرصہ دراز تک خدمت اقدس میں رہا کبھی کسی کے سامنے دست احتیاج دراز کرتے نہ دیکھا۔ سبحان اللہ بر توکل ہمچو اسمٰعیل باش یہ وہ لوگ تھے جن کو فی السماءِ رزقکم وما توعدون پر بھروسہ تھا ؂

کبھی آپ کو غصہ نہ آتا تھا۔ ایک مرتبہ سلوک بارے میں گفتگو ہو رہی تھی جب داہنی طرف دیکھتے کھڑے ہو جاتے لوگوں نے سبب دریافت کیا فرمایا جب داہنی طرف نظر کرتا ہوں پیرو مرشد کی قبر نظر آتی ہے اور میں تعظیماً کھڑا ہو جاتا ہوں ؂

اکثر چشم مبارک بند رکھتے جب کھولتے اور کسی فاسق و فاجر پر نظر پڑتی فی الفور تائب ہوتا اور پھر کبھی اس سے گناہ سرزد نہ ہوتا ؂

نظر کیمیا اثر کے ڈالنے والے خواجہ بندہ نظر سوئے مقبول ہیں بھی حضور کے نام لینے والوں میں ہوں نظر ت کیجئے ؂

گل پھینکے ہیں غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے ابر کرم بحر سخا کچھ تو ادھر بھی

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند — آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

غریب نواز اس غریب کو بھی نوازیئے۔ تنگدستی نے گھیر لیا ہے مفلسی نے تباہ حال کر رکھا ہے۔ دنیاوی جاہ و مال کا آرزومند نہیں۔ توکل و قناعت کے خزانے میں سے کچھ دلوایئے فقیری کے گنج فراواں میں سے حصہ عطا فرمایئے۔ آپ سلطان العارفین ہیں آپ کے دربار سے کوئی خالی نہیں جا سکتا ؂

فرماتے ہیں عشق کا دریا محبت کا آتشکدہ ہے جو کچھ اس میں گرتا ہے جل کر نیست و نابود ہو جاتا ہے ؂

فرماتے ہیں نالے ندیاں کس زور شور سے چلتی ہیں لیکن جب دریا میں پہنچاتی ہیں تو ان کی شورش نہیں رہتی۔ اسی طور سے طالب جب حق سے ملتا ہے گم ہو جاتا ہے ؂

فرماتے ہیں۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو ذلیل سمجھنا تمام گناہوں سے زیادہ

نقصان وہ ہے +

فرماتے ہیں درویش وہ ہے جس کے پاس سے حاجتمند محروم نہ جائے +

ارشاد ہے حضرت آدم کے معتوب ہونے پہ ہر موجود ہستی نے زاری و افسوس کیا لیکن چاندی سونے نے خاموشی اختیار کی۔ خطاب باری ہوا۔ تم نے افسوس کیوں کیا جواب دیا جس نے تیرے فرمان کی تعمیل نہ کی ہم کیوں اس پر افسوس کرتے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کو عزت و دیگر بہت سے نفع انسانوں کو اس کے ذریعہ ہوئے گئے۔ اور بنی آدم کی ہستی کا مدار ٹھہرایا گیا الا ماشاء اللہ حتیٰ کہ اس سے خدا بھی ملسکتا ہے ؎

اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

پردہ پوشی کی تاکید

ایک شخص قتل کے ارادے سے آیا لیکن رخ انور کو دیکھکر تائب ہوا اور کہا کہ مجھ کو فلاں شخص نے مامور کیا تھا۔ حاضرین نے بھیجنے والے کا نام پوچھنا چاہا لیکن حضرت نے اُسے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ ہمارے مذہب میں پردہ پوشی کی تاکید ہے +

لطیفہ۔ فرمایا جبتک ہماری شادی نہ ہوئی تھی بلا دعا کے تمام حاجات پوری ہوتی تھیں۔ اب دعا کی ضرورت پڑتی ہے۔ سلطان التارکین مولانا حمید الدین صوفی نے عرض کیا بجا ہے۔ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہوئے تھے۔ حضرت مریمؑ کو میوے غیر فصل ملتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے پیدا ہونے پر بھی انہیں حسب عادت انتظار رہتا تھا۔ ارشاد الٰہی ہوا اے مریمؑ اب گھر بیٹھے بلا محنت رزق کا انتظار نہ کیا کرو ہاتھ پیر چلاؤ۔ وہزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطباً جنیاً حضرت نے یہ سنکر تبسم فرمایا اور یہ جواب پسند فرمایا +

فرمایا خیر مستان میں کوئی چیز نہ کھانی چاہیئے نہ قہقہہ مار کر ہنسنا کیونکہ یہ جگہ ہیبت و دہشت کا اثر قبول کرنے کیلئے ہے +

فرمایا۔ سورۂ فاتحہ تمام بیماریوں کیلئے دوا ہے جب کوئی بیمار دوا سے اچھا نہو تو اکتالیس بار صبح کی سنتوں اور فرض کے درمیان پڑھکر دم کریں حل مشکلات کیلئے بسم اللہ کے آخر میم کو الحمد کے الف لام سے ملاکر پڑھنا اکسیر ہے ✦

فرمایا۔ الحمد کی برکت سے ہم اپنے پیرو مرشد کے ساتھ دریا کے پار اُتر گئے ✦

فرمایا بعض بزرگوں نے سلوک کے سو درجہ رکھے ہیں ہمارے یہاں پندرہ ہیں ✦

ارشاد فرمایا جس وظیفہ کا ورد کرے ترک نہ کرے ورنہ ملعون ہوگا ✦

فرمایا۔ محبت والے کو فقر سے وحشت نہیں ہوتی ✦

فرمایا۔ ہم نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو خلافت دی۔ تمام تبرکات خواجہ صاحب کو دیکر فرمایا اے قطب الدین جس طرح ہم نے ان تبرکات کو تعظیم سے رکھا تھا تم بھی اسی طرح رکھنا اور اس کے مستحق کو دینا ایسا نہ ہو کہ مجھے اور تمہیں خواجہ خواجگان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قیامت کے روز شرمندہ ہونا پڑے۔ یہ امانت رسول کریم صلعم کی ہے چنانچہ آپ سے باباصاحب اور باباصاحب سے حضرت سلطان المشائخ سیدی و سندی خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دہلوی کو جو اعلیٰ ترین اس خرقہ کے مستحق تھے دیا گیا ✦

فرماتے ہیں کہ جو کوئی اس دعا کو روزانہ کسی وقت مقررہ پر پڑھے گا اسکی حاجت پوری ہوگی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الہ الا اللہ بزرگی و جباری لا الہ الا اللہ رحیمی و غفری لا الہ الا اللہ مرا الخلق نہ گذاری لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الٰہی بحرمت و برکت یکصد و چہاردہ سورۂ قرآن الٰہی بحرمت و برکت شش ہزار و شش صد و شصت و شش آیۂ قرآن بالٰہی بحرمت و برکت ہفتاد و شش ہزار و ہشتاد و شش کلمات قرآن الٰہی بحرمت و برکت حروف مقطعات قرآن الٰہی و برکت نود و نہ نام باری تعالےٰ الٰہی بحرمت و برکت سہ صد و نسب یک لکھ و یک ہزار و شش صد و نود و نو حروف قرآن الٰہی الٰہی بحرمت و برکت ملائکہ مقربین الٰہی بحرمت و برکت صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الٰہی بحرمت و برکت سادات الٰہی بحرمت و برکت سہ صد و اقطاب

الٰہی بحرمت و برکت ہفتاد نجبہ الٰہی بحرمت و برکت چہل مرد ابدال الٰہی بحرمت و برکت ہفت اوتاد الٰہی بحرمت و برکت یکمرد غوث الٰہی بحرمت و برکت یکمرد قطب الٰہی بحرمت و برکت جمیع علماء و فقہاء الٰہی بحرمت و برکت زہاد و عباد الٰہی بحرمت و برکت شہدائے اُمت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم الٰہی بحرمت و برکت جمیع مشائخانِ طریقت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ خداوندا ملکا باوشاہا مہلت دینی و دنیوی من بندہ را بنظر خود راست آریا جمیع مسلمانان آمین یارب العٰلمین سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العٰلمين وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى اله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين امين امين يارب العٰلمين ؁

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں۔ کہ ایک مدت تک حضرت خواجہ حسین ناگوری آپ کے مزار مبارک پر جاروب کشی کرتے رہے اس زمانہ میں آپ کے مزار مبارک پر کوئی عمارت نہ تھی ابتداء عمارت کی سلطان غیاث الدین کے وقت سے ہوئی ہے گنبد کا بڑا کلس اور کنگورے کی چھوٹی کلیسان سنہری ہیں اندر کے رُخ لاجوردی اور سنہری بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں چھت میں کاشانی مخمل کی زریں چھت گیری لگی رہتی ہے جس کے چاروں کونوں میں قمقمے سونے کی زنجیروں میں لٹکتے ہیں علاوہ ازیں چاندی کے قمقمے بھی بہت سے لٹکے ہوئے ہیں کئی بڑے بڑے آئینہ دیوار میں نصب ہیں جن کے گرد سنہری چوکٹے لگے ہوئے ہیں روضہ شریف کے اندر سونیکے پانی سے بہت سے شعار لکھے ہوئے ہیں جن میں سے بعض لکھے جاتے ہیں ؎

خواجۂ خواجگاں معین الدین ۔۔۔ شرف اولیائے روئے زمین
مطلع در صفات او گفتم ۔۔۔ در عبارت بود چو دُرِّ ثمین
اے درت قبلہ گاہ اہلِ یقین ۔۔۔ بر درت مہر و ماہ سودہ جبین

باقی اشعار طوالت کے خوف سے چھوڑ دیئے جاتے ہیں ؁

راقم الحروف جس زمانہ میں روضہ متبرکہ پر حاضر ہوا ہے گنبد شریف کی صفائی ہو رہی تھی شام کا وقت تھا

درگاہ کے مقبرہ والوں کی چوکی نہائت درد انگیز لہجہ سے فیل کا دوہا پڑھ رہی تھی -

ہم کھوٹے سب بات کے تم پورے مہاراج اپنا کر کے راکھیو موہے یا نہیں گے کی لاج

سو حضور یہی التجا ہے کہ اپنا کر کے راکھیو حضور کا دربار ہے اس سے مراد و مند خالی نہ جائے آپ ہی نے فرمادیا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے در سے کوئی محروم نہ جائے +

مزار شریف پر سیپ کے کام کا صندلی چھپر کٹ رکھا ہوا ہے جس کی چھت میں مخمل سومی کی سبز یا زرد چھت گیری لگی رہتی ہے۔ سنہری قمقمہ چاروں کونوں پر لگے ہوئے ہیں اس کے اندر مزار مقدس بنا ہوا ہے۔ سنگ مرمر کی صاف سنہری اور قیمتی چھت کے نیچے وہ شہنشاہ آرام کر رہا ہے جس نے ہندوستان کی اندھیری محفل کو چمکایا تھا جس کی برکت اب بھی دنیا میں پھیلی ہوئی ہے +

مزار اقدس پر طلائی فیروزی اور نشیب کے بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ تعویذ مزار بھی سنگ مرمر کا ہے جس پر لعل بدخشانی جڑا ہوا ہے ہمیشہ زربفت یا کمخواب کا غلاف مزار پر انوار پر چڑھا رہتا ہے اُس پر پھولوں کی چادر چاندی کا کٹہرہ ہے غالباً پہلے اس مقام پر سونے کا کٹہرہ ہوگا کیونکہ جہانگیر نے اپنی بعض مرادیں پوری ہونے پر ایک لاکھ دس ہزار کی لاگت کا طلائی کٹہرہ چڑھایا تھا +

بعض مؤرخ ان کٹہروں کو جہاں آرا کے چڑھائے ہوئے بتاتے ہیں۔ گنبد شریف کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ جس میں سنگ موسیٰ کی پچکاری کی ہوئی ہے۔ روضہ شریف جنوبی اور غربی محرابوں پر زریں پٹے لٹکے رہتے ہیں گرمی کے موسم میں جسکے پردہ لگائے جاتے ہیں جنوبی سمت کے دروازے سے نکلا جس مزار پر چاروں طرف پردہ پڑے رہتے ہیں جناب کی اہلیہ معظمہ کا بتایا جاتا ہے لیکن اس میں اس کے متعلق تحقیق نہیں۔ درگاہ شریف کے متعلق پچھتر ہزار کی جاگیر معافی ہے۔ مدرسہ۔ شفاخانہ۔ لنگر خانہ درگاہ شریف کی طرف سے کھلا ہوا ہے درگاہ شریف کا ہر ایک محکمہ منتقل ہے اور مثل بادشاہوں کے انتظام رہتا ہے۔

جمعرات کے دن شاہانِ سابق کا نمونہ نظر آجاتا ہے دیوان صاحب درگاہ جو حقیقتاً سجادہ نشین ہیں اور مینیجر صاحب درگاہ کے سلام کے لئے تشریف لاتے ہیں یہ عجیب مؤثر نظارہ ہوتا ہے سلام کرنے کے بعد باہر بیٹھتے ہیں چوبدار چاندی کے عصا لئے ہوئے ادب و تعظیم کے ساتھ اشارہ چشم کے منتظر کھڑے ہوتے ہیں قوالوں کی چوکی منتظر ہے کہ ہم کو مجرا کرنے کا حکم ہو۔ چوبدار سامنے کھڑا ہو کر بہت سے القاب و آداب کے ساتھ کہتا ہے حضور قوال نگاہ روبرو اشارہ چشم پر قوالی شروع ہو جاتی ہے تھوڑی دیر سماعت فرما کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور شیرینی تقسیم ہو جاتی ہے غرضکہ تمام حرکتیں شاہی آداب کے موافق ہوتی ہیں۔ آجکل درگاہ شریف کے دیوان صاحب سید امام الدین ہیں جو حضرت کی اولاد سے نہایت روشن خیال بزرگ ہیں +

خواجہ صاحب کی شاعری کی نسبت کسی تذکرہ میں ذکر نہیں لیکن دیوان عام طور پر بازاروں میں ملتا ہے ہم اس کے متعلق کوئی خیال نہیں ظاہر کرنا چاہتے بعض اشعار انتخاب کر کے لکھتے ہیں فیصلہ ناظرین پر ہے ؎

ماطلبگار توایم و تو گریزدانی زما
با بسوئت مقبل و تو روئے گردانی زما

گفتمش تا چند در پردہ نہاں خواہی شدن
وقت آں آمد کہ دیگر رو نہ پوشانی زما

گفتمن بے پردہ ام در پردہ بینی آں توئی
تا تو ہستی در ہزاراں پردہ پنہانی زما

کسیکہ عاشق معشوق خویشتن ہمہ اوست
حریف خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست

اگر دیدۂ تحقیق بنگری دانی
کہ ناظرِ دل و منظور جان و تن ہمہ اوست

چو اندر آئینۂ دل فتاد عکسِ رخش
چناں نمود کہ در جسم و جان من ہمہ اوست

اگر تو خرقۂ ہستیٔ خویش پارہ کنی
نظر کنی کہ دریں زیر پیرہن ہمہ اوست

گلو کہ کثرت اشیا ز فیض وحدت گشت
تو در حقیقت اشیا نظر فگن ہمہ اوست

اگر لباس حد و ثم بدر کنی چہ شود
مراز سیر حقیقت خبر کنی چہ شود

موج دریائے قدم شبنم امکان بر داشت
شد نہاں غیب و شہادت ہمہ دریجر شود

این منم یارب کہ اندر نورِ حق فانی شدم	مطلع انوارِ فیض ذاتِ سبحانی شدم
ذرہ ذرہ از وجودم طالبِ دیدار گشت	تا کہ من مست از تجلیہائے ربانی شدم
گر بچشم عاشقاں بینی جمالِ خویشتن	ہمچو من آشفتہ گردی در خیالِ خویشتن
آئینہ مغرور حسن خویشتن ہر گز نشد	بلکہ مے بیند جمالے در جمالِ خویشتن
قطرہ زاں بادہ کوہ طور را صد پارہ ساخت	عاشق مسکیں کجا ماند بحالِ خویشتن
اگر بچشم حقیقت وجود خود بینی	قیام جملہ آشیا بود خود بینی
چو از جمالِ نقاب بطوں بر اندازی	دراں ظہور وجود مرا عدم سازی

مضمون ختم ہوا واقعات بڑھانیکی ضرورت نہیں لیکن خواجہ اسلام کے چمکانیوالے خواجہ دھولے گنبد سنہری کلس والے سبز مخملی چادر کے نیچے آرام کرنیوالے اس فقیر کی طرف نظر ڈالئے دونوں ہاتھ جوڑے اُس مقام پر جہاں تمام افراد عورت مرد گورے کالے کھڑے ہوتے ہیں ! کھڑا ہے تیری زندگی سفید زندگی کے واقعات سفید کاغذوں کی چادر پر پھیلائے ہیں ان سادی چادروں کو کارچوبی بناتا سنہری اور روپہلی چمک سے چمکانا تیرا کام ہے۔

پیارے خواجہ ! راج دلارے خواجہ !! انفرادی خطاب سے بُرا نہ ماننا میں نے تیری زندگی کے ہر پہلو پر بحث کرنیکی کوشش کی ہے تیرا بچپن ! وہ حوادثات جو تیری آنکھوں نے بھولی آنکھوں نے ! دیکھی تیری کرامتیں تیری اسلام کی خدمت غرضکہ تمام باتوں کو اس مضمون میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ کچھ نہیں لکھا سے

ہاتھ خالی ہیں چلا دربار میں	کون پوچھے گا مجھے سرکار میں
ہاتھ خالی اس طرف جاتا ہوں میں	اس تہیدستی سے شرماتا ہوں میں

اگرچہ تیرا شاہی دربار باطن کی آنکھ نے نہیں دیکھا لیکن ظاہری شان و شوکت نظر سے گذر چکی ہے میں نے تیری سالگرہ کے دن جس کو ظاہر پرست عرس کہتے ہیں ان سوالی کرنیوالوں کی ضد کو دیکھا ہے جو ڈنڈے لیکر تیرے گنبد کے توڑنے کا گستاخانہ جملہ زبان سے نکالتے ہیں

مگر غریب نواز خواجہ! تو اپنے کرم اپنی گرانبہا نوازشوں سے ان کو وہ دیتا ہے جو مانگتے ہیں کیا میں بھی گستاخانہ جملے زبان سے نکالوں فقیری کی چادر اوڑھ کر ڈنڈے کی دھمکی دوں مگر نہیں میرے حضور خواجہ! میرے سرکار خواجہ ادب عقیدتمندی التجاؤں خاکسارانہ انداز سے آنسوؤں کے چمکدار اور پُراثر موتی غلامی امیدواری کے پھولوں کی چادر تیرے قدموں پر نثار کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہوں. پائنداز پہ پیروں میں گدگدی پیدا کرنیوالے! پائنداز پر کھڑا ہوتا ہوں سات بار سلام کرنے کے بعد آستانہ بوسی قبول ہو۔ دروازہ میں! اس چمکدار سنہری دروازہ میں جس میں شاہانِ عالم ادب سے نکلتے ہیں۔ ڈر کر جھجک کر داخل ہوتا ہوں چاندی کے کٹہرے کے سامنے دوبارہ سلام رد نہ کرنا۔ میرے غریب نواز خواجہ! قبول کر لینا۔ طواف کرنیکے بعد قدم بوسی پر ہاتھ رکھتا ہوں۔ اب یہاں سے ہاتھ نہ اُٹھاؤنگا۔ اس ناچیز تحریر کو قبول کر۔ میری پریشانی بیکسی کا تجھے علم ہے۔ غم کے بادل گرج رہے ہیں۔ ناکامی کی بجلی کڑکتی ہے وہ گھنگھور گھٹا اُٹھی اور غم کی بارش ہونے لگی۔ مرادوں کے برلانے والے خواجہ! ان غم کے آنسوؤں کو خوشی کا اظہار بنا موتی برسیں! شادمانی کے پھول بکھیرے جائیں تیرے در کا سہارا آلیا ہے دلانے خواجہ دینے دلانے والے خواجہ دلا ۔

به زمینِ که نشانِ کفِ پائے تو بود

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اجمیر جیسے کفرستان کو نورِ ہدایت سے چمکانے والے۔ تیرے قدم نے اُسے گلزار بنا دیا۔ میرے اُجڑے ہوئے دل کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر پر اپنے کفِ پا کا نقش جما اور اپنی عنایات کے راحت رساں دامن میں چھپا لے تکلیفیں دور ہوں۔ صدمے خاک ہو جائیں نسیمِ مسرت کے خوشگوار جھونکے پژمردہ دل کے باغ کو تر و تازہ کریں۔ خزاں کا دور ختم کر۔ بہار کا زمانہ دکھا دے ✣

سرکار! چشمِ مرحمت سے اشارہ فرمایئے۔ اب صدمات اور پریشانیاں نہیں اُٹھائی جاتیں۔ بس ایک نظر کرم ۔

چشم الطاف سے گر ٹک بھی اشارہ ہو جائے نام ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

خواجہ کا دربار

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی کے نام نامی کو سارا زمانہ جانتا ہے وہ تاجدار ہیں جن کا سکہ باوجود انقلاب سلطنت ملک کے ہندو مسلمانوں میں برابر چل رہا ہے، آج تک ایک پائی کا بٹہ نہیں لگا یکم رجب سے ۶ رجب تک اجمیر کے مقام خلافت میں اس ہند کے روحانی خلیفہ کا دربار جس کو اصطلاح میں عُرس کہتے ہیں منعقد ہوتا ہے یہ دربار کس شان کا ہوتا ہے اور اُس میں کیا رسمیں انجام پاتی ہیں ان کا ذکر مسلمانوں کے غمخوار رسالہ صوفی میں ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے ناظرین خواجہ خواجگان کے حالات سے باخبر رہیں اور کوشش کریں کہ جن طریقوں پر اجمیری سلطان نے چلکر اپنی روحانی حکومت ہند میں قائم کی ان کی خود بھی پیروی کریں تاکہ دینی روحانیت موجودہ کش مکش مادیات میں محفوظ رہے +

رجب سے پہلا مہینہ جمادی الآخر ہے مسلمان گھروں میں خواجہ معین الدین کا چاند کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ اس مہینہ میں اجمیری دربار جانیکی تیاریاں شروع ہوتی ہیں قصبوں شہروں اور دیہات کے باہر خواجہ کے نشان کھڑے کئے جاتے ہیں جن کے نیچے عورت مرد ہندو مسلمان بچے بوڑھے سب جمع ہو کر خواجہ کے گیت گاتے ہیں نذر نیاز کر کے فقراء کو کھانا کھلاتے ہیں اسکے بعد یہ نشان جن کو خواجہ کی چھڑیاں کہتے ہیں دہلی میں حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر جمع ہوتے ہیں اور یہاں سے یعنی جھنڈے کے نیچے یہ سب جھنڈیاں اجمیر شریف کو چلی جاتی ہیں۔ اس جھنڈے کے ہمراہ بہت بڑا قافلہ ہوتا ہے مگر آجکل ریل ہو جانے کے سبب اس مجمع میں پہلی سی رونق نہیں رہی +

رجب کی پہلی تاریخ سے دربار شروع ہوتا ہے اگلے وقتوں میں خیموں میں جن کو دل بادل کہتے تھے یہ رسمیں ادا ہوتی تھیں مگر اب تھوڑے عرصہ سے حیدرآباد کے نواب بشیر الدولہ فریدی کے تعمیر کردہ عظیم الشان دربار حال میں جس کو سماع خانہ اور محفل خانہ کہتے ہیں مراسم عرس انجام پاتے ہیں +

دربار کا افتتاح شب ہوں کہ شاہ عالم پناہ رب العزۃ والجبروۃ تعالےٰ شانہٗ کے فرمان مسمی باسم القرآن کی آیت سے ہوتا ہے یعنی اول قرآن خوانی ہوتی ہے اس کے بعد چونکہ خواجہ کے جانشین اس حکم کو جانتے ہیں کہ تکلموا الناس علیٰ قدر عقولہم آدمیوں سے اُن کی سمجھ کے موافق بات چیت کیا کرو۔ اس لئے فرمانِ الٰہی کی شرح تفسیر اس طریقہ سے کیجاتی ہے جس پر انسان فطرۃً مائل ہے اور جس کو اس کا دل آسانی سے قبول کر لیتا ہے یعنی قوالی اقوال توحید کو جن کا قرآن شریف مخزن ہے ہر خاص و عام کے ذہن نشین کر دیتی ہے قوالی میں وہ شعر گائے جاتے ہیں جن سے انسان اپنی حقیقت کے عرفان کی طرف متوجہ ہو کر وفی انفسکم افلا تبصرون پر عمل کرتا ہے قوالی جذبات نفسانی و ملکوتی میں امتیاز پیدا کر کے آدمی کو نورانیت و پاکیزگی کے خیالات میں جذب کر دیتی ہے اور اہل باطن کے لطیف جذبات کو اُبھارنے میں مؤثر ہوتی ہے۔ اسی واسطے خواجہ کے دربار میں قرآن خوانی کے بعد قوالی ہوتی ہے اور آخر شب تک دربار اسی طریق پر قائم رہتا ہے +

دربار کی شان! الہی سبحان اللہ زمین و آسمان بقعۂ نور نظر آتا ہے سفید مکان سفید فرش سفید جھاڑ فانوس سفید روشنی درمیانی کمرہ کے صدر میں سجادہ نشین صاحب کی مسند اور متولی صاحب کی نشست ہوتی ہے اُن کے قریب وہ حضرات ہوتے ہیں جن کو خواجہ کے دربار میں کسی قسم کا اخلاص اعزاز حاصل ہے یمین و یسار کی صفوں میں ہندوستان کے تمام نامی گرامی مشائخ درباری لباس میں دست بستہ سر جھکائے ادب سے بیٹھے ہیں گوشوں میں نقیب و چوبدار چاندی کی چوبیں لئے سفید جامے سفید عمامے پہنے کھڑے رہتے ہیں جو وزرا کو قرینے اور ضابطہ سے بٹھاتے ہیں اور درباریوں کو انکی شان و مرتبہ کے موافق جگہ بتاتے ہیں جب حضور سلطان الہند کے قائمقام سجادہ نشین صاحب کوئی حکم دینا چاہتے ہیں چوبدار آہستہ آہستہ ادب سے چلکر اُن کے سامنے جھک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور حکم سلطانی کو سن کر اُلٹے قدم واپس جاتا ہے سامنے طلائی و نقرئی اگر سوزوں میں بخورات روشن ہوتے ہیں جن سے دربار مہکا کرتا ہے۔ وسط دربار میں گاہے گاہے چار آتی ہے اور حضور سلطانی کے اشارے سے ممتاز درباریوں کو اُسکا حصہ عنایت تقسیم ہوتا ہے تہجد کے وقت

موافق تو اوصاف کا شمار نہیں کر سکتے۔ تاہم وہ خوبیاں جن کو جمہور تسلیم کرتے آئے ہیں ذیل میں درج کیجاتی ہیں:۔

دینی محاسن میں ایک مسلمان خاص کر ایک صوفی مسلمان کی شان ہونی چاہیئے کہ وہ تمام شرعی احکام کا پابند ہو اور اس کے دل میں اپنے دین کی دردمندانہ الفت ہو چنانچہ نواب سید امام الدین اس اعتبار سے لاثانی مسلمان ہیں اور امر و نواہی کا جتنا ان کو خیال ہے اور نماز و روزہ کے شغل کے باوجود دنیاوی مصروفیت کے جسقدر اُن کو پابندی رہتی ہے اس کی مثال اجمیر شریف میں بہت کم پائی جائیگی۔ اس کے بعد علمی قابلیت کے لحاظ سے وہ پورے نحوی ہیں انگریزی میں بھی اعلیٰ دستگاہ رکھتے ہیں۔ صاحب تصنیف و تالیف ہیں دنیاوی وجاہت میں تمام اجمیر میں سب پر فائق ہیں۔ برسوں ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر مامور رہ چکے ہیں انتظامی معاملات میں خاص دستگاہ ہے درگاہ کے پیچیدہ تعلقات کے خوب ماہر ہیں اور مدات سے ان مہمات کو انجام دے رہے ہیں +

سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مسلمانوں کے عاشق زار ہیں وہ عشق نہیں جو دوسروں کا دشمن بنادے اور اسلامی فریفتگی ان قوموں کو فراموش کرادے جو مسلمان نہیں ہیں مگر خواجہ غریب نواز سے عقیدت رکھتے ہیں بلکہ وہ عشق جو ایک درویش کو انسانی مساوات کی صورت میں اپنے بنی نوع سے ہوتا ہے مسلمانوں کی بہبودی و بہتری کا ان کو خاص خیال ہے خاصکر درویشوں کی موجودہ پراگندگی اور بے سروسامانی کی طرف انکی توجہ زیادہ ہے اس محبت کو سلیقہ سے استعمال کرنا بھی وہ خوب جانتے ہیں اور یہی وہ آن ہے جس پر آج مسلمانوں کی کروڑ ہا نگاہیں لگی ہوئی ہیں سر دست جو ایک عظیم الشان جسم ان کے روبرو ہے وہ ملک کے مشائخ کو ایک لڑی میں پرونا ہے اور سلطان الہند کی سچی جانشینی کا ثبوت دینا خدا تعالیٰ نے یہ جوہر ان کو عطا فرمایا ہے کہ بہت آسانی سے کل سلسلوں کے فقرا کو کسی ایسے مقصد کیلیے جو سب کی حالتوں اور ضرورتوں پر حاوی ہو متحد الخیال بنالیں اور جس وقت یہ ہوگیا تو پھر ہر مفید خیال بہت آسانی سے تمام ملک میں امن پذیر ہو سکتا ہے آجکل کیحالت کہ فقر میں اتحاد صوری و معنوی کا نام و نشان بھی نہیں حالانکہ اُن کا تمغہ امتیاز اتحاد رہے

عنقریب مل کر نئی صورت اختیار کریگی وہی اگلے زمانہ کی یکرنگی و یکجہتی پیدا ہوگی کہ قادری چشتی کا شریک حال نقشبندی و سہروردی کا ہم مقال صابری نظامی پر فدا نظامی صابری پر نثار ❊

دوسرا کام تصوف کی درسگاہ قائم کرنا ہے جس میں پیرزادوں اور مشائخ زادوں کی تعلیم و تربیت کا کچھ تدارک ہو سکے آج جس قدر خرابیاں خانقاہوں اور بزرگوں کی اولاد میں پھیلی ہوئی ہیں وہ سب جہالت کے طفیل ہیں اسرار طریقت کیجا شریعت کے احکام کی بھی ان مشائخ زادوں کو خبر نہیں جو ایک وقت میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے مقتدا اور ہادی بنتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام گروہ جو بے علم پیروں کے زیر اثر ہے گمراہ اور خراب ہوتا جاتا ہے اور سر کی خرابی سے جسم کی ابتری کا اثر مسلمانوں کے افراد میں تیزی سے بڑھ رہا ہے دیوان سید امام الدین صاحب کو یہ کام بہت آسان ہے اجمیر شریف میں شاہی وقف کے ایک عربی درسگاہ پہلے ہی موجود ہے اسی کو درست کر کے اعلیٰ پیمانہ پر کر دیا جائے اور مدرس ایسے رکھے جائیں جو علاوہ مروجہ نصاب عربی کے صوفیانہ کتب کا درس بھی جاری کریں۔ دیوان صاحب تمام ہندوستان کی خانقاہوں اور مشائخ میں حکم نامے جاری کر کے ان بزرگزادوں کو اس درسگاہ میں بلوائیں اور پڑھوائیں پھر دیکھیے کیا ظہور ہوتا ہے اور کس قدر سرعت سے یہ تنزل دور ہوتا ہے ❊

مذکورہ بالا دونوں باتیں سب سے پہلے عمل پذیر ہونیکے قابل ہیں۔ علی الخصوص تجویز ثانی یعنی درسگاہِ تصوف کا قائم کرنا اور مشائخ پر اپنی اولاد کو تعلیم دلانیکے لئے زور ڈالنا ❊

یہی عرس شریف اس تجویز پر عمل کرنے کا وقت ہے سارے ملک کے مشائخ جمع ہیں ہر محب الفقراء شخص کا فرض ہے کہ دیوان صاحب قبلہ سے جا کر عرض کرے اور انکو اس وقت سے فائدہ اُٹھانے کیلئے توجہ دلائے ❊

حلقہ نظام المشائخ اس خدمت کو اپنا اولین فرض سمجھتا ہے اور اُس نے جہانتک اس کے امکان میں تھا اس کی سعی کی ہے اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خود دیوان سید امام الدین صاحب نے حلقہ کی رکنیت قبول فرمائی ہے چنانچہ ۱۷ جون ۱۹۱۶ء کو

منزل گاہ حلقہ نظام المشائخ میں حسب ذیل ارشاد نامہ حضرت کے دست خاص سے لکھا ہوا موصول ہوا :-

بخدمت شریف شاہ حسن نظامی صاحب بیر حلقہ نظام المشائخ۔ السلام علیکم! میں نے مطالبات اغراض حلقہ کو بغور دیکھا میں بخوشی آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ میرا نام بھی اراکین حلقہ میں شامل کیا جاوے۔ والسلام ۔ (الراقم دیوان سید امام الدین علیخان چشتی سجادہ نشین اجمیر شریف)

دیوان صاحب کی اس شرکت سے تمام اراکین و خدام حلقہ نظام المشائخ کی ہمتیں بڑھ گئیں اور انہوں نے اپنے ارادوں کی سرسبزی کا قوی یقین کر لیا کہ اس عرس کے لئے اکثر خدام و اراکین کی رائے تھی کہ اجمیر شریف میں حلقہ کا ایک جلسہ کیا جائے مگر میں نے چند در چند مصلحتوں سے اس رائے کو قبل از وقت سمجھ کر مخالفت کی اور حلقہ کی کوشش کو دیوان صاحب پر منحصر رکھا خود دخل در معقولات کو مناسب نہ جانا لہذا دبیر حلقہ سے جہاں تک ہو سکے گا دیوان صاحب کو ان ضروری تجویزوں پر عملدرآمد کرنے کے لئے جن کا اوپر ذکر آیا متوجہ کرے گا نیز علیحدہ خاص ملاقاتوں میں فرداً فرداً مشائخ کو بھی آمادہ کریگا اور اس کے خیال میں اسی آہستگی سے کام شروع کرنا مناسب ہے بجائے اس کے کہ غل شور کے جلسے ہوں اور نتیجہ نہ نکلے ۔

حیات خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی تھیں۔ عورتوں میں سب سے اول آپؓ ایمان لائیں۔ آپؓ نے اپنا تن من دھن سب کچھ اس داعی صادق پر قربان کردیا۔ جسکے نام میں ہم لوگوں کی بیماریوں کی شفا اور حاجتوں کی قضاء ہے۔ آپؓ کو یہ شرف حاصل تھا۔ کہ انکی زندگی میں حضرت رسالتمآبؐ نے دوسری شادی نہ کی۔ اسلام سے پہلے اگر رسول خدا قریش میں امین کے لقب سے ملقب تھے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ طاہرہ کے خطاب سے مخاطب کی جاتی تھیں اس پاک بی بی کے مقدس حالات جسقدر سبق آموز ہوسکتے ہیں وہ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ مولانا سید عاشق حسین صاحب سیماب صدیقی اکبرآبادی نے اس اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اور آپ کے حالات زندگی میں یہ جامع کتاب لکھی جس کی نظیر کم سے کم اردو زبان میں اس سے پہلے نہیں۔ شروع کتاب میں مزار حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا فوٹو بھی لگوادیا گیا ہے۔ قیمت بلاجلد عہ مجلد ولائتی کپڑے کی جس پر کتاب اور مصنف کا نام سنہری حرفوں سے چھپا ہوگا صرف ۱؍عہ

علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

منیجر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین (ضلع گجرات)